اسلامی تصوّف میں

"مسائل السّلوک"

کا مقام

پروفیسر محمد لطیف

اسلامی تصوّف میں

مسائل السّلوک (از اشرف علی تھانویؒ)

کا مقام

پروفیسر محمد لطیف

ایم اے (اسلامیات و عربی) ایم فل (علوم اسلامیہ) ایل ایل بی

نام کتاب : اسلامی تصوف میں مسائل السلوک کا مقام

مصنف : پروفیسر محمد لطیف ایم اے۔ ایل ایل بی، ایم اے عربی و اسلامیات، ایم فل (علوم اسلامیہ)

اشاعت اول : مارچ 2002ء مطابق ذوالحج ۱۴۲۲ھ

ناشر : صدیق فاروق لطیف ایم ایس سی (آنرز)

مطبع : ایف آئی پرنٹرز۔ راولپنڈی

قیمت : 145 روپے

ملنے کا پتہ : کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

فون: 5554798

دیگر مشہور تاجران کتب راولپنڈی، اسلام آباد، گوجر خان

فہرست مضامین

بنیادی عقائد اسلام اور سلوک

توحید وضدھا

رسالت

آخرت

اخلاقیات

اخلاق محمودہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

"اسلامی تصوف میں مسائل السلوک (از اشرف علی تھانوی) کا مقام" لگ بھگ گزشتہ تیرہ صدیوں پر پھیلے ہوئے مسلمانوں کے ہاں "سلوک" کے بہت بڑے ذخیرے کا گویا پاسپورٹ سائز سے بھی بہت چھوٹا فوٹو ہے قرآن حکیم کے باطنی معانی کے ادراک کا جو کام نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پورے عدل کے ساتھ شروع ہوا، جس کو آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ نے بطریق احسن جاری رکھا اور پھر آگے نسلاً بعد نسلٍ تیرھویں صدی تک قرآن کریم کے ظاہری، باطنی اور اشاری معنوں پر غور کرنے والوں نے پہنچایا، اس نے اعتدال کے ابتدائی دور سعید کے بعد بہت سے زیرو بم دیکھے، پلڑا کبھی افراط اور کبھی تفریط کی طرف جھکتا رہا۔ مختلف ادوار کے مسلمان مفسرین کے حوالوں سے تصوف میں در آنے والی تبدیلیوں کا بہت مختصر جائزہ لے کر کتاب ھذا حوالہ جات مرتب کی گئی ہے۔ درست طور پر نتیجہ نکالا گیا ہے کہ تصوف کوئی ہوا یا ڈراونی اور قابل نفرت چیز کا نام نہیں بلکہ تزکیۂ نفس کا ہی پروگرام ہے جو آخر الامر مطلوب و مقصود ہے اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے بعد جو حکمت پیدا ہوتی ہے اس کا نچوڑ ہے۔ خداوند کریم قارئین کو کتاب ھذا سے پورا پورا نفع اٹھانے کی توفیق دے۔ آمین

احقر
صدیق فاروق لطیف
ایم ایس سی (آنرز)
مکان نمبر ایس اے 1000
صادق آباد، راولپنڈی

تشکّر

سب تعریفیں اس خالق کائنات کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا ہے۔ جس کی مسلسل رحمت سے ساری مخلوقات مستفید ہو رہی ہے۔ جس کی بے پایاں رحمت و نعمت مایوس کن حالات میں دفعتاً امید کے چراغ جلا دیتی ہے اور حوصلے ہار دینے والوں میں نئی امید اور نیا ولولہ پیدا کر دیتی ہے۔ جو خود حساب لینے والا ہے اور حساب کے دن کا بلا شرکت غیرے مالک ہے۔ کسی کو اس کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ جس سے جو کام جس وقت اور جس طریقے سے لینا چاہے اسے اس کی قدرت حاصل ہے۔ اس کے سوا کوئی کار ساز نہیں۔ سب نعمتیں اس کی ملکیت ہیں اور جس کو جس قدر عطا کرنا چاہے کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا اور نعمتیں اتنی ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔

خاکسار کی کتاب ھذا دو حصوں پر مشتمل ہے زیادہ تر مواد وہ ہے جس پر ایم فل (اسلامیات) کی ڈگری حاصل ہوئی بعد میں اس میں 70/80 صفحات کا اضافہ مقالے کو پی ایچ ڈی کے معیار تک لانے کے لئے کیا گیا۔ جس کا زبانی وعدہ اس وقت کے اوپن یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد نے کیا تھا اب ان کی جگہ نئے اصحاب نے لے لی ہے۔ سارے مواد کو کتاب کی شکل میں چھپوا کر ان کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں دیکھیں کیا کرتے ہیں۔ ریٹائر ہونے کے بعد قومی خزانے پر کوئی بوجھ تو ہے نہیں۔ ایم فل کے مقالے کے کام پر بہت سارے لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کا خوشگوار فرض راقم کے ذمے ہے۔ آئندہ کی سطور میں اس کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ کارساز حقیقی کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے راقم سے ایک ایسا کام کرا لیا۔ جو اس جیسے آدمی کے لئے بہت مشکل تھا۔ نگران کے فرائض کی ادائیگی کے لئے جناب فدا محمد خان جج شرعی عدالت کے اپنی مصروفیات کی بنا پر انکار اور پھر جناب محمود احمد غازی ڈائریکٹر جنرل دعوۃ اکادمی کی دفتری اور علمی مصروفیات کی بنا پر عدم دستیابی کی وجہ سے مایوسی غلبہ پانے ہی والی تھی کہ جناب ڈاکٹر پیر محمد حسن (مرحوم) سے حاضری کی اجازت مانگی جو بلا تکلف و تردد مل گئی۔ پیر صاحب علمی، ادبی اور تحقیقی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ راقم نے ان کی زیر نگرانی پانچ باب مکمل کئے۔ آپ کو جب کبھی کام کا کوئی

حصہ بھیجا یا خود لے کر گیا۔ آپ نے بلا تاخیر ایک دن رات کے وقفے کے بعد مناسب ہدایات کے ساتھ واپس کر دیا۔ آپ اپنے خیالات ٹھونستے نہیں تھے یہ آپ کی پختہ عادت تھی بلکہ جو کچھ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا اس کی ترتیب کو یا کسی شعر کا یا اصطلاح کا غلط معنی لیا گیا ہو تو اس کو درست فرما دیتے تھے۔ آپ نے سارا کام کرا دیا۔ مگر اپنی مصروفیات کی بنا پر نگران کے طور پر مقرر کئے جانے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ بہت دفعہ آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر ہر دفعہ معذوری ظاہر کرتے رہے۔ خداوند کریم آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

ابھی خاکہ بنانے کا مرحلہ تھا کہ جناب ڈاکٹر رحیم بخش شاہین (مرحوم) کے مفید مشورے رہنمائی کے لئے کام آئے۔ آپ نے طویل فہرست کو پڑھا۔ ترامیم کرنے کو کہا۔ اس طرح ایک مناسب اور جامع خاکہ بن سکا۔ آپ کے قیمتی مشورے لکھائی کے مرحلے تک حاصل رہے۔ آپ کی محبت اور رہنمائی پر بہت شکر گزار ہوں آپ ہی کے شعبے میں جناب ڈاکٹر محمد صدیق شبلی صاحب ہیں۔ انہوں نے مقالے کے عنوان کے سلسلے میں میری مدد کی۔ کئی عنوان بدل بدل کر قائم کئے۔ مگر وہ جچتے نہ تھے۔ آپ نے اس مشکل میں خاص طور پر اور مقالے کے بارے میں دیگر مواقع پر بہت حوصلہ بڑھایا۔ ان کی محبت بھری رہنمائی پر شکر گزار ہوں۔

مقالے کو لکھنے کے قابل بنانے اور اس کی تیاری کے مختلف مراحل میں جناب ڈاکٹر خالد مسعود صاحب کی رہنمائی مفید رہی۔ آپ ریسرچ انسٹیٹیوٹ اسلام آباد کے روح رواں ہیں۔ مجھے ان سے فائدہ پہنچا ہے۔ ان کا ممنون احسان ہوں۔ آپ کے علاوہ ڈاکٹر محمود غازی، ڈاکٹر محمد طفیل (اسلامی یونیورسٹی) اور جوہر آباد کالج کے پرانے ساتھی ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب کے مشوروں کا بھی شکریہ ادا کرنا میرا خوشگوار فرض ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی لائبریری میں جناب غلام حسین بٹ صاحب نے میری بہت مدد کی بلکہ تواضع بھی کرتے رہے میں شرمندہ ہوں ان کے احسانات کا کچھ صلہ نہیں دے سکا اجر ان کو اللہ دیگا کیونکہ وہ تحصیل علم میں میرے مددگار تھے۔ میں ان کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ان کی غیر حاضری میں بزرگ اور متاثر کن شخصیت کے مالک امتیاز الحسن صاحب میرے کام میں ہاتھ بٹاتے رہے انھوں نے پرنسپل لائبریرین، سید احمد ظفر شاہ صاحب

کے وضع کردہ سخت قسم کے ضابطوں کو پورا کرنے میں بھی میرا ہاتھ بٹایا اور کتابوں کا حصول قانونی طریقہ سے ممکن بنایا۔ میں ان کا دہری مدد پر شکر گزار ہوں۔ خانہ فرہنگ ایران کے لائبریرین جناب قربان صاحب کی مہربانی ہمیشہ یاد رہے گی۔ انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جس کتاب کو دیکھنے کی ضرورت پڑی، عنایت کر دی۔

مقالہ کا کام مکمل ہو گیا۔ جناب پیر صاحب آئندہ کے مراحل میں فارغ نہ تھے۔ اب مسئلہ یہ درپیش تھا کہ کون اس کام کی ذمہ داری لے۔ آخر راقم اور چند دوستوں کی درخواست پر ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی صدر شعبہ اسلامیات اور عربی علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی خود مقالے کو جانچنے کے کام پر راضی ہو گئے۔ آپ نے گوناں گوں مصروفیات میں سے وقت نکالا اور اول سے آخر تک مقالہ پڑھ ڈالا اور چند تبدیلیوں کے ساتھ لکھوانے کی اجازت دے دی۔ آپ نے راقم کی محنت کی داد دی اور کام کو درست قرار دیا۔ آپ کا بہت ممنوں ہوں۔ آپ نے دوسروں کا کام اپنے ذمے لے لیا اور پایہ تکمیل تک پہنچانے کی منظوری دے دی۔ آپ جیسے تفسیر، حدیث، فقہ اور اسلامی تاریخ پر جدید دور کے تقاضوں کے مطابق نظر رکھنے والے سکالر کی مقالہ کے بارے میں رہنمائی اور رائے، راقم کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔

آخر میں شکریے کا حق ادا کرنا ہے اپنے عزیز بھائی ڈاکٹر محمد حنیف صاحب کا۔ آپ وزارت مذہبی امور اسلام آباد میں ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہیں۔ آپ نے مقالے کے پہلے لفظ سے لے کر آخر تک اس کو تحقیق کی پٹڑی پر رکھنے میں میری مدد کی۔ حوالہ جات میں سستی کرنے پر ناراضگی کا اظہار کرتے اور مجبور کئے رکھا کہ ہر کام ساتھ ساتھ مقرر جگہ اور وقت میں کیا جائے۔ مقالے کی ترتیب میں مدد دی اور آخری مرحلے پر لکھوانے کا سارا کام ہی اپنے ذمے لے لیا۔ اس کام میں بہت دقتیں پیش آئیں۔ پہلے ٹائپ کا انتظام کیا۔ وہ نہ ہو سکا۔ پھر ہاتھ سے لکھوانے کا انتظام کر لیا۔ کاتب نے بہت محنت سے مقالے کو لکھ ڈالا۔ ڈاکٹر محمد حنیف صاحب کا سرمایہ کتب جو زیادہ تر تصوف کے موضوع پر ہے اور ہزار سے زیادہ کتابوں پر مشتمل ہے، میرے بہت کام آیا۔

علاوہ ازیں ان تمام احباب کا شکر گذار ہوں جنہوں نے کسی بھی موقع پر اور کسی بھی مرحلہ میں مجھے کوئی مفید بات بتائی۔ کسی لائبریری یا کسی کے ذاتی کتب خانے کا پتہ بتایا۔ کسی مفید

ادارے یا شخص تک پہنچنے میں رہنمائی کی یا از خود کوئی ایسا کام کر دیا۔ جس کی وجہ سے کام کرنے میں سہولت پیدا ہوئی۔ 80/70 صفحات پر مشتمل مواد کا حصول اور عربی سے اردو میں ترجمہ محض اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانیوں سے ممکن ہوا، راقم کو مشیت ایزدی حاصل رہی اور مشکلیں آسان ہوتی گئیں۔ اس پر خالق کائنات کا جس قدر شکر کیا جائے کم ہے ورنہ احقر کس قابل تھا۔ ؟

حقیقت یہ ہے کہ سب کے دلوں میں راقم کے لئے رہنمائی، ہمدردی، دوستی اور محبت کے جس قدر جذبات پیدا ہوئے۔ اللہ رب العزت نے ہی پیدا کئے۔ اس لئے سب شکریے اسی کی ذات کے تابع ہیں ورنہ وہ نہ چاہتا تو کوئی بھی مددگار نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ راقم کے گناہوں سے درگذر فرمائے گا تو اس کا بیڑا پار ہو جائے گا ورنہ تحقیق کے کام میں تو ایسی کوئی خوبی موجود نہیں۔

خاکسار

پروفیسر محمد لطیف

مکان نمبر ایس اے 1000 صادق آباد، راولپنڈی

افتتاحیہ

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا معجزانہ کلام ہے۔اس کی زبان عربی مبین ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر تقریباً 23 سال کی مدت میں نازل ہوا۔ قرآن مجید کی تفہیم کیلئے اللہ تعالیٰ کے آخری رسول کی ضرورت تھی جنہوں نے اس کا ظاہری اور باطنی مفہوم بیان فرمادیا اور سنت ثابتہ قائم کر کے عملاً بھی منشائے ایزدی کا مظاہرہ فرمادیا۔

قرآن حکیم نے اپنے باطنی معانی کی طرف خود اشارہ کیا ہے

فما لهؤلاء القوم لا يكادون يفقهون حديثا (النساء . ٧٨)

"آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات انکی سمجھ میں نہیں آتی"

اوافلا يتدبرون القرآن ام علىٰ قلوب اقفالها (سوره محمد . ٢٤)

"کیا ان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا یا ان کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں" جیسی آیات مبارکہ کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ عرب جن کی مادری زبان عربی تھی وہ قرآن کا ظاہری مفہوم نہیں سمجھ رہے تھے بلکہ اس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگ قرآن کے باطنی مفہوم کو جاننے میں کوتاہی کر رہے تھے حالانکہ مراد ربانی کا صحیح ادراک کرنے کے لئے ان معانی کو جاننے کی اشد ضرورت ہے۔اسی کا نام فکر و تدبر ہے جس کی قرآن کے سلسلے میں سخت ضرورت ہے۔

سرور عالم نے بتایا قرآن کریم کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے ہر حرف کی ایک حد ہے اور ایک مطلع (بلندی) ہے۔آنحضورؐ نے تیمم کی غرض سے زمین پر لوٹنے پوٹنے والے کو اور روزے کی ابتداء کے لئے سفید اور کالے دھاگے پاس رکھنے والوں کو بالترتیب تیمم اور آغاز سحر کا جو مفہوم بتایا وہ قرآن حکیم کا باطنی مفہوم ہے جو ظاہر الفاظ کے ذریعے معلوم نہیں ہو سکتا۔اسی طرح جہاں جہاں ضرورت پڑتی تھی آپ ظاہری کے ساتھ ساتھ باطنی معانی بھی سمجھا دیا کرتے تھے۔

صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی آیات ربانی کی دونوں قسم کی تعبیریں کی جاتی تھیں۔ تکمیل دین کی آیت کا ظاہری مفہوم باعث مسرت تھا کہ دین مکمل اور کامل کر دیا گیا لوگ اس پر بہت

خوش ہوئے۔مگر اسی آیت کے باطنی مفہوم میں حضرت ابو بکرؓ کو آنحضورؐ کی جدائی کا صدمہ محسوس ہوا اور آپ رونے لگے چنانچہ جب حضرت ابو بکرؓ کے باطنی مفہوم کا آپؐ سے ذکر کیا گیا تو رحمۃ للعالمین نے بھی اس بات کی تصدیق فرمادی۔

باطنی اور اشاری مفہوم کو تفسیر کا لازمی جزو سب سے پہلے سہیل تستری م273/283ھ بتایا آپ نے اپنی صوفیانہ تفسیر کا نام "تفسیر القرآن" رکھا۔ آپ ظاہرہ معنوں کو حق مانتے ہیں اور اشاری معنوں کو بھی "اللہ کی مراد" بتاتے ہیں جو اللہ کے کسی بندے کے دل میں ڈالے جاتے ہیں تفسیر کا یہ دور ظاہری پر اشاری تفسیر کے غلبے کا دور ہے۔

رفتہ رفتہ صوفیاء نے ظاہری معانی سے رشتہ منقطع کر دیا اور صرف باطنی تفسیر کرنے لگ گئے۔اس دور کے مفسر صوفیاء میں کچھ ایسے تھے جو یہ نہیں کہتے کہ "ظاہری تفسیر مراد ہی نہیں" بلکہ ظاہری کو ماننے کے باوجود صرف اشاری تفسیر کرتے ہیں جیسے سلمی متوفی412ھ جنہوں نے "حقائق التفسیر" لکھی ہے اور یہ ساری کی ساری صوفیا کے طرز پر ہے اور اس میں ظاہری تفسیر سے مطلقاً تعرض نہیں کیا گیا۔یا ابو محمد روزبہان متوفی 606ھ جن کی تفسیر کا نام عرائس البیان فی حقائق القرآن ہے اور آپ سلمی کے بالکل ہم خیال معلوم ہوتے ہیں اس دور کی باطنی تفسیر کو خالص اشاری تفسیر کا دور کہنا مناسب ہے۔

آگے ایک دور ڈاکٹر ابراہیم بسیونی کا آیا جنہوں نے "لطائف الاشارات" تحریر کی جس میں اشاری اور نظری تفسیر کا معجون مرکب ہے۔مگر ایسی اشاری تفسیر کو درست مانا گیا ہے جس میں ظاہری تفسیر سے انکار نہ کیا گیا ہو۔

ابن عربی متوفی638ھ کا دور خالص نظری تفسیر کا دور ہے اس میں ظاہری تفسیر کو مطلقاً نظر انداز کیا گیا ہے۔ نظری تفسیر کا بنیادی موضوع وحدۃ الوجود ہے۔اس تفسیر کا اکثر حصہ بالائے فہم و ادراک ہے۔ آپ اپنی تفسیر کو قرآن مجید کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں اپنے نظری خیالات کو اللہ کی طرف سے القا شدہ بتاتے ہیں اور ان کے علاوہ ظاہری مفہوم پر ایمان لانے کو کفر کہتے ہیں۔ابن عربی کی تفسیر کا نام "تفسیر ابن عربی" ہی بتایا جاتا ہے۔یہ دور خالص نظری تفسیر کا دور کہلاتا ہے اور یہ چھ طویل صدیوں پر محیط ہے۔

ابن عربی سے تقریباً ساڑھے چھ سو سال بعد علامہ آلوسی متوفی 1275ھ نے "روح المعانی" تحریر کی جو در حقیقت تو ظاہری تفسیر ہے مگر اس میں اشارات کی بھی بھر مار ہے آپ نے علمی طریقے سے تفسیری سرمائے کو نظری اور فلسفیانہ خیالات سے پاک کیا یہ دور ظاہری کے اشاری اور باطنی تفسیر پر تفوق کا دور ہے۔

گزشتہ صدی میں اشرف علی تھانوی متوفی 1392ھ نے بیان القرآن تحریر فرمائی جو ظاہری (بالماثور اور بالرائے) تفسیر ہے۔ اسی تفسیر میں جہاں ضروری خیال کیا اشاری تفسیر کا اضافہ کیا ان اشارات کا نام "مسائل السلوک" رکھا۔ مسائل السلوک میں مختصر اور جامع انداز اختیار کر کے تصوف میں در آنے والے غلو کو مسترد کر دیا جو گزشتہ دس صدیوں سے کسی نہ کسی شکل میں چلا آ رہا تھا "مسائل السلوک" کے مقام اور کردار کا تفصیلی ذکر کرنا مقصود ہے جبکہ بقیہ ادوار کی تفاسیر کا مختصر تذکرہ کافی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی بیان القرآن اردو زبان کی بہت مختصر مگر جامع تفسیر ہے۔ مفہوم کی مناسبت سے جن آیات کی تفسیر کو ایک عنوان کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ وہ عنوان ہی اتنا مکمل اور جامع ہے کہ پوری بات ان چند الفاظ کے مجموعے سے ہی واضح ہو جاتی ہے۔

بیان القرآن کے مفسر نے تراجم کی غلطیوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے اور ان کے نقصانات سے بچانے کے لئے ترجمے کے کام کا بیڑا اٹھایا آپ کے ترجمے میں یہ خوبی ہے کہ آپ کو تشریح کی خاطر بھی ان زائد الفاظ کی بہت کم ضرورت پڑی ہے جو قوسین میں آئے ہیں۔ ترجمہ اس بامحاورہ زبان میں ہے جو علاقے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ لوگوں کے پر زور اصرار پر آپ نے تفسیر کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ اس کام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ ملکہ ودیعت کیا ہے کہ دوسرے حضرات جس بات کو کئی صفحوں میں بیان کرتے ہیں آپ اس کو چند سطروں میں بیان کر دیتے ہیں۔ آپ کی تفسیر بالماثور کے ساتھ ساتھ بالرائے بھی ہے۔ مگر رائے دیتے ہوئے آپ قرآن و سنت کے مجموعی تاثر کو پوری طرح قائم اور برقرار رکھتے ہیں۔ آپ نے کچھ آیات قرآنی کی باطنی (صوفیانہ) تفسیر بھی کی ہے۔ جس کو مسائل السلوک کے عنوان سے عام تفسیر سے ممتاز کیا گیا ہے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف اور مولف ہیں۔ آپ کے نام سے ہر چھوٹے بڑے شہر میں

اشرفیہ لائبریریاں اور مدرسے قائم ہیں۔ لوگ آپ کے خلیفہ ہونے اور مرید ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ آپ کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کرنے والے علماء کی کمی نہیں۔ مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ آپ کی تفسیر کے اس انمول نمونے (مسائل السلوک) کو سمجھنے کے لئے شاید کسی نے آج تک کچھ نہیں کیا یا کم از کم اتنا کچھ نہیں کیا جس کی ضرورت تھی حالانکہ اس میں حقیقی تصوف اور صوفی صافی کا ایسا جامع تصور پیش کیا گیا ہے، جس سے تصوف میں شامل ہو جانے والے "غلو" کو دور کیا گیا ہے اور اسے حقیقت کے خوبصورت روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تصوف کو ناپسند کرنے والوں کے سارے سوالوں کے ایسے جوابات موجود ہیں، جو حقیقی اسلام کا طرہ امتیاز ہیں، یہی خوبیاں چن چن کر اکھٹی کرنے کی ضرورت ہے تاکہ معرفتِ خداوندی کے صحیح مفہوم کو سمجھا جا سکے۔ مفسر موصوف روح المعانی آلوسی کو حوالے کے طور پر اکثر مقامات پر پیش کرتے ہیں۔ گویا آپ کی ذہنی مماثلت علامہ آلوسی سے ہے۔ آپ نے علامہ موصوف کے کثیر خزانے میں سے بہت قلیل مقدار کی مدد سے اپنا پورا مقصد حاصل کر لیا ہے۔

کتاب ھذا کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور آخر میں پوری بحث کا (عصارۃ التحقیق) خلاصہ دیا گیا ہے۔ باب اوّل تین فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں صوفی اور تصوف کے بارے میں مختلف ادوار کے صوفیا کے نظریات اور صوفیانہ اصطلاحات کے معانی دیئے گئے دوسری فصل میں ظاہری تفسیر میں آنے والے تغیرات مثلاً باطنی اور اشاری رجحانات کو ترتیب زمانہ کے اعتبار سے گنوایا گیا ہے۔ اور ان کے تحریری نمونوں سے دعوے کے حق میں ثبوت مہیا کئے گئے ہیں اسی میں آخر پر مفسر مسائل السلوک، اشرف علی تھانوی صاحب کا مختصر تعارف بھی آگیا ہے۔ فصل سوم میں عہدوار تفسیری رجحانات کے بارے میں تفسیری اقتباسات لائے گئے ہیں جن سے تفسیر ظاہری، باطنی اور اشاری کے ارتقاء کا پتہ چلتا ہے۔ اس فرق کو واضح کرنے کے لئے مشہور صوفیاء کی تفاسیر سے تقریباً ستر صفحات پر مشتمل عبارات لائی گئی ہیں۔ دوسرا باب ان مشہور اصطلاحات تصوف پر مشتمل ہے جو صرف مسائل السلوک میں آئی ہیں اور ان کی ایسی تشریح کی گئی ہے جو تصوف کی مشہور شخصیات کی اصلی کتابوں اور بنیادی ماخذوں میں ہے۔

تیسرا باب تین بنیادی عقائد پر مبنی ہے۔ اس کی فصل اول میں توحید اور شرک۔

فصل دوم میں رسالت اور فصل سوم میں عقیدہ آخرت کا وہ تصور پیش کیا گیا ہے، جو مسائل السلوک سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس باب میں جاہل صوفیا کے ہاں پائے جانے والے غلو کو مسترد کیا گیا ہے اور قرآن کریم کی اشاری تفسیر کی مدد سے حقیقی مفہوم سامنے لایا گیا ہے۔

باب چہارم مہاب اخلاق ہے۔ اس کی پہلی فصل میں اخلاق محمودہ کا تفصیل سے ذکر ہے اور دوسری فصل میں چن چن کر اخلاق مذمومہ بیان کئے گئے ہیں اور پھر مناسب الفاظ میں ان کی مذمت بھی کی گئی ہے۔ انسانی زندگی کا شاید ہی کوئی اچھا یا برا پہلو ایسا رہ گیا ہو جس پر اس حصے میں روشنی نہ پڑتی ہو۔

باب پنجم تصور شیخ، اس کا مقام و مرتبہ، حقوق و فرائض اور خارق عادت وغیرہ امور پر مشتمل ہے۔ اس باب کی فصل اول، اللہ کے نیک بندوں کے لئے ان کی مختلف خصوصیات کو ظاہر کرنے والے اصطلاحی ناموں پر مشتمل ہے۔ مختلف معنوں میں مسائل السلوک میں ان کے استعمال کے حوالے درج کئے گئے ہیں۔ فصل ثانی میں شیخ، اس کے مقام و مرتبہ اور حقوق فرائض کا ذکر ہے۔ فصل ثالث میں مشائخ اور خارقِ عادت کے تعلق کی بحث ہے۔ باب ششم کا عنوان نظم سلوک ہے جو سالک کی تعلیم اور تربیت کے لئے لازمی امور کی بحث پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی فصل میں سالک کی تعلیم کا مکمل نظام اور دوسری میں سالک کی اعلیٰ تربیت کا مکمل پروگرام دیا گیا ہے۔ آخری چاروں ابواب مسائل السلوک ہی کی مدد سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ خلاصہ بحث زیادہ تر مسائل السلوک کے اس جائزہ پر مشتمل ہے جو دوسرے باب سے شروع ہو کر چھٹے باب تک بیان ہوا ہے۔ مگر مختصراً ان اقتباسات اور حوالہ جات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے جو مسائل السلوک کے علاوہ کتاب ھذا کا حصہ ہیں۔ خاص کر کتاب ھذا کے پہلے باب بالخصوص پہلے باب کی تیسری فصل پر محیط ہیں۔ یعنی پہلے باب کے بارے میں بھی چند ضروری باتیں درج کی گئی ہیں۔ اس حصے میں راقم نے وہ باتیں کھول کر بیان کی ہیں۔ جن کو وہ قوی دلائل کی بناء پر پسند یا ناپسند کرتا ہے اور اسے جید علمائے کرام کا فکری تعاون حاصل ہے۔ تصوف کے بارے میں اس صدی کے ایک عظیم مفکر کی رائے بھی آخر میں اسی مقصد کے لئے پیش کی گئی ہے۔

کتاب میں جہاں جہاں قرآنی آیات کا ترجمہ دیا گیا ہے وہ تفہیم القرآن کی ترجمانی ہے یا شاہ

عبد القادر کا ترجمہ ہے یا امین احسن اصلاحیؒ کی تدبر قرآن سے لیا گیا ہے۔ خاص کر تفہیم القرآن کا انتخاب اس کی ترجمانی کے باطنی مفہوم سے بہت قریب ہونے کی بنا پر کیا گیا ہے۔

حوالہ جات کتب میں پہلی بار کسی کتاب کا مکمل حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد جہاں کہیں بھی اس کا نام آیا ہے۔ کتاب کے نام اور صفحہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

بعض اصل کتب عربی یا فارسی میں ہیں۔ ان کا ترجمہ اگر اردو یا کسی اور زبان میں ہو چکا ہے تو ان میں سے جس کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کا پورا حوالہ دے دیا ہے۔ اس طرح چند مقامات پر اصل کتاب کے حوالہ جات ہو سکتے ہیں اور دیگر جگہوں پر اس کے ترجمے سے۔ ایسا بہ امر مجبوری کرنا پڑا ہے۔

حوالہ جات میں (م۔ن) اور (س۔ن) سے مراد مقام اشاعت معلوم نہیں اور سن اشاعت کا پتہ نہیں چلا ہے اور (م۔س) سے مراد مسائل السلوک ہے۔ پہلے باب کی تیسری فصل کے تفسیری اقتباسات کا اکثر ترجمہ مولانا امیر علی کی ضخیم تفسیر "مواہب الرحمٰن" کی اردو عبارت پر مشتمل ہے اور بہت سارا ترجمے کا کام راقم نے لغت اور دیگر دستیاب ذرائع کی مدد سے خود کیا ہے۔ اس لئے اس میں پائی جانے والی اغلاط راقم کی اپنی کم علمی کی بدولت ہیں۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عربی زبان کے کسی مایہ ناز سکالر کی مدد نہیں مل سکی۔

قرآنی الفاظ کے ظاہری معنوں کے لئے امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ کی المفردات فی غریب القرآن سے زیادہ تر استفادہ کیا گیا ہے اور کسی اصطلاح کے یا عربی زبان کے کسی لفظ کے لغوی معنوں کے لئے پہلے المنجد میں دیکھا ہے اور پھر اس کی تصدیق لسان العرب سے کی ہے۔

کتاب ھذا کی ترتیب اور تدوین و تسوید میں درست حصہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام اور عنایت کا نتیجہ ہے اور جس قدر خامیاں اور لغزشیں پائی جاتی ہیں۔ وہ راقم کی نااہلی کی وجہ سے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر غلطیوں سے درگذر فرمائے۔ آمین

خاکسار
پروفیسر محمد لطیف
مکان نمبر ایس۔اے ۱۰۰۰۔ صادق آباد، راولپنڈی

صوفیانہ تفاسیر اور تفسیری اقتباسات

عہد رسالت مآب ﷺ اور دور صحابہؓ کی تفسیر

باطنی تفسیر اور آنحضورؐ کا فرمان: سرور کائنات نے فرمایا کہ ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔ یہ حضرت حسنؓ سے مرسلاً روایت ہے۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن عرش کے نیچے تھا اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن وہ لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرے گا۔(1)

تفسیر باطنی کے لوازمات: تفسیر باطنی کے لیے ضروری ہے کہ عربی لغت سے واقفیت کے ساتھ ساتھ خدا داد دانش اور بصیرت کی نعمت بھی میسر ہو اور باطنی مفہوم نہ تو عربی زبان کے اصول وقواعد سے متصادم ہو اور نہ ہی کوئی ایسی نص موجود ہو۔ ان شرائط پر پورا اترنے والی تفسیر باطنی کو اشاری تفسیر کا نام دیا جاتا ہے اور ایسی ہی اشاری تفسیر قابل قبول ہے ورنہ اسے فاسد سمجھا جائے گا اور رد کردیا جائے گا۔(2)

تفسیر باطنی یا اشاری کا آغاز: شاطبی کے مطابق تفسیر اشاری کا آغاز نزول قرآن کے دور ہی سے ہوگیا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اس بات سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ قرآن کے ظاہر اور باطن دونوں کا ان آیات میں ذکر ہے۔

(1) ابوحاتم، محمد بن حبان، صحیح ابن حبان، طبع اول ج 1، ص 276، موسسۃ الرسالۃ، بیروت لبنان 1988ء

(2) شاطبی، ابواسحٰق، الموافقات فی اصول الشریعۃ، طبع ثانی، ج ۔ 3 ص 394، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر 1970ء

○ **فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا** ○ (النساء۔ 78) "سو کیا حال ہے ان لوگوں کا؟ لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات"

○ **اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ** (النساء۔ 82) "کیا غور نہیں کرتے قرآن میں؟"

○ **اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا** (سورۃ محمد۔ 24) "کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں؟ یا دلوں پر لگ رہے ہیں ان کے قفل؟"

ان آیات میں عربی الفاظ کا ظاہری مفہوم نہ سمجھنے کی طرف توجہ نہیں دلائی گئی۔ عربی تو ان لوگوں کی مادری زبان تھی بلکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ وہ "مراد ربانی" کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے یعنی ان لوگوں کو آیات میں غور و فکر اور تدبّر سے کام لے کر باطنی مفہوم کو جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔(3)

تفسیر اشاری کی ضرورت اور اہمیت.......دور صحابہ میں:

صحابہ کرامؓ جیسی پاکیزہ ہستیاں تفسیر اشاری کی ضرورت محسوس کرتی تھیں اور وہ اس کی اہمیت کے بھی قائل تھے۔ جب **اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ** ...... نازل ہوئی تو اس کے بارے میں اکثر صحابہ کرام کی رائے یہ تھی کہ اس میں ہمیں حمد و استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ بات ظاہری مفہوم کے اعتبار سے بالکل صحیح تھی مگر حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عمرؓ اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل طبعی کے قریب آجانے کی خبر سمجھتے تھے یہ اس آیت کا اشاری اور باطنی مفہوم تھا۔(4)

سورۂ مائدہ کی آیت ۔3 **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ......اَلْاِسْلَامَ دِيْنًا** ○ نازل ہوئی تو اکثر صحابہؓ بہت خوش ہوئے۔ مگر محدث ابن ابی شیبہ کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ رونے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رونے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ جب دین کامل ہوگیا تو اس کی تکمیل کے بعد اب تنزّل کا آغاز ہوگا۔ (اور وہ

(3) شاطبی، ابواسحٰق الموافقات فی اصول الشریعۃ، طبع ثانی، ج 3، ص 394، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر 1970ء

(4) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل صحیح بخاری (باب التفسیر) طبع چہارم ج 4 ص 1901، دار ابن کثیر، دمشق بیروت 1990ء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہے)۔ اس پر سرور کائنات نے فرمایا!

"تم سچ کہتے ہو" معلوم ہوا کہ عام صحابہؓ نے دین کی تکمیل کو ظاہری معنوں پر محمول کیا تھا۔ اس لیے خوشی منائی تھی مگر عمرؓ کو اس آیت کے باطن سے اپنے پیارے رسولؐ کی فرقت کی بو آنے لگی۔ اور یہ اس آیت کا اشاری مفہوم تھا (5)

رازی نے عمرؓ کی بجائے حضرت ابوبکرؓ کا نام لیا ہے اور اس بات کو آپ کے علمی کمال کے طور پر بیان کیا ہے (6)

دور صحابہ کے بعد تفسیر اشاری کا مفہوم: تفسیر اشاری سے مراد ہے اصحاب تصوف کا حاصل شدہ پوشیدہ اشارات کی مدد سے قرآن کریم کی ایسی تفسیر کرنا جو اس کے ظاہری مفہوم کے خلاف تو ہو مگر اس کے ظاہری اور باطنی مفہوم میں جمع اور تطبیق ممکن ہو (7)

تفسیر اشاری کا آغاز: کشف الظنون کے مطابق جس شخص نے سب سے پہلے صوفی کا لقب اختیار کیا وہ ابو ہاشم صوفی متوفیٰ 150ھ تھا۔ (8)

گویا دوسری صدی ہجری میں صوفیانہ نظریات پیدا ہوئے۔ ان پر مرور ایام سے فلاسفہ متکلمین اور فقہا نے اثر ڈالا۔ اور ہر سہ کے اثرات سے ان نظریات میں تغیر رونما ہوا۔ اور اشاری تفسیر مختلف مراحل سے گزری۔ (9) صوفیانہ تفسیر کی ارتقاء کی منازل کچھ اس طرح بن گئیں:

1۔ ظاہری پر اشاری کے تفوق کا دور
2۔ خالص اشاری کا دور
3۔ اشاری اور نظری کے امتزاج کا دور

---

(5) آلوسی، ابوالفضل شہاب الدین سید محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج 3، ص 60، دارالفکر بیروت لبنان 1987ء

(6) رازی، امام فخر، التفسیر الکبیر، طبع سوم، ج 6، ص 139، داراحیاء التراث العربی، بیروت (س۔ ن)

4۔ خالص نظری کا دور
5۔ اشاری پر ظاہری کے غلبے کا دور۔ (10)

تفسیر اشاری کے موجبات: تفسیر اشاری کا تصوف سے خاص تعلق ہے اس لیے تصوف کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم جانے بغیر اس کی تفہیم ممکن نہیں۔ ابتداء ہی میں یہ بات بتا دینا بھی ضروری ہے کہ کتاب ہذا کا موضوع صرف اسلامی تصوف کی حدود میں محدود ہو گا۔ اس میں ہندو چین، مصر و یونان اور ایران کے قبل از اسلام تصوف سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔

تصوف کا معنی صوف (اون) پہننا ہے جو زہد و ترک کی علامت ہے۔ اصطلاح میں دل کو دنیا کی محبت سے پاک کرنا اور ظاہر کو اعتقاد اور عمل سے آراستہ کرنے کا نام ہے۔ (11)

علی ہجوری نے محمد بن احمد مقری کا قول نقل کیا ہے کہ تصوف سے مراد ہے۔ صوفی کے تمام حالات کا حق تعالیٰ سے وابستہ ہونا۔ یعنی اس کے احوال (کشف وغیرہ) اس کو اصلی حال (مشاہدہ حق) سے غیر کی طرف پھیر کر کج روی میں نہ ڈال دیں۔ اس میں ایک قول ابوالحسن نوری کا ہے کہ نفس کی تمام لذتوں کو چھوڑ دینا تصوف ہے۔ (12) حضرت جنید کے مطابق تصوف اوقات کی حفاظت کا نام ہے۔ (13)

قشیری نے کہا کہ عربی کی لغت کی رو سے اس نام کی اصل شہادت نہ قیاس سے ملتی ہے اور نہ اشتقاق سے بلکہ یہ نام لقب کی طرح کا ہے صرف صوف کا لباس پہننے کو عربی لغت کے لحاظ سے تصوف کہنا درست ہے مگر سب صوفی صوف کا لباس ہی نہ پہنا کرتے تھے۔ آپ نے صوفی کو صفہ کی طرف منسوب کرنے کے خیال کو اس بنا پر رد کر دیا ہے کہ صفہ کا اسم نسبت صفی ہونا چاہیے نہ کہ صوفی۔ اسی طرح اگر یہ لفظ صفا سے مشتق ہو تو بھی

---

(7) ذہبی، محمد حسین۔ التفسیر والمفسرون، طبع سوم، ج 2، ص 344 تا 348، مکتبہ وہبۃ، عابدین، مصر 1985ء

(8) چلپی، ملا کاتب، کشف الظنون،۔۔۔۔ ج 1، ص 414، المفیلیہ، استنبول ترکی 1941ء

(9) التفسیر والمفسرون، ج 2، ص 340

صوفی کہنا لغت کے لحاظ سے غلط ہے۔ اور صف سے بھی اسم نسبت صفی ہونا چاہیئے۔ اس نسبت سے بھی صوفی کہنا غلط ہے[14]

قشیری نے چند اولیاء اللہ کے ایسے اقوال نقل کیے ہیں جن کی مدد سے تصوف کا صحیح مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مثلاً

○ ابو محمد حریری نے کہا " ہر اعلیٰ خلق میں داخل ہونے والے اور ہر ذلیل خلق سے نکلنے کا نام تصوف ہے۔"

○ جنید نے کہا" تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کردے۔اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے۔"

○ حسین بن منصورؒ کہتے ہیں " صوفی کی ذات یکتا ہوتی ہے۔ نہ کوئی(اللہ کے سوا) اسے قبول کرتا ہے اور نہ یہ اللہ کے سوا کسی کو قبول کرتا ہے۔"

○ محمد بن قصاب نے کہا " تصوف وہ کریمانہ اخلاق ہیں جو کریم زمانہ میں کریم آدمی سے کریم لوگوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔"

○ رویم نے کہا"نفس کو اللہ کے ساتھ چھوڑ دینا کہ وہ اس کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے تصوف کہلاتا ہے۔"[15]

قشیری کا قول ہے کہ تصوف کا نام دوسری صدی کے وسط میں ہی مشہور ہو گیا تھا۔ جن لوگوں نے آنحضورؐ کو ایمان کی حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ انھیں صحابہؓ

(10) التفسیر والمفسرون ' ص 340

(11) التھانوی ' محمد اعلیٰ ابن علی ' کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم ' ج 1 ' ص 840 ' کلکتہ ' ہند 1862ء

(12) ہجویری ' ابوالحسن سید علی بن عثمان 'کشف المحجوب (فارسی متن) ' ج 1 ' ص 48 ' تہران 1327ء

(13) الکلا باذی ' ابواسحاق محمد بن ابراہیم یعقوب ' شرح تعرف ' ج2 ' ص 100 نول کشور 'لکھنو ' ہند 1912ء

(14) قشیری ' ابوالقاسم عبدالکریم ' رسالہ قشیریہ (ترجمہ محمد حسن) ' طبع دوم ج 1 ' ص 509 تا 512 '

(15)---ایضاً"-------ص -121

کہا جاتا تھا۔ جنھوں نے ایسی ہی حالت میں صرف کسی صحابی رسول ؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ تابعی" کہلائے اور تابعی" کو دیکھنے والوں کو تبع تابعین" کا نام دیا گیا۔ ان کے بعد کے دور میں دینی امور سے خاص لگاؤ رکھنے والوں کو زاہد اور عابد کہنے لگے۔ اور جن لوگوں نے اپنی ذات کو اللہ کے لیے وقف کر دیا اور اپنے دلوں کو غفلت کے طاری ہونے سے بچائے رکھا ان کا الگ ایک نام " صوفی " مشہور ہوا۔ اور ان کے اس طرز زندگی اور اسلوب عمل کو تصوف کہا جانے لگا۔

(16) طوسی ' ابو نصر سراج ۔ کتاب اللمع فی التصوف (ترجمہ محمد حسن) طبع اول جلد 1 ص 22 ' 23 ۔ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد 1986ء اور ----- ہجویری ' علی بن عثمان ' کشف المحجوب (ترجمہ اردو عبدالروف فاروقی) طبع ' اول جلد 1 ' ص 50 '51 اسلامی کتب خانہ ' اردو بازار لاہور۔ (س ۔ ن)

تفسیر باطنی کی ارتقائی منازل

ظاہری پر اشاری تفسیر کے تفوق کا دور: اس دور کے مشہور مفسّر سہل تستری[1] ہیں۔ جن کے متعلق علی ہجویری فرماتے ہیں کہ سہل تستری تبع تابعین میں سے اپنے وقت کے پیر تھے۔ آپ نے بہت سی ریاضتیں کیں۔ معاملات میں بہت اچھے تھے۔ اخلاص اور افعال کے عیوب میں آپ کا کلام بڑا لطیف ہے۔ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے۔"**ھو جمع بین الشریعه والحقیقیه**" (2)

سہل کا کہنا ہے کہ ہر آیت قرآنی کے چار معنی ہیں (i) ظاہر (لفظی) (ii) باطنی (تمثیلی) (iii) حد (اخلاقی) (iv) مطلع (عارفانہ) جفر کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر امامیہ کے مطابق ہے (3)

آپ کا قول ہے کہ جو دل ذکر سے خالی ہوگا۔ اس میں شیطانی وسوسے گھر کریں گے (4)

آپ کی تفسیر کا نام "**تفسیر القرآن العظیم**" ہے ایک جلد پر مشتمل ہے۔ صرف چیدہ چیدہ آیات کی شرح اور توضیح ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کے کسی شاگرد کے سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے، آپ نے خود نہیں لکھی۔ (5)

(ا) آپ کا نام سہل بن عبداللہ کنیت ابو محمد اور نسبت تستری ہے۔ آپ تستر کے مقام پر 200ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ عظیم عارف تھے۔ زہد و تقوی میں عدیم المثال تھے۔ صاحب کرامت تھے۔ آپ مکہ میں مشہور عارف باللہ ذوالنون مصری سے بھی ملے تھے۔ کافی عرصہ تک بصرہ میں قیام رہا۔ 273ھ یا 283ھ میں وفات پائی۔

(دانش گاہ پنجاب لاہور۔ معارف اردو دائرہ اسلامیہ طبع اول ج 11 ص 474 تا 476 پنجاب یونیورسٹی لاہور 1980ء)

(2)----"---- کشف المحجوب (اردو ترجمہ) ص 120............

(3) تستری، ابو محمد سہل بن عبداللہ، مقدمہ تفسیر القرآن العظیم ص 1، 3، بولاق الاتراک، مصر 1908ء۔

(4) ---------ایضا"---------

(5) التفسیر والمفسرون، ص 364 تا 367۔

تفسیر القرآن العظیم کا مقام: سہلؒ کا اپنا قول ہے کہ امت محمدی میں کوئی ولی ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن نہ سکھایا ہو۔ خواہ وہ ظاہر ہو یا باطن۔ ان سے کہا گیا کہ ظاہر تو ہمیں معلوم ہے باطن سے آپ کی کیا مراد ہے؟ سہلؒ نے کہا "باطن سے قرآن کا فہم و ادراک مقصود ہے۔"(6)

سہلؒ کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف ظاہری معانی اور باطنی معانی دونوں بیان کردیتا ہے بلکہ بعض جگہوں پر صرف ظاہری معانی بیان کیے جاتے ہیں اور کہیں کہیں صرف اشاری تفسیر کرتے ہیں۔ گویا آپ کی تفسیر ظاہری اور اشاری تفسیر کا خوبصورت امتزاج ہے۔(7)

ایک واضح حقیقت یہ بھی ہے کہ سہلؒ جہاں خالص اشاری مفہوم بیان فرماتے ہیں وہ اکثر سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے۔ جیسے **الم** کی تفسیر کہ الف سے اللہ "لام" سے جبریل اور "میم" سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے جبریل کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی ہے۔(8)

اب سہل تستری کی کی ہوئی ایک آیت کی اشاری یا فیضی تشریح پر غور کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی آیت ہے۔ **فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ○ (البقرہ۔ 22) "سو نہ ٹھہراؤ اللہ کے برابر کوئی، اور تم جانتے ہو" آپ تحریر فرماتے ہیں کہ انداد کے معنی ہیں ضد اور مخالف۔ نفس امارہ سب سے بڑا مخالف ہے جو ہدایات خداوندی کے برعکس لوگوں کو خواہشات نفس کی پیروی کی تلقین کرتا ہے۔ آپ کے نزدیک انداد کا مفہوم وسیع ہے اور وہ صرف ان بتوں یا معبود ان باطل کو انداد میں شامل نہیں کرتے جن کی پوجا کا رواج تھا بلکہ کسی بت، کسی شیطان اور نفس امارہ کو بھی انداد میں شامل سمجھتے ہیں۔ یہ بات

---

(6) تستری، تفسیر القرآن العظیم، ص 7

(7) ذہبی، التفسیر والمفسرون، ص 366، 367

(8) تستری، تفسیر القرآن العظیم، ص 11، 12

صحیح ہے کہ یہ آیت ان معنوں میں نازل نہیں ہوئی مگر جو معانی انہوں نے مراد لیے ہیں وہ مقصد نزول سے ملتے جلتے ہیں۔ انہوں نے یہ بات آیت کی تفسیر کے طور پر نہیں بلکہ ند کے لغوی معنوں' شریک اور مخالف پر قیاس کرکے نفس امارہ کے لیے بیان کیے ہیں۔ اس لیے آپ کا قول درست مانا گیا ہے۔ آیت کی ایسی تشریح اشاری یا فیضی تفسیر ہے۔ (۹)

خالصتاً" اشاری تفسیر کا دور: اس دور کے مشہور مفسر شیخ السلمی[۱۰] نیشاپوری ہیں۔

تفسیری نمونہ۔۔۔شیخ سلمی

ابوعبدالرحمن السلمی آیت "**الم**" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کا الف "**الواحد نیه**" سے لام "**لطف**" سے اور میم "**الملک**" سے ماخوذ ہے پھر اس کے معنی یہ بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا کہنا یہ ہے کہ جو شخص سب علائق و اغراض کو چھوڑ کر مجھے پانا چاہتا ہے۔ اسے لطف و کرم کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اس کو غلامی کی پستی سے نکال کر ملک اعلیٰ پر فائز کرتا ہوں جس سے مالک الملک کے ساتھ ربط و اتصال مراد ہے۔ (۱۱)

انداز تفسیر۔۔۔ حقائق التفسیر:

یہ تفسیر ایک بڑی جلد پر مشتمل ہے جو تمام قرآنی سورتوں پر مشتمل ہے مگر تمام آیات کی تفسیر نہیں کی گئی۔ کامل تفسیر' تفسیر اشاری پر مشتمل ہے۔ ظاہری تفسیر سے بالکل تعرض نہیں کیا گیا۔ مگر مؤلف ظاہری تفسیر کے منکر نہیں ہیں۔ مؤلف کا کہنا ہے کہ وہ اہل الظاہر کی تفسیر کے قائل ہیں۔ مگر خود صرف صوفیہ کے طریقے پر تفسیر قلمبند کرنا چاہتے

(۹) تستری' تفسیر القرآن العظیم' ص 11'12

(۱۰) آپ کا اسم گرامی محمد بن حسین' کنیت ابوعبدالرحمن اور نسبت ازدی و سلمی ہے۔ 330ھ میں پیدا ہوئے۔ خراسان میں صوفیہ کے بہت بڑے فاضل اور شیخ تھے۔ طریق سلف پر گامزن رہے۔ تصوف اپنے والد محترم سے اخذ کیا۔ آپ علم حدیث میں مہارت اور بصیرت رکھتے تھے۔ آپ چالیس برس تک حدیث کے درس و مطالعہ اور املاء میں مشغول رہے۔ آپ نے نیشا پور' مرو' عراق اور حجاز میں گھوم پھر کر حدیثیں لکھیں اور ایک کتاب مرتب کی۔ حفاظ حدیث میں سے ابو عبداللہ حاکم اور ابو القاسم قشیری وغیرہما نے آپ سے استفادہ کیا تھا۔ آپ نے بیش قیمت تصانیف کا ذخیرہ ورثہ میں چھوڑا جن کی تعداد ایک سو سے زائد ہے۔ یہ کتب تصوف' تاریخ اور حدیث تفسیر کے علوم سے متعلق ہیں

ہیں۔ (۱۲)

جلال الدین سیوطی اور حافظ ذہبی" سلمی کے ایسی تفسیر مرتب کرنے پر افسوس کرتے ہیں۔ (۱۳) سبکی کا کہنا ہے کہ تفسیر مذکورہ کی تاویلات سے قرآنی الفاظ اباء کرتے ہیں۔ (۱۴) ابن تیمیہ" امام جعفر صادق کی طرف منسوب اقوال کو جھوٹ بتاتے ہیں (۱۵)

اشاری اور نظری تفسیر کا امتزاج: اس دور کا آغاز کرنے والے مفسر ابو محمد روز بہان ہیں۔ (۱۶)

آپ کی تفسیر اشاری طرز کی ہے۔ آپ نے ظاہری تفسیر کا اقل ذکر کرنا بھی گوارا نہیں کیا حالانکہ آپ ظاہری تفسیر کے قائل ہیں جیسا کہ مقدمہ میں خود ذکر کیا ہے۔ مؤلف کا دعویٰ ہے کہ اس نے وہ تمام حقائق اور معانی یکجا کردیئے ہیں جو خداوند قدوس کی طرف سے اس پر القا کیے گئے تھے لہٰذا اس کتاب میں جو کچھ بھی ذکر کیا گیا ہے وہ کتاب اللہ کی تفسیر اور مراد ربّانی کا درجہ رکھتا ہے۔ (۱۷)

۔(دانش گاہ پنجاب' لاہور' اردو ادارہ معارف اسلامیہ' ص 191)
طبقات الشافعیہ کے مصنف ابن سبکی جلد سوم ص 1940 میں لکھتے ہیں' خطیب کا قول صحیح ہے۔ سلمی کے ثقہ ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ مؤلف نے 412ھ میں وفات پائی۔ نفحات الانس میں آپ کا نام اس طرح درج ہے محمد بن حسین بن محمد بن موسیٰ السلمی۔ آپ تفسیر حقائق اور طبقات مشائخ کے مؤلف ہیں۔

(۱۱) سلمی۔ ابوعبدالرحمن محمد بن حسین' حقائق' التفسیر (بحوالہ التفسیر و المفسرون) ص 9' مخطوطہ اور طبقات الشافعیہ' ج 3' ص 61

(۱۲) التفسیر والمفسرون ص 368'369

(۱۳) سیوطی' جلال الدین طبقات المفسرین ص 31 لنڈن 1839ء

(۱۴) طبقات الشافعیہ' ج 3' ص 60

(۱۵) ابن تیمیہ' منہاج السنہ' طبع اول' ج 4' ص 155' امیریہ بولاق' مصر 1322ھ

(۱۶) کشف الظنون' ج 2' صفحہ 21 کے مطابق عرائس البیان فی حقائق القرآن کے مؤلف کا پورا نام ابو محمد روز بہان بن ابو نصر بقلی شیرازی ہے۔ صوفی ہیں آپ کی وفات 606 میں ہوئی۔

عرائس البیان کا مقام: مؤلف نے تفسیر کے ضمن میں جو نادر اور عجیب و غریب معانی بیان کیے ہیں وہ سمجھ سے کافی حد تک بالا ہیں۔ سورہ مائدہ کی آیت۔ 88 **وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا** " اور کھاؤ اللہ کے دیئے سے 'جو حلال ہو ستھرا " کے ظاہری معنی بہت آسانی سے پوری طرح سمجھ میں آنے والے ہیں۔ مگر مولف کی تفسیر کہ حلال وہ ہے جو عارف کو خوان غیب سے بدون انسانی تکلیف کے پہنچ جاوے اور طیب ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے شوق میں اس کے دل کو قوت دے اور اس کے جلال قدیم ودائم کو یاد دلائے۔ (18) اس تفسیر میں حلال و طیب کی تشریح جس انداز میں کی گئی ہے وہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور اس پورے علم سے مختلف ہے جو صحابہ کبارؓ اور فقہائے امت نے بیان کی ہے' تصوف کی مشکل اصطلاحات کی مستزاد بھرمار ہے۔ مؤلف کے معانی کو نادر اور عجیب و غریب کہا جا سکتا ہے۔ مگر ان معانی کو مراد الٰہی قرار دینا مشکل ہے۔ گویا تفسیر ایسے اشاروں کی زبان میں ہے جنہیں دور از کار ہی کہنا پڑتا ہے۔ (19)

خالص نظری تفسیر کا دور: اس دور کے بانی شیخ اکبر ابن عربی [20] ہیں۔ ابن عربی کی

(17) ابو محمد روز بہان مقدمہ عرائس البیان فی حقائق القرآن ج 1 ' ص 1 تا 5' منشی نول کشور 1300ھ جمادی الاخر

(18) عرائس البیان' ج 1 ' ص 190

(19) التفسیر والمفسرون ' ص' 370 تا 372

(20) شیخ الاکبر محی الدین محمد بن علی المعروف" ابن عربی " 17 رمضان المبارک 560 ھ / 28 جولائی 1165ء کو مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی نسبت حاتم الطائی سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا تعلق قبیلہ طے سے تھا۔ جس میں مشہور سخی حاتم گزرا ہے۔ آپ کو شیخ اکبر بھی کہا جاتا ہے۔(الکتبی محمد بن شاکر فوات الوفیات ' ج2 ص 301 امیریہ بولاق ' مصر 1383ھ اور ابن الجوزی ' ابو مظفر شمس الدین یوسف بن قراد علی اترکی مراۃ الزمان فی تاریخ الاعیان ' طبع اول ص 487 ' دائرۃ العارف العثمانیہ ' حیدر آباد دکن ' ہند 1951ء)

568ھ میں ابن عربی آٹھ سال کی عمر میں اشبیلیہ (اندلس) آگئے۔ جہاں ایک پوری صدی پہلے 468ھ میں ابوبکر ابن عبداللہ المعروف بہ " ابن العربی " پیدا ہوا تھا۔ آپ تیس سال تک اسی علمی مرکز میں تحصیل علم کرتے رہے(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص 606)

598ھ میں آپ بلاد مشرق روانہ ہوئے پہلے مصر گئے پھر مشرق قریب اور ایشیائے کوچک کی طویل

سب سے ضخیم' اہم اور آخری کتاب " **الفتوحات المکیہ فی معرفہ الاسرار المالکیہ والملکیہ** " مکہ میں 629ء میں لکھی گئی۔ دوسری اہم کتاب " **فصوص الحکم** " 627ھ میں دمشق میں تحریر کی گئی (21)۔ ابن عربی کے متصوفانہ فلسفے کا اصول وحدت الوجود ہے۔ ابن عربی پہلے مسلمان مفکر ہیں۔ جنہوں نے کلام الٰہی (**الکلم**) اور انسان کامل کا نظریہ پیش کیا۔ (22)

انداز تفسیر۔ ابن عربی۔

ابن عربی کی تفسیر کو نظری تفسیر اور اشاری تفسیر کا معجون مرکب کہا جاتا ہے۔ اس میں ظاہری تفسیر کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے۔ مرکب میں بھی نسبت کے اعتبار سے بالغ مقدار نظری تفسیری اقوال کی ہے۔

ابن عربی نے نظری تفسیر کی بنیاد " وحدت الوجود " کے نظریہ پر رکھی ہے۔ اس نظریے سے آپ مراد لیتے تھے کہ وجود درحقیقت ایک ہی ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ البتہ ظاہری حواس کو کثرت نظر آتی ہے۔ وحدۃ الوجود سے ابن عربی نے وحدت ادیان کا نظریہ ایجاد کیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ادیان و مذاہب میں کچھ فرق نہیں۔ وہ آسمانی ہوں یا غیر آسمانی' اس لیے کہ سب مذاہب میں الہٰ کی عبادت کی جاتی ہے۔ جو انسانوں کی شکل میں متشکل نظر آتا ہے۔ عبادت کا مقصد صرف یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی وحدت ذاتیہ کا تحقق کر سکے۔ (23)

سیر وسیاحت کی۔ آپ بیت المقدس ' مکہ معظمہ ' بغداد اور حلب بھی گئے۔ آخر کار دمشق مین مستقل سکونت اختیار کرلی۔ یہیں آپ نے 638 ھ / 1240 ء میں وفات پائی۔ اپ کو جبل قاسیون میں دفن کیا گیا۔ (دانش گاہ پنجاب لاہور ' اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص 606)

آپ کی تصانیف کے بارے میں انتہائی متضاد بیانات ملتے ہیں۔ نفحات الانس میں کل کتابوں کی تعداد 500 بتائی گئی ہے۔ الشعرانی بواقیت میں 400 بتاتے ہیں۔ البرہان الازہر کے مصنف 284 تعداد بتاتے ہین۔ ابن عربی کی اپنی فہرست میں وفات سے چھ سال پہلے کی 251 کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ مگر افسوس وہ فہرست نایاب ہے۔ ورنہ آپ کی طرف غلط طور پر منسوب ہونے والی کتابوں کا پتہ چلایا جا سکتا تھا...(علمی ' محمد رجب علی البرہان الازہرتی مناقب شیخ اکبر' قاہرہ ' 1326ھ)

(21) دانشگاہ پنجاب لاہور ' اردو دائرہ معارف اسلامیہ ' ص ' 606 ' 607 ' 1980ء

(22) ایضاً

ایک مثال شیخ اکبر کی تفسیر سے ملاحظہ ہو۔ کہتے ہیں۔ آیت **وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** (البقرہ 163) " اور تمہارا رب اکیلا رب ہے " کے سلسلے میں۔ خداوند کریم نے اس آیت کریمہ میں اہل اسلام اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کو مخاطب کیا ہے۔ چونکہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے پیش نظر بھی خدا ہی کا تقرب ہوتا ہے۔ اس لیے گویا وہ بھی اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ جب انہوں نے بذات خود اس بات کا اعتراف کیا کہ ہم غیر اللہ کی عبادت تقرب الٰہی کے حصول کے لیے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا الٰہ اور مشرک کا الٰہ جس کے توسط سے وہ خدا کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے ایک ہی ہوئے۔ ان میں کچھ فرق نہیں بایں طور مسلم اور مشرک خدا کی احدیت پر متحد ہو گئے۔ اسی لیے قرآن میں " **والٰهكم** " جمع کے الفاظ ہیں۔ گویا اگر انہوں نے شرک کا ارتکاب بھی کیا ہے تو خدا ہی کے لیے کیا ہے۔ جو شخص کسی خاص مقصد کے تحت کوئی کام انجام دیتا ہے تو اس کا مقصود اصلی وہی ہوا کرتا ہے۔

اگر یہ تفسیر " مقصود ربانی " کے مطابق ہے تو پھر کون سی ایسی توضیح و تشریح ہوگی جو مقصود ربانی کے خلاف ہو گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بات کو توڑ مروڑ کر وحدۃ الوجود کے عقیدے کے مطابق بنایا گیا ہے۔ یعنی پہلے سے طے شدہ مقدمات کو سچ ثابت کرنے کی ایک کوشش ہے۔ یہی نظری تفسیر ہے۔ اور یہی ہے جس کو رد کیا جاتا ہے۔(24)

اشاری تفسیر پر ظاہری کے غلبے کا دور: اس دور کا ایک مشہور نام آلوسی ہے۔

انداز تفسیر

آلوسی نے اپنی تفسیر کو روایت اور درایت دونوں اعتبارات سے سلف و خلف کے اقوال کے مطابق بنانے کی پوری کوشش کی ہے۔ آپ ابوحیان، کشاف، بیضاوی، رازی اور دیگر معتبر کتب کے اقتباسات لاتے ہیں۔ مگر ان کو جوں کا توں قبول کرنے کی بجائے ان پر پورا

(25) احمد شنطاوی 'حاشیہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ ' ج 1 ' ص 233 ' **بجنہ الترجمہ** ' 1933ء

محاکمہ کرتے ہیں۔ وہ ضرورت پڑنے پر کسی مفسر کو ہدف تنقید بنانے میں نہیں چوکتے۔ مثلاً فقہی مسائل میں امام رازی پر شدید نقد و جرح کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کے مسلک کی حمایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

متولف صحابہ کرام کے حق میں تاویل کرتے ہیں اور پورے زور کے ساتھ معتزلہ اور شیعہ وغیرہ کے صحابہ کبار کے بارے میں خیالات کی تغلیط کرتے ہیں۔(26)

آلوسی صوفیانہ تفسیر کی بنیاد، ظاہر، باطن، حد اور مطلع پر ہی رکھتے ہیں۔ یہ معیار ان صوفیاء کا قائم کردہ ہے جنہوں نے اشاری تفاسیر لکھنے کا آغاز کیا تھا۔ مثلاً تستری اور سلمی اور ان کے ہم عصر صوفیائے کرام۔ آپ نے اشاری تفسیر سے غلو کو دور کرنے کی اسی طرح کوشش کی ہے جس طرح ظاہری تفسیر کی خامیوں کو درست کرنے کی سعی کی ہے۔ آلوسی کسی پر طنز کرنے کی بجائے محض غلط بات کو صحیح اور درست انداز میں تحریر فرما کر اپنے مدعا اور مقصد کو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔(27)

(24) ابن عربی ' ابوبکر محی الدین محمد بن علی ' الفتوحات المکیہ ' ج ' دار الکتب العربیہ ' 1328ھ

(25) دانشگاہ پنجاب لاہور کے اردو دائرہ معارف اسلامیہ ' ج1' ص225 کے مطابق آپ کا پورا نام سید محمود آفندی ' کنیت ابو الثناء ' لقب شہاب الدین اور نسبت آلوسی بغدادی ہے۔ آلوس ایک گاؤں کا نام ہے۔ جو شام کے ملک اور بغداد کے درمیان واقع ہے۔ آپ 1217ھ کو بغداد کے محلہ " کرخ " میں پیدا ہوئے۔ آپ عراق کے علماء میں نمایاں مقام پر فائز تھے۔ منقولات اور معقولات کے عالم تھے۔ اور عدیم المثال محدث اور مفسر تھے۔ آپ نے اپنے والد محترم کے علاوہ شیخ خالد نقشبندی اور شیخ علی سویدی سے بھی کسب فیض کیا۔

ذہبی کی التفسیر و المفسرون ' ج ا ' ص 333 تا 335 سے معلوم ہوتا ہے کہ 1248 ھ میں آپ کو مفتی احناف مقرر کیا گیا۔ آپ اس سے پہلے مدرسہ " مرجانیہ " کے ناظم اعلیٰ کے عہدے پر فائز تھے۔ یہ وہ منصب تھا جس پر شہر کا سب سے بڑا عالم مقرر کیا جاتا تھا۔ ماہ شوال 1263 ھ میں افتاء کے منصب سے الگ ہو کر تفسیر قرآن کی تالیف میں لگ گئے۔ 1247 میں قسطنطنیہ گئے۔ سلطان عبدالمجید خان نے آپ کی تفسیر کو بہت پسند کیا۔ 1269 ھ میں واپس لوٹ آئے۔

آپ مسلکاً " شافعی " تھے۔ مگر اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے تھے۔ آخری عمر میں آپ کا رجحان اجتہاد کی طرف ہو گیا تھا۔ آپ نے بہت سی تصانیف یادگار کے طور پر چھوڑیں۔ ان میں سے آپ کی تفسیر بھی ہے جس کا نام ہے۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و سبع المثانی۔

آلوسی نے بروز جمعۃ المبارک 20 ذوالقعدہ 1270ھ میں وفات پائی۔ اور شیخ معروف کرخی کے قبرستان میں مدفون ہوئے (التفسیر و المفسرون ' ص 336)

آلوسی کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے نظری صوفیاء کی ڈگر سے ہٹ کر صوفیانہ تفسیر کو قرن اول کی اشاری تفسیر کے تابع بنایا ہے۔ ظاہری اور اشاری معنوں میں تطبیق کی پوری کوشش کی ہے۔ نظری تفسیر کو نظرانداز کر کے ایک طرح سے اس کی اہمیت کو بالکل نظر انداز کیا ہے۔ حالانکہ جہاں جہاں ضرورت پڑی وہاں اشاری تفسیر کی ہے۔ مگر ظاہری کے مقابلے میں اس کو ضمنی اور ثانوی حیثیت دی ہے۔ آپ کی تفسیر سے مترشح ہوتا ہے۔ کہ آپ کے نزدیک سب سے پسندیدہ تفسیر بالماثور ہے۔ (28)

تعارف مئولف ..... مسائل السلوک

مئولف مسائل السلوک کا نام اشرف علی[29] ہے۔ بقول سید سلیمان ندوی آپ قرآن کریم کے مترجم تھے 'مجدد تھے' مفسر تھے۔ قرآن کریم کے علوم و حکم کے شارح تھے۔ آپ نے قرآن حکیم پر کیے گئے شکوک و شبہات کے جوابات دیئے' محدث تھے' فقیہ تھے' خطیب تھے' واعظ تھے اور صوفی تھے۔ آپ نے تصوف کے اسرار و غوامض کو فاش کیا تھا۔ شریعت اور طریقت کے مابین مدتوں سے جاری جنگ میں صلح کرا دی ۔ بلکہ دونوں کو ایک دوسرے سے ہم آغوش کردیا اور آپ مرشد کامل تھے۔

آپ کی تصانیف کی تعداد آٹھ سو تک پہنچتی ہے۔ کتابوں کی فہرست 86 صفحات پر محیط ہے ۔ آپ کی تصانیف عربی' فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ہیں۔ بیشتر کتب اردو میں ہیں۔ بارہ یا تیرہ کتابیں عربی زبان میں ہیں۔ سوائے مثنوی زیرو بم اور جمال القرآن کے باقی تمام علمی کام نثر (30) میں ہے۔

(26) آلوسی ' محمود آفندی ' روح المعانی فی تفسیر القرآن و السبع المثانی ' ج 28 ص 94 ' دارالفکر بیروت ' لبنان 1987ء

(27) روح المعانی ' ج1' ص 5'7

(28) التفسیر والمفسرون ' ج1' ص 335 تا 340

(29) پنجاب یونیورسٹی کے معارف کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش 12 ربیع الاول 1280ھ /19 مارچ 1863ء ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ' ج1' ص 225 تا 227)

آپ کے ایک مرید خاص محمد عبدالحئی عارفی نے آپ کی پیدائش چار شنبہ 5 ربیع الاول 1280ھ /

آپ کے علمی کارنامے میں سب سے اہم کام تفسیر "**بیان القرآن**" ہے۔ یہ دو جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر ہے۔ آپ نے اڑھائی سال کے عرصے میں سارے کام کو مکمل کیا۔(31)

آپ نے علم سلوک اور تصوف کی کم و بیش 42 (بیالیس) کے قریب کتابیں اور رسالے لکھے۔ علاوہ ازیں آپ کی تفسیر بیان القرآن کے کئی صفحات کے آخر میں مسائل السلوک کا ذکر ہے۔

آپ نے قرآن کریم کی تمام آیات کی اشاری تفسیر نہیں کی۔ مگر سورتوں میں سے کوئی ایک سورت بھی ایسی نہیں جس کی کم از کم ایک آیت کی تفسیر نہ کی ہو(32) آپ کے اسی کارنامے کو زیادہ تر اس کتاب میں تحقیق کی نظر سے جانچا گیا ہے۔

انداز تفسیر

آپ کی اشاری تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک دین متین ہی کے ظاہر و باطن کا نام شریعت و طریقت ہے۔ جس طرح ظاہری اعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرائض وواجبات مقرر ہیں' اسی طرح باطنی اعمال کے لیے بھی فرائض و واجبات ہیں۔ آپ حقوق العباد کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ آپ کی تفسیر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص اپنے والدین' بیوی بچوں' عزیزو اقارب' دیگر احباب اور کاروباری حضرات کے حقوق میں

مارچ 1863ء بتائی ہے (عارفی محمد عبدالحئی ' ماثر حکیم الامت ' ج ۱' ص 50' ادارہ اسلامیات لاہور ' 1986ء)

ماثر حکیم الامت کے صفحات 50 اور 51 میں درج ہے کہ آپ کا پورا نام شاہ محمد اشرف ہے ۔ آپ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ' یوپی ہندوستان میں تولد ہوئے ۔ تھانہ کی نسبت سے تھانوی کہلائے ۔ آپ کے والدماجد کا اسم گرامی منشی عبدالحق تھا ' ان کو اللہ تعالیٰ نے پروجاہت شخصیت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ منصب بھی عطا کیا تھا۔ یہ صاحب جائیداد رئیس اور اہل دل بزرگ تھے۔

ماثر حکیم الامت کے صفحات 57 اور 474 کے مطابق آپ نے ابتدائی تعلیم میرٹھ اور تھانہ بھون میں پائی ۔ پندرہ سال کی عمر 1295ھ میں دارالعلوم دیو بند پہنچے ۔ پانچ سال کے عرصے میں آپ نے اپنی تعلیم مکمل کر لی ۔ آپ کے اساتذہ میں سے مشہور نام مولانا محمد یعقوب صاحب ' شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب ' رشید احمد گنگوہی صاحب اور محمد یعقوب نانوتوی صاحب کے ہیں ۔ تصوف میں آپ کے

کوتاہی کرتا ہے۔ اس کو تعلق مع اللہ کی ہوا تک نہ لگے گی، خواہ ساری عمر رسمی اور مروجہ تصوف کے مجاہدے کرتا رہے۔ آپ کی تفسیر سے مترشح ہوتا ہے کہ نوافل اور وظائف میں سرمارنے سے بہتر ہے کہ خدا کی مخلوق کو ناراض نہ کیا جائے۔[33]

آپ کی اشاری تفسیر یعنی مسائل السلوک میں وضاحت کے ساتھ اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ علم سلوک اور تصوف کو مصنوعی اور دکاندار صوفیاء سے اور بدعتیوں کی تلبیس سے پاک رکھنا ضروری ہے۔ آپ نے تفسیری اشارات سے قشیری، ابو طالب مکی، ابو نصر سراج، ابوسعید خزار، سہروردی، شیخ عبدالقادر جیلانی اور شعرانی کی یاد تازہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے نالائق اور جاہل صوفیہ کے تصوف میں داخل کیے ہوئے ہندوؤں کے یوگ اور ویدانت کے اصولوں سے تصوف کو پاک کیا ہے۔[34]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے ظاہری معنوں کے ساتھ ساتھ اس کے باطنی معنوں کی طرف بھی اشارہ فرمایا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل پیرا ہو کر قرآن کریم کے ظاہری اور باطنی معنوں میں اعتدال اور توازن قائم کرکے صحیح سمت میں کام کا آغاز کردیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ باطنی اور متصوفانہ تفاسیر میں ترقی ہوتی گئی۔ تیسری صدی ہجری میں اس کی ابتداء سہل تستری اور آپ کے ہم عصر صوفیاء نے کی۔ ان کی تفسیر کا نام تفسیر اشاری یا فیضی ہے۔ یہ حضرات کثرت عبادت و ریاضت کے بعد منکشف ہونے والے باطنی معنوں کا تفسیر میں ذکر کرتے ہیں، وہ ظاہری معنوں کا پورا پورا اقرار کرتے ہیں۔ اور باطنی معنوں ہی کے صحیح ہونے پر اصرار نہیں کرتے۔ پانچویں صدی ہجری میں صوفیا نے ظاہری معنوں کے مقابلے میں باطنی معنوں کو زیادہ اہمیت دینا شروع کی اور پھر چھٹی صدی ہجری میں ابن عربی نے خالص نظری تفسیر کو صحیح تفسیر کہا اور ظاہری تفسیر کو مسترد کردیا۔ آپ نے تفسیر کو فلسفیانہ خیالات کے تحت لانے کے لیے ایسا کیا۔ مفروضوں اور نادیدہ حقائق پر تفسیر کی بنیا رکھی۔ خلاف ظاہر اور عربی

استاد رشید احمد گنگوہی اور محمد یعقوب نانوتوی ہیں۔ 1310ھ کو دوبارہ حج کے لیے گئے حاجی امداد اللہ صاحب کے پاس چھ ماہ تک ٹھہرے رہے۔ اور اسی دورِ حج میں آپ علوم عارفانہ میں کمال تک پہنچے۔ آپ کی تاریخ وفات 20 جولائی 1943ء ہے۔

لغت کے منافی معانی اور مطالب بیان کیے۔ ایسی ہی تفسیر کو اور اسی قسم کے تصوف کو ابن تیمیہ جیسے صاحب فکرو نظر نے مسترد کیا ہے۔ طویل عرصے تک صوفیاء اس ڈگر پر چلتے رہے۔ اور تصوف کو بدنام کرتے رہے۔ تیرہویں صدی کے نصف اول میں آلوسی نے کوشش کرکے قرن اول کی ظاہری اور باطنی تفسیر کا توازن بحال کیا اور پھر چودھویں صدی میں ان کے ہم خیال مفسر تھانوی صاحب نے ظاہری تفسیر کے انکار اور باطنی پر اصرار کو کفر صریح بتایا۔ اس طرح تفسیر باطنی دوبارہ اس نہج پر پہنچ گئی جہاں سے صحابہؓ نے اس کا آغاز کیا تھا۔

(30) ندوی، سلیمان، حکیم الامت کے آثار علمیہ (بحوالہ رسالہ معارف) اعظم گڑھ 1944ء

(31) دانشگاہ پنجاب لاہور، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج 2، ص 793، 1980ء

(32) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص 478

(33) رسالہ معارف، ص 312، 313

(34) مآثر حکیم الامت، ص 312، 313

تفسیری اقتباسات۔ عہدوار

تفسیر القرآن العظیم از سہل م۔ ۲۸۳ھ سہل کی تفسیر سے چند اقتباسات مع اردو ترجمہ درج کیے گئے ہیں۔ ان کی مدد سے تفسیر ظاہری اور باطنی یا اشاری کے ساتھ آپ کے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ پہلا اقتباس سورۃ الفاتحہ الکتاب کے الفاظ کے معانی اور تشریح پر مشتمل ہے۔ اور تفسیر القرآن العظیم کے صفحات ۱۰۱۱ پر سے لیا گیا ہے۔

(قال سھل) معنی (اَلْحَمْدُ)الشکر للہ فالشکر للہ ھو الطاعۃ للہ والطاعۃ للہ ھیالولا یۃ من اللہ تعالیٰ کما قال اللہ تعالیٰ (اِنَّمَاوَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا)ولا تتم الولا یۃ من اللہ تعالیٰ الا بالتبری ممن سواہ۔ ومعنی (رَبِّ الْعَالَمِیْنَ) سید الخلق المربی لھم و القائم بامرھم المصلح المدبر لھم قبل کونھم وکون فعلھم المتصرف بھم لسابق علمہ فیھم کیف شاہ لماشاء واراد و حکم وقدر من امر ونھی لارب لھم غیرہ

"الحمد کا معنی ہے اللہ کا شکر اور اللہ کے شکر سے مراد اللہ کی اطاعت ہے۔ اور اللہ کی طاعت کا مطلب اللہ سے ولایت یعنی اپنی ذات سے فنا ہو کر حق کے ساتھ باقی ہونا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** الخ۔ "تمہارا رفیق وہی اللہ ہے اور اس کا رسول' اور ایمان والے..... الخ" اللہ تعالیٰ سے ولایت کا تعلق اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کے ماسواء (غیراللہ) سے براءت کا اظہار نہ کیا جائے۔ اور **رب العالمین** کا مطلب ہے مخلوق کا سردار' پالنے والا' اپنے حکم سے قائم یعنی آپ سے آپ قائم' ان کو سنوارنے والا' ان کی تدبیر کرنے والا ان کے اور ان کے فعل کے ہونے سے پہلے۔ اپنے پہلے سے حاصل شدہ علم کی بنا پر ان میں تصرف کرنے والا جس کیلئے چاہے اور جیسے چاہے۔ جیسے چاہے ارادہ کرے یا حکم کرے۔ جیسے چاہے اوامرونواہی مقرر فرمائے۔ اس کے سوا ان کا کوئی رب نہیں۔

(مٰالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ) ایی یوم الحساب (اِیَّاکَ نَعْبُدُ) ای نخضع و نذل و نعترف بربو بیتک ونو حدک و نخدمک ومنہ اشتق اسم العبد (وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ) ای علی ما کلفتنا بما ھولک والیک المشیئۃ والا رادۃ فیہ والعلم والا خلاص لک ولن نقدر علی ذلک الا بالمعونۃ والتسدید لنا منک اذ لاحول لنا ولا قوۃ الا من عندک فقیل لہ الیس قد ھدانا الی الصراط المستقیم قال بلی ولکن طلب الزیادۃ منہ کما قال ولدینا مزید فکان معنی قولہ اِھْدِنَا امدنا منک بالمعونۃ والتمکین وقال مرۃ اخری اھدنا معناہ ارشدنا الی الدین الا سلام الذی ھو الطریق الیک۔

مالک یوم الدین یعنی حساب کا دن۔ **ایاک نعبد** یعنی ہم عاجزی کرتے ہیں' ذلیل ہوتے ہیں' اعتراف کرتے ہیں تیری ربوبیت کا۔ ہم تجھے واحد مانتے ہیں اور تیری خدمت کرتے ہیں اور اسی سے اسم عبد مشتق ہے۔ **وایاک نستعین** یعنی اپنی کلفتوں پر خواہ وہ تیری خاطر برداشت کرنا پڑیں یا تیری راہ چلنے میں پیش آئیں یعنی تیری مشیت اور ارادہ اس میں ہو' تیرے علم میں ہو اور تیرے خلوص کی وجہ سے پیش آئے اور ہم تیری مدد اور تسدید (مضبوط کرنا) کے بغیر اس کی قدرت نہیں رکھتے کیونکہ ہم میں توفیق اور طاقت نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ تو اپنی طرف سے عطا فرمائے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کیا ایسا نہیں ہے؟ کہ ہم نے تمہیں سیدھی کی راہ کی طرف رہنمائی کی۔ کہا گیا' بے شک' مگر اس سے زیادہ مانگا گیا۔ جیسے کہ فرمایا' ہمارے پاس مزید ہے۔ اس کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ **اھدنا** (ہماری رہنمائی کر) اپنی طرف سے تمکین اور معونت سے ہماری مدد کر اور دوسری مرتبہ فرمایا **اھدنا** کا مطلب ہے ہمیں راہ راست دکھا' دین اسلام کی طرف اپنی

بمعونة منک وهی البصیرة فانا لا نهتدی الا بک کما قال عسی رب ان یهدینی سواء السبیل ای یرشدنی قصدالطریق الیه (قال) وسمعت سهلا یحکیی عن محمد بن سوار عن سفیان عن سالم عن ابی الجعد عن ثوبان قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول للّٰه عزوجل قسمت الصلاة بینی وبین عبدی نصفین فنصفها الی ونصفها لعبدی ولعبدی ما سال قل فاذا قال العبد لعبد اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ قال اللّٰه تعالی حمدنی عبدی فاذا قال الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ قال اللّٰه تعالی اثنی علی عبدی واذا قال مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ یقول اللّٰه مجدنی عبدی فهذه الا یات لی ولعبدی بعدما ماسال واذا قال اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ○ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ الی آخره

معونت اور مدد کے ذریعے جو اسلام کہ تیری طرف جانے کا راستہ ہے اور یہ بصیرت ہے۔ اور ہم راہ راست نہیں پا سکتے سوا تیری مدد کے جیسے کہا ہو سکتا ہے کہ میرا رب مجھے سواء السبیل کی طرف رہنمائی فرمائے یعنی قصد الطریق کی طرف۔ کہا میں نے سہل کو حکایت بیان کرتے ہوئے محمد بن سوار سے۔ انہوں نے سفیان سے، اس نے سالم سے اور اس نے ابی الجعد اور اس نے ثوبان سے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا "نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم ہے۔ پس اس کا نصف میرے لیے ہے اور نصف میرے بندے کے لیے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جس کا اس نے سوال کیا۔ کہو! جب میرا بندہ **الحمد للّٰہ رب العالمین** کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی ہے۔ جب وہ **الرحمٰن الرحیم** کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرے بندے نے میری ثنا بیان کی۔ اور جب کہتا ہے **مالک یوم الدین** تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرے بندے نے میری مجد (بزرگی اور بڑائی) بیان کی اور یہ آیات میرے لیے ہیں اور میرے بندے کے لیے اس کے بعد کی آیات ہیں جن میں اس نے سوال کیا ہے اور جب وہ کہتا ہے **ایاک نعبد۔ الی آخرہ۔**

یقول اللّٰه عزوجل هذا لعبدی ولعبدی ماسال (قال) سهل معنی قوله مجدنی عبدی ایی و صفنی بکثرة الاحسان والا نعام (وقال) سهل وروی عن مجاهد انه قال (آمین) اسم من اسماء اللّٰه تعالی .. وقال ابن عباس رضی اللّٰه تعالی عنهما ما حسد تکم النصاری علی شئی کما حسد تکم علی قولکم آمین :وحکی محمد بن سور عن ابن عینه عن عمرو بن دینار عن جابر بن عبداللّٰه رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم استقیموا ولن تحصوا واعلمواان خیرا عمالکم الصلاة ولا یحافظ علی الوضوء الا مومن فاذا قال الامام وَلَا الضَّآلِّیۡنَ فقولوا آمین

اللہ تعالیٰ کہتا ہے یہ میرے بندے کیلئے ہے اور میرے بندے کیلئے وہ کچھ ہے جو کچھ اس نے مانگا ہے۔ سہل نے کہا "اس کے قول "مجدنی عبدی" کا مطلب ہے کہ میرے بندے نے میرے کثرت احسان اور کثرت انعام کا بیان کیا۔ سہل نے کہا اور اس نے مجاہد سے روایت کی کہ اس نے کہا آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور ابن عباس ؓ نے کہا کہ نصاریٰ تم سے اس قول یعنی آمین پر جتنا حسد کرتے ہیں، اتنا کسی اور بات پر حسد نہیں کرتے۔ محمد بن سوار نے ابن عیینہ سے۔ انہوں نے عمرو بن دینار سے، انہوں نے جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ استقامت اختیار کرو اور ترغیب دینا ترک نہ کرو اور یقین رکھو کہ تمہارے اعمال میں سے سب سے بہتر نماز ہے۔ مومن کے سوا وضو کی کوئی حفاظت نہیں کرتا۔ جب امام **ولا الضالین** کہے تو تم آمین کہو

فان اللہ یرضی علی قائلها ویقبل صلاته ویجیب دعائه .. وحکی الزهری عن المسیب عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا قال الامام وَلَا الضَّآلِّيْنَ قولوا آمین فان الملائکه یقولون آمین فمن وافق تامینه تامین الملائکۃ غفر له ماتقدم من ذنبه(الفاتحہ۔ ا تا ے)

اللہ تعالیٰ اس کے کہنے والے سے راضی ہو جاتا ہے۔ اس کی نماز قبول فرماتا ہے' اس کی دعا قبول کرتا ہے۔ زہری نے حکایت کی مسیب سے' انہوں نے ابوہریرہؓ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب امام **ولاالضالین** کہے تو تم آمین کہو۔ ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں اور جس کسی نے ان کی آمین میں ان سے موافقت کی تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔"

دوسرا اقتباس سورۃ العنکبوت سے متعلق ہے اور تفسیر تستری کے صفحات ۱۱۰ اور ۱۱۱ سے نقل کیا گیا ہے۔

السورة التی یذکر فیها العنکبوت

قوله تعالیٰ (الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ) قال ای لا یصیبهم البلاء وانما البلاء باب بین اهل المعرفۃ وبین الحق عزوجل .. وحکی ان الملائکۃ تقول یارب عبدک الکافر بسطت له الدنیا وزویت عنه البلاء فیقول للملائکۃ اکشفوا

"اللہ تعالیٰ کے قول **الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وهم لایفتنون**۔ "الم۔ کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ؟ کہ چھوٹ جاویں گے اتنا کہہ کر کہ ہم یقین لائے اور ان کو جانچ نہ لیں گے" (العنکبوت۔ ۱'۲) کہ یعنی کہ ان پر "بلا" نازل نہیں ہوتی اور بلاء اہل معرفت اور حق تعالیٰ کے مابین ایک باب ہے۔ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ فرشتے کہتے ہیں۔ اے رب! تو نے اپنے کافر بندے کے لیے دنیا کشادہ کر دی ہے اور بلاء (آزمائش) اس سے روک دی ہے۔ تو وہ فرشتوں سے کہتا ہے کہ ظاہر کر دو ان

لهم عن عقابه فاذا راوه قالوا لا ینعمه ما اصاب من الدنیا تقول یا رب عبدک المومن تزوی عنه دنیا وتعرضه للبلاء فیقول للملائکه اکشفوا عن ثوابه فاذا راوا ثوابه قالو لا یضره مااصابه فی الدنیا وقال اجعلوا صلاتکم الصبر علی الباساء وصومکم الصمت وصدقتکم کف الاذی والصبر علی العافیه اشد منه علی البلاء...

اس کا دکھ اور عذاب۔ پھر جب وہ اس کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جو کچھ اس کو دنیا میں ملا وہ اچھا نہیں ہے۔ اور تم کہتے ہو' اے رب! تیرا مومن بندہ ہے جس سے تو نے دنیا روک لی ہے۔ اور اس کو بلاء (امتحان) میں ڈال دیا ہے۔ تو فرشتوں سے کہا جاتا ہے "اس کا ثواب ان پر ظاہر کر دو۔ جب وہ اس کے ثواب کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں' اس کو جو کچھ دنیا میں مصیبت آئی اس نے اسے کچھ ضرر نہیں پہنچایا اور کہا کہ اپنی نماز اس طرح بناؤ کہ باساء پر صبر کرنے والے بن جاؤ اور اپنے روزے کو صمت (راز کی حفاظت کرنے) والا بناؤ۔ اور اپنے صدقے کو ایذاء سے روکنے والا بناؤ۔ اور آرام اور سکھ کے وقت صبر کرنا بلاء اور آزمائش کے وقت صبر کرنے سے شدید تر ہے۔

ومنه قیل طلب السلامۃ ان لاتتعرض للبلا...قوله (فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ)قال اطلبوا الرزق بالتوکل لا بالکسب فان طلب الرزق بالکسب طریق العوام. وحکی عن عیسی بن مریم علیه السلام انه قال بحق اقول لکم لاالدنیا تریدون ولا الا خرة قالو بین لناذلک یانبی اللہ وقد کنا نری انا نریدا

اور اس سے بھی شدید سلامتی طلب کرنا ہے کہ بلاء (امتحان) پیش نہ آئے۔ اس کا قول **فابتغوا عند اللہ الرزق**' "سو تم ڈھونڈھو اللہ کے ہاں روزی" (العنکبوت۔ ۱۷) کہا کہ رزق کسب سے نہیں بلکہ توکل کے ذریعے مانگو۔ کیونکہ کسب کے ذریعے رزق مانگنا عوام کا طریقہ ہے۔ حکایت ہے عیسیٰ بن مریم سے کہ آپ نے حق تعالیٰ کی طرف سے کہا' میں تم سے کہتا ہوں تم دنیا نہیں چاہتے ہو اور نہ ہی آخرت ۔۔۔ انہوں نے کہا' اے اللہ کے نبی' ہمارے لیے کھول کر بیان کرو یہ بات کہ ہم دیکھ سکیں کہ ہم ان میں سے ایک کو چاہتے

حداهما فقال لواطعتم رب الدنیا الذی بیده مضاتیح خزائنها لا عطا کموها ولوا طعتم رب الاخرة لا عطا کموها ولکن لا هذه تریدون ولا تلک .. قوله تعالٰی (یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ) بمتابعة البدعة ویرحم من یشاء بملازمة السنة...

قوله تعالٰی (وَتِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا یَعۡقِلُهَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ) قال ضرب الله الا مثال للناس عاما اذشواهد القدرة تدل علی القادر ولا یعقلها الا خاصته فالعلم اعزوالفقه عن الله اخص فمن عرف علم نفسه الطبیعیة وحده وهم ومن عرفه بعلم الله فالله عرف مراده منه لنفسه ولیس مع الخلق من معرفة الحق وراء ذلک وانما وقعت الاشارة الیه لبعد قلوبهم

ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا "اگر تم دنیا کے رب کی اطاعت کرو جس کے ہاتھ میں اس کے خزانوں کی کنجیاں ہیں تو وہ تمہیں دنیا عطا کر دے گا اور اگر تم آخرت کے رب کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں آخرت عطا کر دے گا مگر تم نہ یہ یعنی دنیا چاہتے ہو اور نہ وہ یعنی آخرت۔ اللہ تعالیٰ کا قول **یعذب من یشاء** "مار دے گا جس کو چاہے" (العنکبوت۔ ۲۱) بدعت کی پیروی کرنے کی بنا پر ہے۔ اور سنت پر عمل پیرا ہونے والوں کے لیے **ولیرحم من یشاء** "اور رحم کرے گا جس پر چاہے" (ایضاً) ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول **وتلک الامثال نضربها للناس ومایعقلها الا العالمون۔** "اور یہ کہاوتیں بٹھاتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے۔ اور ان کو بوجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے۔" (العنکبوت۔ ۴۳) کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے مثالیں بیان کیں عمومی طور پر جب کہ قدرت کے شواہد قادر کی طرف دلالت کرتے ہیں مگر خاص لوگوں کے علاوہ ان کی سمجھ آجانا محال ہے۔ پس علم بہت غالب اور معزز چیز ہے اور فقہ اللہ کی طرف سے بہت خاص چیز ہے۔ پس جس نے اپنی طبعی ذات کا عرفان حاصل کر لیا تو وہ اور وہ جس نے اللہ کے دیئے ہوئے علم کے ذریعے اس کو پہچانا تو اللہ نے اپنی ذات کے لیے اس کی مراد کو پا لیا۔ (ایک وہ ہے جس نے اپنے ذاتی طبعی علم کی مدد سے اس واحد واہمی کو پہچانا اور دوسرا وہ

عن المعرفة فی الحقیقة الا تری الی قوله اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنۡهٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ ؕ قال فی هذه الایة تزیین الانصراف عن الفحشاء والمنکر بواحدة وهو الا خلاص فی الصلاة وکل صلاة لا تنهی عن الفحشاء والمنکر ولا یو جد فیها تزیین الانصراف عن ذلک فهی معلولة والواجب تصفیتها..

قوله تعالٰی (اِنَّ اَرۡضِیۡ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعۡبُدُوۡنِ) قال یعنی اذاعمل بالمعاصی والبدع فی ارض فاخر جوا منها الی ارض المطیعین .. وقد قال النبی صلی الله علیه وسلم الفار بدینه عند فساد الامة له اجر سبعین شهیدا فی سبیل الله عزوجل والله سبحانه وتعالٰی اعلم

(العنکبوت۔ ۱۴، ۲۱، ۲۷، ۴۳، ۴۵ اور ۵۶)

ہے جس نے اللہ کے دیئے ہوئے علم کے ساتھ پہچانا۔ پس اللہ نے اس کی مراد کو اپنی ذات کے لیے جان لیا) اور اس سے زیادہ حق کی معرفت مخلوق کے لیے نہیں ہے۔ درحقیقت معرفت سے دلوں کی دوری کی بنا پر حق کی معرفت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ کیا تم اس کے اس قول کی طرف دھیان نہیں کرتے **ان الصلٰوۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر۔** "بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور بری بات سے۔" (العنکبوت۔ ۴۵) کہا کہ اس آیت میں فحشاء اور منکرات سے انصراف کی تزیین ایک بات سے ہے اور وہ نماز میں خلوص ہے اور ہر نماز فحشاء اور منکر سے نہیں روکتی ہے۔ اور اس میں تزیین الانصراف نہیں پایا جاتا۔ یہ معلول ہے اور اس کا پایا جانا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قول **ان ارضی واسعه فایای فاعبدون** "میری زمین کشادہ ہے، سو مجھی کو بندگی کرو" (العنکبوت۔ ۵۶) کہا، یعنی جب معاصی پر اور بدعتوں پر کسی زمین میں یا جگہ پر عمل ہو رہا ہو تو اس سے نکل جاؤ اور مطیع لوگوں کی زمین کی طرف چلے جاؤ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فسادات کے وقت اپنے دین کو لے کر بھاگ جانے والا اس کے لیے فی سبیل اللہ ستر شہیدوں کا ثواب ہے۔"

قوله تعالیٰ (لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ) یعنی من قبل شئی ومن بعد کل شئی لا نه هو المبدی ء والمعید سبق تدبیر ہ فی الخلق لانه عالم بهم فی الاصل والفرع... قوله (اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ) قال افضل الرزق السکون الی الرازق.. قوله (ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ) یعنی یهلککم (روم۔۴،۴۰)

" اللہ تعالیٰ کا قول **للّٰه الامر من قبل ومن بعد** " اللہ کے ہاتھ ہیں کام پہلے اور پچھلے "(الروم۔۴) یعنی قبل ہر شے کے اور بعد ہر شے کے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کی ابتداء کرنے والا ہے اور اس کا اعادہ فرمانے والا بھی ہے۔ خلق میں اس کی تدبیر کو سبقت حاصل ہے کیونکہ وہ ہر شے کی اصل سے واقف ہے اور اس کی فرع سے بھی۔ اس کا قول **اللّٰه الذی خلقکم ثم رزقکم** "اللہ وہی ہے جس نے تم کو بنایا، پھر تم کو روزی دی۔" (الروم۔۴۰)۔ کہا سب سے اچھا رزق، رازق کے پاس سکون ہے اس کا قول **ثم یمیتکم** یعنی تمہیں ہلاک کردے گا۔"

سہل کی تفسیر سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ ظاہری اور باطنی ہر دو معانی بیان کردیتے ہیں۔ آپ کی ظاہری تفسیر بالماثور ہوتی ہے مگر جب صرف اشاری مفہوم بیان کرتے ہیں تو اس کا ادراک بہت مشکل ہوتا ہے۔ آپ ہر سورۃ کی تمام آیات کی تفسیر نہیں کرتے بلکہ صرف چند آیات کا انتخاب کرتے ہیں جیسے پوری سورہ عنکبوت میں سے آپ نے صرف سات آیات کی تفسیر کی ہے۔ آپ اپنے پیروکاروں کو ریاضت کے ذریعے نفس کی قوتوں پر قابو یافتہ ہونا سکھاتے ہیں۔ اور ان کے لیے شریعت اور حقیقت دونوں کو لازمی قرار دیتے ہیں۔

تفسیر عرائس البیان از روزبہان م۔ ۶۰۶ھ

آپ کی تفسیر کی دونوں جلدوں میں سے اقتباسات لائے گئے ہیں۔ ترجمے کے ساتھ ساتھ مترجم نے جہاں جہاں ضروری تھا اپنی رائے بھی دی ہے۔

(وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا" طَيِّبًا"") الحلال ماوصل الی ا لمعارف من خوان ا لغیب بلاکلفۃ الا نسانیۃ والطیب مایقوی قلبه فی شوق اللّٰه و ذکر جلاله بالترمد قال سهل فی قوله لاتحرموا هو الرفق بالاسباب من غیر طلب ولا اشراف نفس وقد یبدوا الرفق بالسبب لاهل علی الظاهر وهم یا خذونه من المسبب با لحقیقۃ قال بعضهم رزقۃ الذی رزقک ماهو من غیر منک وہ استشراف وهوالطلب الحلال یحلک محل الدعۃ - ویطیب قلبک بتنا وله وقال الا ستادمما من الطیبات الاستروواح الی نسیم القرب فی اوطان

"اور جو کچھ حلال و طیب رزق اللہ نے تم کو دیا ہے اسے کھاؤ۔" (مائدہ۔۸۸) واضح ہو کہ حلال وہ ہے جو عارف کو خوان غیب سے انسانی تکلیف کے بغیر پہنچ جائے اور طیب ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے شوق میں اس کے دل کو قوت دے اور اس کا جلال قدیم و دائم یاد دلاوے۔ سہل نے اپنے قول **لاتحرموا** میں کہا کہ یہ یوں ہے کہ نرمی کرے ان اسباب معاش کے ساتھ جن سے حصول ہے بدوں آنکہ جدوجہد کرے اور نفس اس طرف نظر لگائے رہے کہ مطمئن نہ ہو اور گردن اٹھا اٹھا کر تاک لگاوے اور کبھی اہل معرفت ایسا کرتے ہیں کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ کمائی کے سبب کو خوبی سے طلب کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ اس رزق کو سبب حقیقی عزوجل ہی سے لیتے ہیں۔ یعنی ان کی نظر اسباب پر نہیں ہوتی کیونکہ کمال یہی ہے کہ باوجود امتحان اسباب کے نظر کو ٹھیک رکھے بعض نے کہا رزق الہٰی۔ جو تجھ کو بطور روزی دیا گیا ہے وہ ہے جو بغیر تیری حرکت کے اور بغیر نفس کے آرزو مندانہ گردن اٹھانے کے تجھ کو ملا،

الخلوة وتحريم ذالک ان تستبدل الحال بادون العزلة والعشرة دون الخلوة وذالک هو العدوان العظيم -- والخسران المبين ذكره فى تفسير قوله لا طيبات وقال فى قوله وكلوا مما رزقكم الله حلالا طيبا الحلال الصافى ان يا كل ما ياكل على شهود نزلت ابجالة عن هذا فعلى ذكره فان الا كل على الغفلة حرام فى شريعة الا رادة ولى فى الحلال والحرام لطيفة وهى ان الحلال الذى يراه العارف فى خزانة القدرة فيا خذ منها بوصف الرضا والتسليم والحرام ما لغيره وهو يجتهد فى طلبه لنفسه لقلة عرفانه بالمحذرفى المقدر وهذا العلم غير موازن فى المقول ومالم يكن مرضيا فى الشريعة لم يكن مرضيا فى المعرفة (المائدہ۔ ۸۸ اور عرائس البیان' ج ۱ ' ص ۱۹۰)

جس میں حلال طریقے سے تو نے کوشش کی اور اس سے تجھ کو سکون ہوا۔ اور اس کے تناول سے تیرا دل خوش ہوا۔ شیخ استاد نے فرمایا کہ منجملہ ان چیزوں کے جن کو لذیذات میں سے مباح فرمایا ایک یہ ہے کہ خلوت میں نسیم قرب سے راحت حاصل کرے اور اس کا حرام کرلینا یوں ہے کہ لوگوں سے مخالفت کرکے یہ حالت بدل ڈالے بجائے اس کے کہ عزلت اختیار کرے اور یہی خواری عظیم ہے۔ اس کو تفسیر قول **لاتحرموا طيبات**...الخ میں ذکر کیا اور اس کے قول **كلوا مما رزقكم الله** کے معنی میں کہا کہ حلال وہ کھانا ہے جو شہود کی حالت میں کھائے اور اگر اس سے نیچا درجہ ہو تو اس کی یاد پر کھائے کیونکہ غفلت کی حالت پر کھانا ارادت کی راہ میں حرام ہے۔ اور مجھے حلال و حرام میں ایک لطیفہ یاد آیا وہ یہ ہے کہ حلال وہ ہے جو عارف خزانہ قدرت میں سے دیکھ کر برضا و تسلیم حاصل کرے اور حرام وہ ہے جو غیر کے واسطے مقدر کیا گیا اور یہ اس کو اپنے واسطے لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اپنی نادانی کی وجہ سے اس کو اختیار کرتا ہے۔ اور اگر مقدر کے معنی جانتا اور عرفان کا نمونہ حاصل کرتا تو ایسا نہ کرتا لیکن عقل سے یہ علم حاصل نہیں ہوتا اور واضح رہے کہ جو امر شریعت میں ناپسند ہے وہ معرفت میں بھی ہرگز پسندیدہ نہیں۔"

چند آیات چھوڑ کر مائدہ۔ ۹۲ کی تفسیر یوں کی۔

(وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا) الله يكون فى رئوية هيبته وطاعة الرسول يكون بحلاوة محبته والحذر اخراج الحدث عن وصف العدم وجس الا رواح فى منازل الا جلال اى استقيموا فى المعاملات واحذروا عن رئويتها ورئويته اموا حتى لايحتجبوا بها عن مشاهدة المعطى وايضاای احذروا فى طاعتى من ضمائر الرياء وفى طاعة رسولى عن ضمائر الشک واحذرواعن كراهية نفوسهم فى الطاعة حتى تصلوا مقام الحرقة عن الانانية فان طاعتى بالا خلاص والمحبة تصيرا المطيع بصفة الربوبية وهناک موضع الخطر قال عليه المخلصون على خطر عظيم ولان هناک يغنى الحدث فى العدم ويظن الفانى ان ضرغام مكرالا ذل نائو تعالىٰ فلا يامن

" **واطيعوا الله واطيعوا الرسول واحذروا**" اور حکم مانو اللہ کا' اور حکم مانو رسول کا' اور بچتے رہو"....(المائدہ۔۹۲)۔۔۔ پس اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو اس کی ہیبت کے دیدار سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اس کی حلاوت و محبت سے ہے اور "**حذر**" اس طرح کہ قدم کے جو اوصاف ہیں ان کے ساتھ کسی حدوث معدوم کا لگاؤ نہ رکھے اور ارواح کو منازل اجلال میں محبوس کرے۔ حاصل یہ ہے کہ معاملات میں مستقیم رہے' اور ان معاملات پر نظر رکھنے اور ان کے عوض و ثواب پر نظر رکھنے سے بچے تاکہ اس نظر کی وجہ سے انعام دینے والے کے مشاہدہ سے محجوب نہ ہو۔ اور نیز حذر کرو اس امر سے کہ طاعت الٰہی یا طاعت رسول میں کوئی ریا پوشیدہ رہے۔ یعنی طاعت خدا اور رسول میں ظاہری ریاکاری تو خود ہر شخص کو معلوم ہے اور ایک قسم کی پیچیدہ اور خفیہ ریاکاری ہوتی ہے وہ بھی نہ آنے پائے۔ اور طاعت رسول میں کسی قسم کا خفیہ شک بھی نہ رہے اور اس امر سے حذر کرو کہ طاعت بجا لانے میں تمہارے نفوس کو کراہت ہو بلکہ عین محبت و اخلاص سے طاعت ادا کرو۔ تاکہ انانیت کے دعوے سے خارج ہو کر سوزش عشق کے مرتبے پر پہنچو۔ کیونکہ جو شخص اخلاص و محبت سے اللہ تعالیٰ کی بندگی ادا کرتا ہے اور وہ ربوبیت کے وصف سے متصف ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ مقام خطرہ کا ہے۔ چنانچہ اخبار میں آیا ہے **المخلصون على خطر عظيم**

مکر اللہ الا القوم الخاسرون قال الواسطی فی ھذہ الایہ الحذر لا تزول عن العبد مدرجا تحت الصفات ولولا ذلک لبسط العلم الی شرط الجود و قلبہ المبالاۃ با لافعال ولکن الاداب فی اقامۃ الموافقات کلما ازدادت السرائربہ علما" از دادت لہ خشیۃ وایضا" قال اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا ان لا تلاحظوا طاما تکم فتسقطوا من درجۃ الکمال (
تفسیر عرائس البیان ---۱۹۰-۱۹۱)

جو اخلاص والے ہیں وہ بڑے خطرے میں پڑے رہتے ہیں اور نیز یہ وجہ ہے کہ وہاں قدم میں حدوث کا فنا پایا جاتا ہے۔ اور فنا ہونے اولا جو در حقیقت حادث ہے وہ اس گمان غلط میں پڑ جاتا ہے کہ مکر ازلی کا شیر سو رہا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا **فلا یامن مکر اللہ الا قوم الخاسرون** "سو نڈر نہیں اللہ کے داؤ سے مگر جو لوگ خراب ہوں گے۔" (الاعراف۔ ۹۹) اور واسطیؒ نے اس آیت میں کہا کہ حذر رکھنا بندے سے کسی حال میں زائل نہیں ہوتا اگرچہ وہ صفات کے تحت میں درج ہو جاوے۔ آداب اسی میں ہے کہ موافقات پر قائم رہے اور جہاں تک جب کبھی سر باطنی کو علم مزید حاصل ہو تو اسی قدر خوف الٰہی بڑھتا جائے اور نیز حذر کرنے کے یہ معنی کہ اپنی فرمانبرداری کو ملاحظہ کرنے سے حذر کرو کیونکہ ایسا کرو گے تو درجہ کمال سے گر جاؤ گے۔"

ثواب پر نظر رکھنے کے بارے میں مترجم کا خیال ہے کہ اگر ثواب جنت یا نجات جہنم مقصود ہو تو جائز ہے مگر اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ رضائے حق عزوجل مراد ہو۔

نیز علم کے بارے میں خیال ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس قدر علم میں کمال ہوتا جائے اسی قدر لاعلمی کا یقین بڑھے گا۔ اور جس قدر علم ظاہری سے علم باطنی کی طرف ترقی ہوتی جائے گی اسی قدر اس کی عظمت کا انکشاف ہوگا اور خوف بڑھے گا۔ آنحضور کا فرمان ہے مجھ پر سب سے زیادہ خوف الٰہی طاری ہے۔

اگلی آیات کی تشریح میں فرمایا

لَیۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیۡمَا طَعِمُوۡۤا اِذَا مَا اتَّقَوۡا الماکان اللہ سبحانہ یتجلی بوصف اللطف بشئی فیہ محل ابتلاء العباد کان مباحا لھم وھم غیر ما خوذین یتنا ولہ ماداموا مبصرین لطائف الحق فیہ واذا رفع عنہ نور تجلی اللطف حرم ذلک علیھم وھذہ اشارۃ لطیفۃ لمن لہ فھم رجعنا الی شغلنا بالتفسیر ان العاشق العارف مادام فی سیرہ الی اللہ علی نعت التجرید مما سواہ وھو فی منظر من اللہ بالمراقبۃ والا جلال لم یضرہ اوقات الرفاھیۃ والدخول فی الرخص والبسط فی السعادۃ مادام عیشہ بشرط العلم قال سھل اذا طلب الحلال ولم یا خذفوق الکفایہ واثر مما حملہ وواسی (مائدہ- ۹۳ عرائس البیان' جلد اول' ص۱۹۱)

"**لیس علی الذین (الٰی قولہ تعالٰی) اذا ما اتقوا**" "جو لوگ ایمان لائے' اور کام نیک کیے' ان پر نہیں گناہ جو کچھ پہلے کھا چکے' جب آگے ڈرے۔" (المائدہ - ۹۳) جب تک اللہ تعالٰی کسی چیز پر جو بندوں کے لیے محل امتحان ہے لطف سے تجلی فرماتا ہے تو وہ بندوں کے واسطے مباح ہوتی ہے اور وہ اس کے تناول سے اور استعمال میں لانے سے ماخوذ نہیں ہوتے جب تک اس میں یہ حالت نظر آتی رہے۔ پھر جب اس پر سے نور تجلی لطف اٹھا لیا گیا تو وہ ان پر حرام ہو گئی اور سمجھدار کے لیے یہ لطیف اشارہ ہے۔ اب میں اشارات کی طرف رجوع کرتا ہوں جس سے سروست مجھے شغل ہے۔ سو واضح ہو کہ عارف عاشق جب تک کہ اللہ عزوجل کی طرف چلا جاتا ہے اس صفت کے ساتھ کہ وہ ماسوائے اللہ تعالٰی کے تجرید و ترک اور تفرید کئے ہوئے ہے اور مراقبہ اور اجلال سے اس کی نظر فقط اللہ تعالٰی کی درگاہ پر رہے تب تک وہ اپنی حیات و زندگانی میں چاہے مباحات و رخصت کو استعمال کرے اور چاہے رفاہیت و عمدہ آسودگی سے بسر کرے بشرطیکہ علم الٰہی اور شرع پاک کے موافق ہو اس کو یہ اوقات' رفاہیت و فراخی سے بسر کرنے کی کچھ مضرت نہیں پہنچاتے ہیں کیونکہ اس کی اصل نظر ان چیزوں پر کچھ بھی نہیں ہے۔ شیخ سہل نے فرمایا کہ جب اس نے حلال کھانا پینا تلاش کیا' جس طرح شرح میں حکم ہے اور اس میں سے بھی کفایت سے زیادہ نہ لیا تو جس قدر اس نے برداشت کیا وہ عین نور اور بالکل ثواب ہے۔"

اس کے بعد درمیان میں چند آیات چھوڑ کر آیت نمبر ۹۷ کی تشریح کرتے ہیں۔

(جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ) البس الله الكعبة سنا قدس اياته ونورها بصبح مشارق صفاته من مطالع ذاته وصيرها مراة حسنه وجماله لنظر نظار معارفه وابصار عشاق كواشف رداء عظمته وكبريائه لقيامهم على مشاهد قربه ومواقف قدسه ليطلبوا منها رءويه براهين هلال صفته ومشارق صنع جلال قدمه وحرم تلك المنازل على الاغيار دون الاخيار ومنع الاخيار عن الدخول فيها مع بقاء نفوسيتهم ليعلموا انها ممنوعة من تناول الكل الحبر ليعرفوا من القدم انه منزه عن خطوة كل حادث جعل الكعبة بيته وجعل بيته قلب العالم ويظهر بجلاله منه لعيون العارفين مما ظهر لموسىٰ عليه السلام من طور سينا وظهر لعيسىٰ عليه السلام من طور المصيصة وظهر لمحمد صلى الله عليه وسلم وانه من الكعبة كقوله عليه الصلوة والسلام

"اللہ نے مکان محترم کعبہ کو لوگوں کے لیے "(اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ بنایا" کعبۃ اللہ ظاہر میں پتھر وغیرہ سے بنا ہوا ایک مکان ہے)' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی آیات سے روشن اور نور صفات کے پرتو سے منور فرمایا ہے پس وہ ان انوار کے ادراک کے لیے آئینہ ہے۔ اسی واسطے جو لوگ حج کرتے ہیں ہر ایک اپنی استعداد کے موافق اس کے فیض سے پاکیزہ ہو کر مکمل ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل معرفت کو اس سے کشف عظمت و کبریائی کا مشاہدہ ہوتا ہے اور ارکان حج کے ہر موقف میں ان کو صفات کے انوار کا چاند اور جلال قدم کا آفتاب نظر آتا ہے۔ اور غیروں کی نظریں اس سے محروم ہیں' اسی واسطے وہ ممنوع ہیں اور کعبہ کو بیت الحرام بنایا اور وہ عالم کے واسطے جو بمنزلہ ایک شخص کے ہے قلب مقرر کیا۔ اور عارفوں کی نظر میں اس سے انوار جلال ظاہر ہوتے ہیں۔

جیسے موسیٰ کو کوہ طور سے اور عیسیٰ کو مصیصہ سے ظاہر ہوئے ویسے آنحضرت ﷺ کو اور آپ کی امت کو کعبہ معظمہ سے ظاہر ہوئے اور یہی معنی ہیں جو آیا ہے **جاء الله من سينا واستعلن بساعير واشرق من جبال فاران** یعنی "اللہ تعالیٰ سینا سے آیا اور ساعیر سے اعلان ہوا اور فاران سے چمکا" اسی طرح قلب عارف بھی قبلہ مشاہدہ ہے اور وہ ہر تصور و خیال و اعتبار سے ممنوع ہو کر محل نظر قدسی ہو جاتا ہے۔

جاء الله من سينا واستعلن بسامر واشرق من جبال فاران هكذا جعل قلب العارف كعبة مشاهدة فى حرم صورته وسد بابه عن كل طائف غير نظره فيظهر اثار جلاله من صورهم قال الشبلى الكعبة امام اعين الناس والحق امام قلوب اولياء وقيل البيت الحرام حرام فى مجاورته ارتكاب المخالفات بمحال وقيل حرام على من يراه ان يرى وصفه دون واصفه وقيل قياما للناس اى من زل عن قيامه فاعوج بالتدنس بمعصية فاتاه فتعلق به اقامه ببركته اثار الانبياء عليهم السلام والسادة فيه ورده الى حال الاستقامة

پس اس کے آثار جلال عارفوں کے چہرے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ شبلی نے کہا کہ چشم ہائے مردم کا امام کعبہ ہے اور قلوب اہل ایمان کا امام خالق کعبہ ہے۔ بعض مشائخ نے کہا کہ بیت الحرام بایں معنی کہ اس کے جوار میں مخالفت کرنا سخت حرام ہے۔ اور بعض نے کہا کہ وہاں بھی بندے پر حرام ہے کہ مخلوق پر نظر رکھے بلکہ اس کے خالق عزوجل پر نظر رکھے اور بعض نے **قوله قياما للناس** سے اشارہ لیا کہ جو کوئی بسبب ارتکاب معصیت کے کج اور ٹیڑھا ہو گیا ہو جب وہ آکر کعبہ معظمہ سے لپٹ جائے اور قلبی تعلق اس سے پیدا کرے تو ان انوار کی برکت سے قیام یعنی مستقیم ہو جائے گا۔"

مترجم نے کعبہ کی عظمت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جس طرح کعبہ میں نیکیوں کا ثواب ایک لاکھ تک زائد ہے ویسے ہی مخالفت کرنے پر عذاب میں بھی زیادتی ہوگی۔

اگلا اقتباس سورہ مائدہ۔۱۰۱ سے ہے جو عرائس البیان کے صفحہ ۱۹۱ پر ہے۔

قوله تعالىٰ (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ) اى اذالم

"اللہ تعالیٰ کا قول' اے لوگو جو ایمان لائے ہو' ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں" اس سے

يكونوا برؤية ا لغيب محرمين للغيب ولاتكونوا بالغين الى معالى درجات اهل المعارف والكواشف لاتسالوا عن حقايقها فانه اذابين المستقيم لكم دقايقها لعبارة اهل الاسرار لاتطيقون ان تدركوها فيسئو كم حرما نكم عنها وربماينكروا على بعضها فتهلكواوان اللّٰه سبحانه غيور على منك سترالغيب للا غيار انشدا الحسين بن منصور قدس اللّٰه روحه من لم يضيق قدر ماولا شانه لم يامنوه على الاسرار ماعاشا

بطریق اشارت ثبوت ہوا کہ جب غیب کے دیدار و مکاشفہ سے وقوف نہ ہو اور اہل معرفت کے درجہ کو نہ پہنچا ہو تو اس کے حقائق کو مت دریافت کرے کیونکہ جب اہل اسرار کی باتوں میں سے کوئی عارف اس کے دقائق بیان کرے گا تو نادان لوگ اس کا ادراک نہیں کریں گے پس ان کی محرومی ان کو رنج دے گی اور بسا اوقات وہ بعض اسرار سے منکر ہونگے اور ہلاک ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ عزوجل اغیار کو غیب سے مطلع نہیں فرماتا۔ حسین بن منصور قدس اللہ روحہ نے فرمایا "جس نے اس کی شان کی قدر کا مزہ نہیں چکھا جب تک وہ زندہ رہا اس کو اسرار سے آگاہ نہیں کیا جاتا"۔

سورہ اعراف آیات ۱۹۹' ۲۰۰ کی اشاری تفسیر عرائس البیان کی جلد اول صفحہ ۲۹۸ سے نقل کی جاتی ہے۔

بقوله (خُذِالعَفْوَ) اى فاعف عنهم من قلة عرفا نهم حقك (وَاْمُرْبِالعُرْفِ)اى يلطف عليهم

"اس کا قول 'اے نبی" نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو' معروف کی تلقین کیے جا اور جاہلوں سے نہ الجھو۔ اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو" خذالعفو

فى امرك ونهيك بهم فانهم ضعفا ء عن حمل وارد احكام وشريعك وحقايقك (وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ)○ الذين ليس لهم استمداد النظر اليك ولايعرفون حقوقك فان منكر كرامات اوليائى ومعجزات انبيائى لايبلغ الى درجة القوم قال بعض المشائخ حين ذكر اهل الظاهر قال دع ذكرهولا ء الثقلا ء ثم انه سبحانه البس حبيبه عليه السلام اخلاق القدم بالتجلى والكشف والمباشرة بالفعل ثم ارادان يلبسه خلقة بالامر القديم والكلام الكريم ليكون متصفا بجميع معانيه بجميع صفاته متخلقا بجميع اخلاقه حتى عظم الامر عنده فى ذلك وافاض لطفه على الجمهور فامر امته بما امر اللّٰه بقوله تخلقوا باخلاق اللّٰه قال بعضهم امر النبى صلى اللّٰه وسلم

یعنی اپنے حق کے نہ پہچاننے پر تو ان کو معاف کر دے ان سے درگزر فرما (اس لیے کہ بعض تو دل سے خواستگار و جاں نثار ہیں مگر اپنی وسعت بھر پہچان سکتے ہیں اور بعض مقہور بقہر ازل ہیں وہ کچھ بھی نہیں پہچانتے ہیں) اس کا قول **وامر بالعرف** یعنی اپنے حکم دینے اور بد کاموں سے ممانعت کرنے میں ان پر مہربانی اور نرمی فرما کیونکہ وہ حقائق احکام اٹھانے سے ضعیف ہیں۔ اس کا قول **واعرض عن الجھلین** یعنی ان جاہلوں سے اعراض فرما جن کو تجھ پر نظر ڈالنے کی استطاعت ہی نہیں ہے۔ اشارہ سے ثابت ہے کہ جو لوگ اولیاء کی کرامات اور معجزات انبیاء کے منکر ہیں وہ آدمیت کے درجے کو کبھی نہیں پہنچیں گے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے چاہا کہ اپنے حبیب کو قدیم کے اخلاق سے لباس پہنا دے یعنی تجلی و کشف و ظہور انوار فعل سے ملبوس فرما دے۔

پھر چاہا کہ اس کو امر قدیم و کلام کریم سے ملبوس فرمائے تاکہ جمیع صفات کے ساتھ جمیع معانی سے متصف ہو کر جمیع اخلاق کریمہ سے آراستہ ہو جائے اور اس فیض سے ایک قطرہ امت کو بھی مرحمت ہوا۔ چنانچہ آنحضور ؐ نے فرمایا **تخلقوا باخلاق اللّٰه** یعنی تم لوگ اپنے خلق ویسے بناؤ جو اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر و باطن بزرگ اخلاق کا

بمكارم الاخلاق ظاهرا وباطنا وهوالصفح عن زلات الخلائق والامر بمكارم اخلاق واعرض عن الجاهلين اى اعرض عن المعرضين عنافهم الجهال روے النبى صلى الله عليه وسلم سال جبريل صلوات الله عليه عن تفسيرهذه الايه فقال تصل من قطعك وتعطى من حرمك وتعفو عمن ظلملك وتحسن الى من اساء اليك قال ابن عطا خذما صفاودع ماكدر قوله تعالى (وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ) الشيطان كلب قهر القدم فاذانخ وراء ساحة القلب فى جانب النفس ففرمن قمر الى الطفنا ومناالیک لذلک قال

اعوذبک منک فاذا کان ساحة القلب مستضاة بنورالتجلى يفرالشيطان من نواحيه لانه لويد نوامنه بقدر راس ابره يحترق قال الجريرى من اعقل السلاح اسره الشيطان فى اول لحظة وقال الا ستادان سخ فى باطنك من

حکم دیا اور وہ یوں کہ خلائق کی لغزشوں سے چشم پوشی کریں اور ان کو اخلاق پاکیزہ کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض کریں یعنی جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ سے مڑے ہوئے ہیں ان جاہلوں سے منہ موڑیں۔ روایت ہے کہ آنحضورؐ نے جبرئیلؑ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو کہا۔ جو آپ سے انقطاع کرے آپ اس سے ملیں اور جو آپ کو کسی چیز میں محروم رکھے آپ اس کو دیں اور جو آپ کے حق میں ظلم کرے آپ اس سے عفو کریں، جو آپ سے بدی کرے آپ اس کے حق میں نیکی کریں۔ ابن عطاء نے فرمایا کہ **خذ ماصفا ودع ماکدر** یعنی صاف لے لے اور تلچھٹ چھوڑ دے اللہ تعالیٰ کا قول **واما ینزغنک الی قولہ فاستعذ باللہ** شیطان قہرقدم کا کتا ہے جو وہ قلب کے ایک طرف نفس کے دروازے پر کھڑا ہو کر بھونکے تو ہمارے قہر سے ہمارے لطف کی طرف بھاگ آ اور ہماری طرف سے تیری طرف۔ اور یوں کہنا چاہیے

اعوذ بک منک پھر جب اس نور سے قلب منور ہو گیا تو اس کے کنارے شیطان کی رسائی نہ ہو گی کیونکہ اگر وہ ذرہ برابر بھی اس کے قریب ہو جائے تو جل کر مر جائے۔ جریری نے کہا کہ جو اپنا ہتھیار بھولا اس کو شیطان نے ایک دم میں اپنی بیڑیوں میں قید کیا۔ استاد نے

الوسواس اثر فا ستعذ بالله يدرككك بحسن التوفيق وان هجس فى صدرك من الحظوظ فاستعذ بالله يدرككك بادمه التائيدوان اعتراك فى الترقى ان محل الوصل وقفه فاستعذ بالله يدرككك بادامه التحقيق وان تقاصر عنك فى خصايص القرب صيانة لك عن شهود المحل فاستعذ بالله تثبتك له به لا لك بك ثم وصف سبحانه اهل التقوى من اهل الولايه انهم ممتحنون بهواجس النفوس ووسا وس الشياطين واستغاثهم بالله وذكره عن شرهم

کہا کہ اگر تیرے دل میں شیطان کا کچھ وسواس اچانک آتا نظر آیا تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ کہ وہ اپنی توفیق سے تجھے محفوظ فرما دے گا اور اگر تیرے سینے میں حظوظ نفسانیہ کو دخل ہوتا نظر آئے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ کہ وہ اپنی توفیق سے تجھے محفوظ فرما دے گا اور تجھ کو تائید سے مستغنی فرما دے گا اور اگر مقام ترقی میں تجھے شک میں مبتلا کیا تو پناہ مانگ کہ اللہ تعالیٰ تجھے تحقیق سے فیض یاب کرے گا۔ پھر اللہ عزوجل نے اپنے اولیاء میں سے اہل تقویٰ کو بیان فرمایا کہ ان پر وساوس شیطانی اور ہوا جس نفسانی سے امتحان لیا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے بیدار ہو جاتے ہیں۔

آگے دو اقتباسات جلد دوم سے نقل کیے جاتے ہیں، سورہ فاطر پارہ ۲۲ سے، تفسیر عرائس البیان میں صفحات ۱۲۶ اور جلد دوم پر ہیں۔

(مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا) سهل الله سبحانه طريق الوصول الى العزة القديمة لطلاب العزة

"جو کوئی عزت چاہتا ہے، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کی ہے" (الفاطر-۱۰) (اس کے ہاں جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے عزت کے طلبگاروں کے لیے عزت

وهوالاتصاف بصفاته والتخلق بخلقه فاذا عرفه بالعزة صار منورا بنورعزته عزيزا بما كساه الحق من سناء عزته فاذا كان مزينا بنور العزة صار سلطانا من الحق يذل عنده جبابرة العالم ولا يكون ذلک الا بعد فنائه فی بقاء اللّٰه قال سهل العزة النصرة فليطلب ذلک من عند اللّٰه وموالاة اوليائه و معاداة اعدائه ثم بين سبحانه ان لا يصل الا مابدامنه بقوله إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ الكلم الطيب

ماتلقفه الارواح القدسية فی بدوا لازل من الحق سبحانه حين قال الست بربکم قالوا بلی ولايصل ذلک الا اليه لان الحدثان لا يكون محل الا فراد الفردانيه بل الازلية مصادر التوحيد الا تری

قدیم تک پہنچنے کا راستہ آسان فرما دیا اور اس سے مراد حق تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو اور اس کے اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرنا ہے جب اس کو عزت کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کی عزت کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔ لبسبب اس کے کہ حق تعالیٰ اس کو اپنی عزت کی تجلی کا لباس پہنا دیتا ہے اور جب وہ اس کی عزت کے نور سے منور ہو جاتا ہے تو وہ حق کی دلیل بن جاتا ہے جس کے سامنے دنیا کے جابر لوگ ذلیل ہو جاتے ہیں اور اس یہ مقام اسے اس وقت حاصل ہوتا ہے جب بقاء اللہ میں فنا ہو جاتا ہے۔ سہلؒ نے کہا عزت سے مراد نصرت ہے پس اس کو اللہ کے ہاں سے مانگو۔ اور اس کے اولیاء کی دوستی اور اس کے دشمنوں کی دشمنی کے ذریعے مانگو۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا جب تک اس قول کی اقتداء نہ کرے **اليه يصعد الكلم الطيب**

"اچھا کلام اسی تک پہنچتا ہے۔" (فاطر۔ جب ازل میں حق تعالیٰ نے فرمایا **الست بربکم** تو جن ارواح قدسیہ نے اقرار ربوبیت کا جواب دیا تو یہی کلمہ طیبہ ہے ا

کيف قال اليه يصعد يعنی لا الی غيره والعمل الصالح عمل القلب وهو محبة اللّٰه والشوق الی لقائه والمحبة والشوق ايضا مصدرهما صفة الحق فيصحبان الكلمة لان الكلمة والمحبة خرجتا من معدن الالوهية فمنه بداواليه يعود قال سهل ظاهره الدعاء والصدقة وباطنه عمل بالعلم والاقتداء بالسنة يرفعه اويوصله الاخلاص(الفاطر۔۱۰)

باقی ارواح نے اگرچہ یہی جواب دیا لیکن وہ صدق دل سے نہ تھا پس عمل صالح بھی اس کلمہ کے ساتھ عمل قلبی ہے۔ پس جس کا قلب ایمان کے ساتھ منور ہے اسی کا کلمہ طیب ہے۔ شیخ سہل نے فرمایا کہ کلمہ طیبہ ظاہر میں دعا و تسبیح و تصدیق ہوتی ہے اور باطن میں علم معرفت کے موافق عمل ہے اور سنت رسالت کی اقتداء ہے۔ تب یہ کلمہ اخلاص کے ساتھ بلند ہو کر عمل کی قبولیت پیدا کرتا

درمیان میں چار آیات چھوڑ کر پندرھویں آیت کی اشاراتی تفسیر کی گئی ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ج فطرة الانسانية وقعة من الغيب مضطربة متحركة الی الازل بنعت الافتقار اليه كانجذاب الحديدالی المقناطيس لانها وقعت بنعت العشق والعاشق مفتقرالی معشوقه انفعا لا فمن عرفه بالا زلية والا بدية

"لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو" (فاطر۔ ۱۵) واضح ہو کہ تمام مخلوقات کو جو حاجت اپنے رب عزوجل کی جناب میں ہے اس کے قیاس کو بھی کوئی پورا نہیں کر سکتا۔ مترجم کہتا ہے۔ (مذکورہ بالا عبارت کا ترجمہ ہے) فطرت انسانیہ ظہور غیب سے مضطرب واقع ہوئی ہے کہ محتاج ہو کر ازل کی جانب متحرک ہے کیونکہ وہی اس کا اصل معدن ہے۔ جیسے مقناطیس کی جانب لوہا جذب ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فطرت انسانیہ اپنے معدن کی

يفتقر اليه اغتفادا قطيعا لان بقاء لايكون الا به واذا كان كذلك صار غنيا بالله متصفا بغناه غنى به عن غيره مفتقرا اليه فاذا كان فى محل الصحو يكون مفتقرا اليه واذاكان فى محل السكر بقى فى روية غناه عنه فصار محجوبا" عنه ولا يدرى قال الحسين

جانب عاشق واقع ہوئی ہے اور عاشق کو اضطراب انفعالی ہوتا ہے۔ پس جس شخص نفس نے اپنے خالق عزوجل کو پہچان لیا اس کو شوق کے ساتھ محتاجی ہوتی ہے۔ اور جب وہ خالص حق تعالیٰ کی جانب محتاج ہو گیا تو غذا سے حق تعالیٰ سے غنی ہو جاتا ہے اور غیر کو چھوڑ کر اس کا محتاج ہو جاتا ہے۔ جب وہ صحو کے محل میں ہوتا ہے تو اس کا محتاج ہوتا ہے اور جب سکر کی حالت میں ہوتا ہے تو پھر اس کی غنا کی رویت سے باقی رہتا ہے اور اس سے محجوب ہو جاتا ہے۔

على مقدار افتقار العبد الى الله يكون غناء ہ بالله وكلما ازداد افتقار ازداد غنى قال الواسطى من استغنى بالله لايفتقر ومن يتمزز بالله لايذل وقال جعفر الصادق انتم الفقراء بذل المبودية والله الغنى بعزالربوبية لان الربوبية

شیخ حسین نے کہا کہ بندہ جس قدر اپنے رب تعالیٰ کی جانب محتاج ہوتا ہے اسی قدر اس کو قناعت کی تونگری زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ شیخ واسطی نے فرمایا کہ جو بندہ اپنے رب تعالیٰ کی جانب زیادہ محتاج ہوا وہ کبھی فقیر نہیں ہوتا ہے۔ یعنی کسی چیز کی جانب محتاج نہیں ہوتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ سے عزت حاصل ہوئی وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا ہے۔ جعفر صادق نے فرمایا' بندوں کو اپنی بندگی میں محتاجی ہے جیسے رب تعالیٰ کو ربوبیت کی تونگری ہے کیونکہ

القهر والغلبة والعبودية الخضوع والاستكانة (عرائس البیان' ص ۱۶۶)

ربوبیت قہر و غلبہ کا نام ہے اور بندگی کے معنی عاجزی اور مسکنت کے ہیں۔"

مولف روز بہان کی تفسیر عام طور پر سمجھ سے بالاتر ہے۔ تصوف کی مشکل اصطلاحات کی مستزاد بھرمار ہے۔ نادر اور عجیب معانی بیان کیے گئے ہیں جن کو مراد الٰہی قرار دینا بہت مشکل ہے۔ مولف ان معانی کو بذریعہ الہام القا کردہ بتاتے ہیں مگر اپنی تفسیر کی صحت پر اصرار نہیں کرتے گویا وہ ان آیات کے دیگر معانی سے انکار نہیں کرتے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا خیال ہے صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔

تفسیر ابن عربی یا منسوب بہ ابن عربی' م-۶۳۸ھ

ابن عربی کی تفسیر کے ابتدائیہ کے چند فقرے مع اردو ترجمہ ص ۳'۴ سے پیش کیے گئے ہیں۔ ان کی مدد سے مفسر مذکور کے اسلوب تحریر اور انداز بیان کا پتہ چلے گا۔

الحمد لله الذى جعل مناظم كلامه مظاهر حسن صفاته وطوالع صفاته مطالع نورذاته صفى مشارع مسامع قلوب اصفيائه التحقق السماع موروق موارد مشاعر فهوم اوليائه لتيقن الاطلاع والطف اسرار هم باشراق

" سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے کلام کے مناظم کو اپنی صفات کی خوبیوں کا مظہر بنایا اور اپنی صفات کے طالع کو اپنی ذات کے نور کا مطالع بنایا' سماع کو تحقق (ثابت) کرنے کے لیے اصفیاء کے قلوب کے مسامع (کانوں) کے راستوں کو مشارع (برگزیدہ) بنایا اور اپنے اولیاء کے فہوم ---(سمجھ بوجھ) کے دانائی کی باتوں کے وارد ہونے کی جگہوں کو سخت تاریک کر دیا۔ تاکہ ہر طرف پھیلنے والی محبت کی شعاعوں کے

اشعۃ المحبۃ فی ارجائھا وشوق ارو احھم الٰی شھود جمال وجھہ بفنائھا ثم القٰی الیھم الکلام' فاستر وحوا الیہ بکرۃ وعشیا وقربھم بذالک منہ حتی خلصوا لدیہ بخیا فزکی بظاھرہ نفوسھم

فاذاھو ماء ثجاج وروی بباطنہ قلوبھم فاذا ھو بحر مواج فلما ارادوا الغوص لیستخرجوا درراسرارہ طفی الماء علیھم ففر قوافی تبارہ لکن اودیۃ الفھوم سالت من فیضہ بقدرھا وجداول المقول فاضت من رشحہ بنھرھا فابرزت الا وادی علی السواحل جواھر ثاقبۃ وددرا فانبتت الجداول علی الشواطئی

طلوع ہونے سے "اطلاع" اور اس کے اسرار کے لطف کا تیقن کر سکے۔ ان کی روحوں کو شوق بخشا کہ وہ اس کے چہرے کے جمال کا دیدار کر سکیں اپنے آپ کو اس کی ذات میں فنا کر کے۔۔۔ پھر ان پر کلام نازل کیا اور وہ صبح وشام اس سے استراحت پاتے رہے۔ پھر ان کو اس کے قریب کر دیا یہاں تک کہ وہ اس کے ہمراز بن کر اس کے نزدیک خالص ہو گئے۔ پھر ان کے ظاہری نفوس (ذات) کو پاکیزہ کر دیا۔

باطن میں ان کے قلوب کو سیراب کر دیا کہ وہ موجیں مارتا ہوا سمندر بن گیا۔ پھر جب انہوں نے غوطہ زن ہونے کا ارادہ کیا کہ اس کے اسرار کے موتی نکال سکیں' پانی ان پر چھا گیا اور وہ اس کی تباہی میں غرق ہو گئے۔ لیکن فھوم (عقل و سمجھ) کی وادیاں مقدور بھر اس کے فیض سے مستفید ہوتی رہیں اور عقلوں کی چھوٹی ندیاں اس کے دریا سے رسنے والے فیض سے فیض یاب ہوتی رہیں اور وادیوں نے چمکتے ہوئے جواہر اور موتی سواحل پر پھینک دیئے اور چھوٹی ندیوں نے اپنے کناروں پر تر و تازہ پھول اور پھل اگائے۔"

(تفسیر محی الدین' ابن عربی' ص ۲ بولاق ۱۳۱۷ھ مصر)

فانی طالما تعھدت تلاوۃ القرآن وتدبرت معانیہ بقوۃ الایمان وکنت مع المواظبۃ علی الا وراد حرج الصدر قلق الفواد لاینشرح بھاقلبی ولا یصرفنی عنھا ربی حتی استانست بھافالفتھا وذقت حلاوۃ

کاسھا وشربتھا فاذاانا بھانشیط النفس فلج الصدرمتسع البال منبسط القلب فسیح السر طیب ا لوقت والحال مسرور الروح بذلک الفتوح کانہ دائمافی غبوق وصبوح تنکشف لی تحت کل آیۃ من المعانی مایکل بوصفہ لسانی لا القدرۃ تفی بضبطھا واحصائھا ولا القوۃ تصبرعن نشرھا وافشائھا فتذکرت خبر من اتٰی ماازذھانی مماوراء المقاصد والا مانی قول

"پس میں پوری کوشش سے (طالما) عہد کرتا ہوں قرآن کریم کی تلاوت کا اور ایمان کی پوری قوت کے ساتھ اس کے معانی میں غور و فکر کرنے کا۔ میں اوراد میں ہمیشگی کرنے والوں کے ساتھ تھا۔ میں حرج الصدر (تنگ سینے والا) قلق الفواد (بے قرار دل) والا تھا۔ اس سے مجھے شرح صدر نہ ہوا میرے رب نے مجھے اس حال سے نہ نکالا یہاں تک کہ میں اس حالت سے مانوس ہو گیا۔ مجھے اس سے الفت ہو گئی اور میں نے اسکے پیالے کی

مٹھاس کو چکھا اور پیا۔ یہاں تک کہ میں خوش نفس والا' کھلے دل والا' فراخ حالت والا' خوش و خرم مزاج والا' کشادہ راز والا' خوشبو دار وقت اور حال والا اور مسرور روح والا بن گیا۔ ان "فتوح" یعنی رازوں اور پابندیوں کے کھل جانے کے بعد۔۔۔ گویا کہ وہ ہمیشہ رات کی یا صبح کی شراب کی طرح ہیں جو مجھ پر آیت کے معانی کا کشف کر دیتے ہیں۔ میری زبان اس کے وصف سے بوجھل نہیں ہوتی۔ اس کے شمار کرنے اور ضبط کرنے میں طاقت وفا نہیں کرتی اور نہ ہی ان کے نشر اور افشاء کرنے کا قوت میں صبر ہے۔ پس مجھے ایک خبر یاد آتی ہے جس نے میری امیدوں اور مقاصد کو بڑھا دیا ہے۔ وہ آنحضور ؐ کا قول ہے جو نبی امی اور صادق ہیں۔ جن پر تمام خاموش رہنے والوں اور باتیں کرنے والوں سے

النبی الامی الصادق علیه افضل الصلوات من کل صامت وناطق مانزل من القرآن اٰیة الاولها ظهر وبطن ولکل حرف حدولکل حد مطلع وفهمت منه ان الظهرهو التفسیرو البطن هوالتاویل والحد مایتناهی الیه الفهوم من معنی الکلام

زیادہ درود و سلام ہو۔ قرآن کی آیات میں سے کچھ بھی نازل نہیں ہوا مگر اس کا ایک ظاہر ہے ایک بطن ہے اور ہر حرف کا حد ہے اور ہر حد کا ایک مطلع ہے۔ اور میں اس سے یہ سمجھا ہوں کہ ظاہر سے مراد تفسیر ہے۔ بطن سے تاویل مراد ہے ۔حد سے مراد کسی کلام کے وہ معانی ہیں جس سے سمجھ بوجھ منع کرتی ہے۔ مطلع سے مراد وہ علم و ادراک ہے جو اسے اس کی یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کیا جاتا ہے اور وہ ملک العلام کے مشہود پر مطلع ہو جاتا ہے۔"

اس کے بعد کا اقتباس فاتحہ الکتاب کے بارے میں ہے۔

اسم الشئی مایعرف به فاسماء اللّٰه تعالیٰ هی الصور النوعیة التی تدل بخصائصها وهویا تها علیٰ صفات اللّٰه وذاته وبوجودها علی وجهه وبتعینها علی وحدته اذهی ظواهره التی بهایعرف وَاللّٰهُ اسم للذات الالٰهیه من حیث هیی هیی علی الاطلاق لا باعتبار اتصافها بالصفات ولا باعتبار لا اتصافها وَالرَّحمٰنُ وهوالمفیض للوجود والکمال علی الکل

"اسم سے وہ چیز مراد ہے جس سے وہ پہچانی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء اس نوعیت کی صورتیں ہیں جو اس کی خاصیتوں پر دلالت کرتی ہیں۔ کبھی وہ اللہ کی ذات پر، کبھی اس کی صفات پر اور کبھی اس کے وجود کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی ذات پر بولا جاتا ہے۔ اور اس کی یکتائی کے تعین کرنے پر جیسے کہ وہ ظاہر میں جانا جاتا ہے۔ اور اللہ ذات الٰہی کا اسم ذات ہے۔ جہاں سے ہے، جیسے ہے یہ علی الاطلاق ہے یعنی کسی اور کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ سب کو چھوڑ کر اسی ذات کے لیے مخصوص ہے۔ یہ صفات سے متصف ہونے کی بنا پر نہیں ہے اور الرحمٰن وہ ہے جو سب کے وجود کے لیے فیض پہنچانے والا ہے اور کمال

بحسب ماتقتضی الحکمة وتحتمل القوابل علیٰ وجه البدایة وَالرَّحِیۡمُ هوالمفیض للکمال المعنوی المخصوص بالنوع الانسانی بحسب النهایة ولهذاقیل یارحمٰن الدنیاوالاخرة ورحیم الاخرة فمعناه بالصورة الانسانیة الکاملة الجامعة الرحمة العامة والخاصة التی هی مظهر الذات الا لهی والحق الاعظمی مع جمیع الصفات ابداواقرا وهی الاسم الاعظم والیٰ هذا المعنی اشار النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بقوله اوتیت جوامع الکلم وبعثت لاتمم مکارم الاخلاق

(تفسیر ابن عربی، ص ۵)

کے لیے بھی جتنا کہ حکمت کا تقاضا ہو۔ اور ابتداء میں قوابل کا تحمل پیدا کرتا ہے یعنی ذمہ داریاں اٹھواتا ہے۔ اور الرحیم وہ معنوی کمال کے لیے فیض پہنچانے والا ہے جو نوع انسانی کے ساتھ مخصوص ہے اور انتہائی آخری درجے تک ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن دنیا اور آخرت کا رحمٰن ہے اور صرف آخرت کا "رحیم" ہے اور اس کا معنی ہے ایسی انسانی صورت جو کامل ہے، جامع ہے، رحمت عامہ ہے اور ایسی رحمت خاص ہے جو ذات الٰہی کا مظہر ہے، عظیم حق تعالیٰ اور اس کی جمیع صفات کا مظہر ہے۔ جو ظاہر ہیں اور پڑھی جاتی ہیں اور یہی اسم اعظم ہے۔ اور ان ہی معنوں میں آنحضور نے اس قول کے ساتھ ارشاد فرمایا تھا۔ مجھے **جوامع الکلم** دیئے گئے اور مجھے **مکارم الاخلاق** کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا گیا۔

آگے سورہ مریم پارہ ۱۶ سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔

کٓهٰیٰعٓصٓ قدتقدم فیما اسلف ان کل طالب ینادی ربه ویدعوه انما یستحق الاجابة اذادعاه بلسان

"**کهٰیٰعص** (مریم-۱) پہلے گزرا کہ ہر طالب جو اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرتا ہے وہ جب ہی مستحق اجابت ہوتا ہے کہ اس سے دعا

الحال وناداه باسمه الذى هو مصدر مطلوبه بحسب اقتضاء استعداده فى ذلك الحال علم اولم يعلم اذالعطاء والفيض لايكون الا بحسب الاستعداد والاستعداد لايطلب الا مقتضى ذلك الاسم فيجيبه

بتجلى ذلك الاسم الذى يجبر نقصه ويقضى حاجته بافادة مطلوبه كما ان المريض اذاقال يارب فمراده ياشافى اذالحق يبريه بذلك الاسم عنداجابته وكذا الفقير اذا ناداه اجابه بسمه المغنى اذهو ربه ○ فنادى زكريا عليه السلام ربه ليهب له وليا يقوم مقامه فى امرالدين وتوسل اليه بامرين واعتذر اليه معتلا بامرين توسل بالضعف والشيخوخة والوهن والعجز عن القيام بامرالدين فى

بزبان حال کرے اور اس نام سے کرے جو اس کی استعداد وقت کے موافق اس کے مطلوب کا مصدر ہے خواہ وہ جانے یا نہ جانے اس واسطے کہ عطا وفیض اسی قدر ہوتا ہے کہ جیسی استعداد ہو اور استعداد کی خواہش اسی اسم کا مقتضی ہے۔ پس عموم فیض سے اس دعا کو قبول فرماتا ہے۔

اس طرح کہ اس اسم سے تجلی فرما کر اس کی حاجت پوری کردی جاتی ہے۔ جیسے مریض نے کہا کہ یارب' تو مراد اس کی یہ ہے کہ یا شافی۔ پس عزوجل اس کی دعا قبول کرنے میں اسی اسم پاک سے اچھا کردے گا اور ایسے ہی فقیر نے جب یارب کہا تو قبولیت اس کی دعا کی باسم مغنی ہے اس لیے کہ وہی اس کا رب ہے۔ پس زکریاؑ نے اپنے رب تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کی کہ اس کو ایک ولی عطا فرمادے جو امردین میں اس کا قائم مقام ہو۔ اور اس میں دو باتوں سے توسل ڈھونڈا اور دو باتوں سے عذر پیش کیا۔ پس توسل تو ضعف' بڑھاپے اور سستی اور عاجزی سے ڈھونڈا کہ امردینی میں قیام نہیں کر سکتا وہ اللہ تعالیٰ کا قول **وھن العظم**

قوله (وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّى وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا) فاجابه باسمه الكافى فكفاه ضعفه واعطاه القوة وايده بالولد ثم بعنايته به قديما بقوله (وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا) فاجابه باسمه الهادى وهداه الى مطلوبه بالبشارة والوعدلان العناية

المقتضية للسعادة المستلزمة لسلب الشقاوة كما اشار اليها بلازمها عبادة عن علمه تعالى فى الازل بعين فى العدم وتقتضى باستعدادها سعادة تناسبها وهو عين ارادته تعالى ذالك الكمال لها عند وجودها فلابدمن هداية لها اليه والهداية انماتتم بالتوفيق وهو ترتيب الاسباب

منی واشتعل الراس شیبا" میری ہڈیاں (بوجہ پیری کے) کمزور ہو گئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی" (مریم۔ ۴) پس جواب اس کا باسم کافی ہے تو اس کو ضعف سے کفایت کی اور قوت دی اور فرزند سے اس کی تائید کی اس کا قول **ولم اکن بدعائک رب شقیا**" اور (اس کے قبل کبھی میں) جواب دیا کہ باسم ہادی اور اس کو اس کے مطلوب کی طرف ہدایت دی۔

یہ بشارت ووعدہ کیونکہ عنایت مقتضیہ سعادت جو مستلزم سلب وشقاوت ہے جن کی طرف ان کی لازم یعنی سلب شقاوت سے اشارہ کیا کہ مجھ پر عنایت رہی ہے یہ عنایت اللہ تعالیٰ کے علم ازلی سے عبارت ہے۔ جو عدم میں کسی عین خاص کے ساتھ متعلق ہو اور یہ اپنی استعداد کے ساتھ ایسی سعادت کو مقتضی ہے جو اس کے مناسب ہو اور یہ بعینہ ارادہ الٰہی ہے کہ اس عین کے وجود کے وقت اس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ کمال چاہا تو ضروری ہوا کہ اس کو اس کمال کی طرف ہدایت ہو اور ہدایت کا پورا ہونا جب ہی ہے کہ توفیق ہو اور توفیق یہ کہ اس مطلوب کے موافق اسباب مہیا کردیئے جائیں جو اس کمال کی جانب مودی ہوں۔ مگر زکریاؑ نے اسباب کو مواقف نہ پایا بلکہ اس کے خلاف پایا تو خوف کیا اور اعتذار کیا کہ موالی سے خوف ہے

الموافقة لذلك المطلوب المودية اليه ولم يجدها موافقة ووجد خلافها فخاف واعتذراليه بالخوف من الموالی لعدم صلاحيتهم لذلک فاجابه باسمه الواقی فوقاه شرهم وبامتناع وجود الولی من نسله لعدم الاسباب

کیونکہ وہ اس کام کے لائق نہیں ہے (نبوت آل یعقوب یعنی حضرت یوسفؑ کی اولاد میں چلی آتی تھی اور بادشاہت باقی گیارہ میں سے ایک کے خاندان میں تھی۔ اس وقت بادشاہت فسق وفجور اور قریب کفر کی حالت میں لوگوں پر قائم تھی۔ اور نبوت کے حق میں لوگ صالح نہ تھے اور حق تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ نبوت بنو اسرائیل میں تا زمانہ نزول انجیل رہے گی پس زکریاؑ نے اسباب کو اس کے موافق نہ پایا بلکہ مخالف اسباب پائے تو اللہ تعالیٰ نے) اس کو باسم واقی جواب دیا کہ اسباب کے شرور سے نگاہ ہٹا اور اس نے نداء کی کہ ولی اس کی نسل سے نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اسباب موافق نہیں ہیں۔

بقوله (وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا) فاجابه باسمه العليم لانه علم عدم الاسباب الذی تعلل به محتجابها عن المسبب وعلم وجوده مع علمها وما علمه لابدمن کونه کما قالت الملائكة لامراة ابراهيم عليه السلام (اقتباس از سورہ مریم پارہ ۱۶)

اس کے قول کے مطابق **وکانت امراتی عاقر** "اور میری بیوی بانجھ ہے" (مریم۔۵) جواب دیا باسم علیم۔ کیونکہ وہ آگاہ تھا کہ ظاہری اسباب موجود نہیں ہیں جن سے زکریا نے تعلل کیا تھا کہ ولی اس کی نسل سے نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا باوجودیکہ اسباب نہ تھے۔ اور جو اس کے علم میں ہو وہ خواہ مخواہ ہو گا جیسے ملائکہ نے حضرت ابراہیمؑ کی بی بی سے کہا تھا۔"

اس کے بعد کا اقتباس تفسیر ابن عربی کے صفحات ۱۹۲ اور ۱۹۳ سے لیا گیا ہے۔

هذه (حٰمٓ) ای الحق المحتجب بمحمد فهو حق بالحقيقة محمد بالخليقة اجه فظهر بصورته

"**یہ حٰم** (المومن۔۱) یعنی حق تعالیٰ جو محمد میں پردہ پوش ہے۔ حقیقت میں محمد حق تعالیٰ ہے۔ اس نے (حق تعالیٰ) مخلوق میں آنا چ

فكان ظهوره به تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ المحمدی مِنَ اللّٰهِ ای ذاته الموصوفة قدتجمع صفاته الْعَزِيْزِ بستور جلاله حال كون الكتاب قرانا الْعَلِيْمِ الظاهر بعلمه فيكون فرقانا فقوله حم معناه فی الحقيقة لا اله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه ای الحق الباطن حقيقته الظاهر بمحمد هو تنزيل الكتاب الذی هو عين الجمع الجامع للكل المكنون بعزته فی سرادقات جلاله المتنزل فی مراتب غيوبه ومظاهر عليه فی الصورة المحمدية التی ظهر علمه بها فی مظهر العقل الفرقانی غَافِرِ الذَّنْبِ بظهور نوره وستره لظلمات النفوس والطبائع قَابِلِ التَّوْبِ يرجوع الحقيقة المجزرة من غواشی النشاة اليه شَدِيْدِ الْعِقَابِ للمحجوب

تو آپ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس کے ظہور کے ساتھ ہی اللہ کی طرف سے **تنزیل الکتاب** "یہ کتاب اتاری گئی" محمدی ہوئی اس نے اپنی **العزیز** کی صفات اپنے جلال کو مستور کر کے کتاب کو قرآن العظیم کے حال میں بنا کر جمع کر دیں۔ یعنی **العلیم** جس سے مراد علم کے ذریعے ظاہر ہونے والا اور فرقان (کسوٹی) بننے والا۔ حقیقت میں **حٰم** کا معنی ہے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** یعنی پوشیدہ حق تعالیٰ جس کی ظاہری حقیقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ محمد ہی تنزیل الکتاب ہیں اور وہ جامع الجامع ذات ہیں اس کی عزت کی وجہ سے تمام پوشیدہ چیزوں کے لیے۔ اس کے نازل ہونے والے جلال کے خیموں میں، اس کے غیب کے مراتب میں، اور اعلیٰ مظاہر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں، جس نے اپنا علم آپ کے ذریعے ظاہر کیا۔ عقل فرقانی کی شکل میں۔۔۔ **غافر الذنب** "گناہ کا بخشنے والا ہے" اس کے نور کو ظاہر کر کے اور طبیعتوں اور نفوس کے ظلمات کو چھپا کر **قابل التوب** "توبہ کا قبول کرنے والا ہے"

الواقف مع الغير بالشرک غير الراجع اليه بالتوحيد ذی الطّوْل ای الفضل بافاضة الكمال الزائد علی نورالا ستعداد الاول علی حسب قبوله (لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) اولا وآخراوظاہرا وباطنا معاقبا ومتفضلا اليه مصير الكل علی كل الا حوال من الراجع التائب والواقف المعاقب اما الی ذاته اوصفاته اوافعاله كيف كان لا يخرج عن احاطته شئی فيكون خارجا عن ذاته موجودا بوجود غير وجوده اولم يكف بربك اَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ (سورہ مومن / غافر ---- پارہ ۲۴)

حقیقت مجردہ کی طرف رجوع کرنے کی بجائے غواشی النشاط (پیدا ہونے والی بدباطنی) چھوڑ کر۔ شدید العقاب۔ ایسے محجوب کے لیے جو شرک کی وجہ سے غیر کے ساتھ ٹھہر جائے بجائے اس کے کہ توحید کے ذریعے اس کی طرف رجوع کرے۔ **ذی الطول** "قدرت والا ہے" یعنی فضل' جس میں زائد کمال کے ساتھ فیض پہنچایا جائے۔ استعداد اول کے نور کی بنا پر جتنی کہ اس میں قبولیت کی صلاحیت ہے۔ **لا الہ الا ھو** "اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں" وہی اول ہے' آخر ہے' ظاہر ہے اور باطن ہے۔ عذاب کرنے والا ہے' فضل و مہربانی کرنے والا ہے۔ **الیہ المصیر** "اسی کے پاس (سب کو) جانا ہے" (المومن۔ ۲'۳) سب چیزیں سب احوال میں خواہ رجوع کرنے کی حالت ہو' توبہ کرنے کی ہو' ٹھہرنے اور رکنے کی حالت ہو۔ یا سزا پانے کی' اس کی طرف مڑتی ہیں' اس کی ذات' صفات یا احوال کی طرف چاہے بھی ہوں۔ کوئی چیز اس کے احاطہ سے نکل نہیں سکتی۔ اور اس کی ذات سے ایسا وجود نکل سکتا ہے جو اس کے وجود کے علاوہ وجود رکھتا ہو۔ یا تیرے رب کے ساتھ نہیں رکھتا اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔"

چند اقتباسات تفسیر علامہ محی الدین بن عربی کی تفسیر سے جو عرائس البیان کے حاشیے پر درج ہے

ملاحظہ ہوں (عرائس البیان' ص ۱۹۰)

(اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ) من العلوم والمعارف والحكم والحقائق مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ج ای العقل الذی هو موضع قدم ابراہیم الروح یعنی محل اتصال نوره من القلب (وَمَنْ دَخَلَهٗ) من السالكين والمتحيرين فی بيداء الجهالات كَانَ اٰمِنًا من اغواء سعالی للتحيله وعفاريت احاديث النفس واختطاف شياطين الوهم وجن الخيالات واغتيال سباع القوی النفسانيه وصفاتها وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ هذا الْبَيْتِ والطواف به مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط من السالكين المستعدين الصادقين فی لارادة القادرين علی فادالتقوی وراحلة قوة العزم دون من عد اهم من الضعاف فی الاستعداد القاعدين فی الضعف والمرض وسائر الموانع الخلقية والعارض النفسانية والبدنية

"(اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں" علوم کی قسم کی یعنی ایسا نور جس کے ذریعے خدا کی راہ ملتی ہے۔ اور معارف (خدا کا بتایا ہوا راستہ) اور حکمتیں (معرفت حق اور اس پر عمل) اور حقائق (ذات احدیت جو تمام حقائق کی جامع ہے)۔ ابراہیم کا مقام عبادت ہے یعنی وہ عقل جو کہ روح ابراہیم کے قدم (خدا کا حکم جس سے بندہ کامل ہوتا ہے) کا موضع ہے یعنی وہ جگہ جہاں اس کا نور اس کے قلب سے ملا اور جو اس میں داخل ہوا یعنی سالکین اور متحیرین میں سے جو جہالتوں کے جنگل سے نکلے **کان امنا** یعنی مامون ہو گیا۔ حائل ہونے والی جن جادوگرنی (سعالے) کے بہکاوے سے' حدیث النفس کے دیوں سے' شیاطین وہم کے اچک لے جانے سے' خیالات کے جنوں سے' طاقت ور نفسانی بھیڑیے کے دھوکے میں ڈالنے سے اور اس کی صفات سے۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔ سالکین میں سے جو مستعد اور سچے ہوں اپنے ارادے میں۔ سفر اور تقویٰ کے سامان پر قادر ہوں' عزم کی قوت کے مالک ہوں اور استعداد کے ضعف کا شکار نہ ہوں جیسے کمزوری اور بیماری میں مبتلا لوگ ہوتے ہیں بلکہ تمام قسم کی اخلاقی رکاوٹوں' نفسانی عارضوں اور بدنی بیماریوں سے پاک ہوں" (آل عمران۔ ۹۷)

(وَمَنْ كَفَرَ) اى حجب استعداده مع القدرة واعرض عنه بهواء النفس (فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ) عنه (وَعَنِ الْعٰلَمِيْنَ)○ كلهم اى لايلتفت اليه لبعده ولونه غيرقابل لرحمته فى ذل الحجاب وهوان الحرمان مخذولا مردودا (اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ) فى بقايا وجودكم فان حق اتقائه هو ان يتقى كما يجب ويحق وهوا لفناء فيه اى اجعلوه وقاية لكم فى الحذرعن بقايا ذواتكم وصفاتكم فان فى الله خلفا عن كل مافات (وَلَا تَمُوْتُنَّ) الاعلى حال اسلام الوجوه له اى ليكن موتكم هو الفناء فى التوحيد (وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا) اى بعهده فى قوله (اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ) مجتمعين على التوحيد

"اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے" **ومن کفر** یعنی قدرت ہونے کے باوجود اپنی استعداد کو حجاب میں رکھا اور ہوائے نفسانی کی وجہ سے اس سے اعراض کیا' **فان اللہ غنی (عنہ) وعن العلمین** یعنی سب سے اس سے دور ہٹ جانے (بعد) کی وجہ سے اس کی طرف التفات نہیں کرتا۔ مخذول و مردود ہو کر' بد نصیبی کی ذلت اور حجاب کی رسوائی میں پڑ کر اور اس کی رحمت کے نا قابل ہونے کی وجہ سے۔ (اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) اپنے وجود کو بقا میں موجود پا کر کیونکہ اتقا کا حق یہ ہے کہ اس طرح آوے جیسے واجب ہے اور حق ہے اور وہ "فنا" ہے اس میں۔ یعنی اس کو وقایہ (حفاظت) بناؤ اپنے لیے اپنی ذاتوں اور اپنی صفات کے بچانے میں کیونکہ فی اللہ کا درجہ تمام "مافات" کے بعد آتا ہے۔ (تم کو موت نہ آئے) **ولا تموتن** مگر اسلام کی حالت پر جو اس کا سردار ہے یعنی تمہاری موت **فنا فی التوحید** (سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو) یعنی اس عہد کے مطابق جو اس قول (الست بربکم) میں موجود ہے توحید پر مجتمع ہو کر پکڑ لو۔"

(وَلَا تَفَرَّقُوْا) باختلاف الاهواء فان التفرق عن الحق انما يكون باختلاف الطبائع واتباع الهوى وتجاذب القوى والموحد عنها بمعزل اذتنور قلبه بنور الحق واستنارت نفسه من فيض القلب فتسالمت القوى وتصادقت (وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ) بالهداية الى التوحيد المفيد للمحبة فى القلوب (اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً) لا حتجابكم بالحجب النفسانية والغواشى الطبيعية بعداء عن النورو المقاصد الكلية التى تقبل الشركة وتزال بالاتفاق فى مهوى الظلمة (فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ)

"تفرقہ میں نہ پڑو" اختلاف اھواء کی بنا پر کیونکہ حق سے "تفرقہ" اختلاف طبائع' اتباع ھوای' قوتوں کے ایک دوسری کو کشش کرنے کی بنا پر اور ان سے ایک طرف ہٹ کر کنارے کی طرف ہو جانے سے ہوتا ہے۔ جب اس کا دل حق کے نور سے منور ہو جاتا ہے اور قلب کے فیض سے اس کا نفس روشن ہو جاتا ہے تو اس کی قوتیں (قویٰ) صحیح سلامت ہو جاتے ہیں اور تصدیق کر دیتے ہیں۔ (اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے) توحید کی طرف رہنمائی حاصل کر کے جو دلوں میں محبت کے لیے مفید ہے۔ (جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے) اپنے احتجاب کی بنا پر' نفسانی حجب' طبیعت کے غواشی' دل کے مقاصد اور نور سے دوری کی بنا پر جو شرکت کو قبول کرتا ہے اور ہمیشہ ظلمت کے ھوی کے ساتھ اتفاق کیے رکھتا ہے (پس تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی)"

اس کے بعد کا اقتباس سورہ نمل آیت سترہ سے ہے عرائس البیان' جلد دوم' ص ۱۲۶ سے ابن عربی کی تفسیر کے الفاظ نقل کیے ہوئے ہیں۔

(وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ)

"سلیمانؑ کے لیے ان کے لشکر جمع کیے"

من جن القوى الوهمية والخيالية
ودواعيها وانس الحواس الظاهرة
وطير القوى الروحانية
بتسخيره ريح الهوى وتسليطه
عليها بحكم العقل العملى
جالسا على كرسى الصدر
موضوعا على رفرف المزاج
المتعدل (فَهُمْ يُوزَعُونَ) ○
يجلس اولهم على اخرهم
ويوقفون على مقتضى الراى
العقلى لا يتقدم بعضهم بالافراط
ولا يتاخر البعض بالتفريط
حَتّٰى اِذَا اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ اى
نمل الحرص فى جمع المال
والاسباب فى السير على طريق
الحكمة العملية وقطع
الملكات الردية قَالَتْ نَمْلَةٌ
هى فلكة الشره ملكة دواعى
الحرص وكانت

خیالی اور وہمی قوتوں کے جنوں اور ان کے داعیات میں سے اور ظاہری حواس کے انسانوں میں سے' اور روحانی قوتوں والے پرندوں میں سے' ریح الھویٰ کو اس کے لیے مسخر کرکے اور ان پر اس کا تسلط قائم کرکے عقل العملے (ذھنیپی ہوئی عقل) کے حکم سے جو صدر کی کرسی پر براجمان ہے۔ جو مزاج معتدل کے زخرف پر بنی ہوئی ہے۔ سلیمانؑ نے اپنے لشکروں کو جمع کیا۔ "اور وہ پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے۔" پہلوں کو دوسروں سے الگ بند رکھا جاتا ہے اور دونوں عقل کی رائے کے مطابق رکے رہتے ہیں۔ کوئی افراط کے ذریعے آگے نہیں بڑھ سکتا اور کوئی تفریط اختیار کرکے تاخیر نہیں کرتا۔ (یہاں تک کہ جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے) یعنی حرص کی چیونٹی۔ یہ مال و اسباب جمع کرنے کی حرص و لالچ کا نام ہے جس کی حکمت عملیہ کی راہ چلنے میں ضرورت ہوتی ہے اور ردی اور بے کار ملکات کو کاٹ ڈالنے میں ضرورت ہوتی ہے (نملہ نے کہا) یہ اس کی شرراتوں کا خول ہے' حرص و لالچ کے

على ماقيل عرجاء
لكسر العاقله رجلها
ومنعها بمخالفة طبعها عن
مقتضاه من سرعة سيرها
يٰاَيُّهَا النَّمْلُ اى الدواعى
الحرصية الفائتة الحصر
(اُدْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ
لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ
وَجُنُوْدُهٗ) اى اختبوا فى مقاركم
و محالكم و مباديكم
لا يكسر لكم القلب والقواى
الروحانيه بالاماتت والافناء وهذا
هو السير الحكمى باكتساب
الملكات الفاضلة الاخلاق والا
لما بقيت النملة الكبر ولا بد
عين والا اثر فى الغناء بتجليات
الصفات

داعیات کی قوت ہے اور یہ وہ بات ہے جس کو **عرجاء** کہا جاتا ہے۔ یہ بولا جاتا ہے عاقلہ (اونٹنی) کے پاؤں کاٹنے پر اور اس کو اس کی طبیعت کے خلاف تیزی سے سفر طے کرنے پر۔ "اے چیونٹیو!" یعنی اے بخل کی خوشبو دینے والی داعیات "اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں" یعنی ٹھہرنے کی جگہوں میں اور اترنے کی جگہوں میں چھپ جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے قلب اور روحانی قویٰ کو توڑ دے **اماتتہ** (مار دینے) سے اور "فنا" کر دینے سے اور اس کو "سیر حکمی" کہتے ہیں' اعلیٰ قسم کے ملکات کے اکتساب کے لیے اور اخلاق کے اکتساب کے لیے۔ سوائے اس کے کہ نملۃ الکبریٰ (بڑی پیاس) باقی رہے اور عین (ذات) کی خواہش ہو۔ صفات کی تجلیات فنا پر کوئی اثر نہیں ہے۔"

ابن عربی کی تفسیر سے جو اقتباسات نقل یا عکسی نقل کیے گئے ہیں ان کے جائزہ سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ اپنی تفسیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری ہوئی بتاتے ہیں۔ آپ کا پختہ عقیدہ ہے کہ جس طرح قرآن میں باطل کا گزر نہیں اسی طرح صوفیاء کی تفسیر بھی باطل کے در آنے سے پاک ہے۔ دوسری بات یہ کہ آپ کی تفسیر نظری بلکہ خالصتاً "نظری" ہے۔ اس پر فلسفیانہ خیالات کا بہت اثر ہے۔ آپ بات کو پہلے سے طے شدہ مقدمات کے تحت لانے کے لیے چیستان بنا دیتے ہیں۔ تیسری بات یہ کہ بہت دقیق اور مشکل زبان استعمال کی گئی ہے۔ کلمات اور الفاظ غیر مانوس' مبہم اور **ماوراء الادراک** ہیں۔ اکثر کا سمجھ پانا ممکن ہی نہیں۔ جنوں' دیووں اور وادیوں کا عجیب ساذکر ہے۔ چوتھی بات یہ کہ آپ نظریہ وحدۃ الوجود کی خاطر دور از کار تاویلیں کرتے ہیں جیسے سورہ مومن میں آنحضورؐ

کو حق تعالیٰ ثابت کیا ہے۔ نتیجہ یہ بر آمد ہوتا ہے کہ آپ کا نظریہ اور تفسیر دونوں کو علماء نہیں مانتے۔

روح المعانی از آلوسی۔ م ۱۲۷۰ھ

آپ کی تفسیر سے چند اقتباسات نقل کیے گئے ہیں جن سے آپ کے انداز تفسیر کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نظری تفسیر کے پنجے سے تفسیر قرآن الکریم کو چھڑانے میں کس طرح کامیاب ہوئے ہیں۔ اس مقصد کے لیے پہلا نمونہ تفسیر فاتحۃ الکتاب سے لیا گیا ہے' یہ روح المعانی کے ۸۸ اور ۸۹ صفحات پر درج ہے۔

ان مقام السالكين ينتهي عند قوله إِيَّاكَ نَعْبُدُ وبعده يطلب التمكين وذلك ان الحمد مبادى حركة المريد فان نفس السالك اذا تزكت ومراة قلبه اذا انجلت فلاحت فيها انوار العناية الموجبة للولاية تجردت النفس الزكية للطلب فرات آثار نعم الله تعالى عليها سابغة والطافه غير متناهية فحمدت على ذلك واخذت فى الذكر فكشف لها الحجاب من وراء استار العزة عن معنى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ فشاهدت ماسوى الله سبحانه على شرف الفناء مفتقرا" الى المبقى محتاجا الى

"سالکین کا مقام **ایاک نعبد** پر تمام ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد **ایاک نستعین** سے تمکین کا طالب ہوتا ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ مرید کی ابتدائی حرکت "حمد" ہے کیونکہ جب سالک کا نفس مزکی اور اس کا قلب مجلی ہو جاتا ہے پھر اس میں انوار عنایت جو کہ مقام ولایت کا موجب ہیں درخشاں ہوتے ہیں تو یہ نفس مزکی طلب (مقصود) کے لیے خاص ہو جاتا ہے۔ پس اپنے اوپر انعامات الٰہیہ کو کامل اور اس کے الطاف کو غیر متناہی دیکھتا ہے۔ سو اس پر وہ "حمد" کرتا ہے اور ذکر کو اختیار کرتا ہے پس سراپردہائے عزت کے پیچھے سے اس کے لیے **رب العلمین** کے معنی کا حجاب مکشوف ہو جاتا ہے' اس وقت وہ ماسواء اللہ محل فنا میں اور اپنے کو تربیت میں بقادہندہ کا محتاج دیکھتا ہے پس وہ وحشت اعراض و ظلمت' سکون الاغیار سے خلاصی حاصل کرنے کی طلب

التربية فترقت لطلب الخلاص من وحشة الا دبار وظلمة السكون الى الاغيار فهبت لها من نفحات جناب القدس نسائم الطاف الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فعرجت للمعات بوارق الجلال من وراسجاف الجمال الى الملك الحقيقى فنادت بلسان الا ضطرار فى مقام (لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ) اسلمت نفسى اليك واقبلت بكليتى عليك وهناك خاضت لجه الوصول وانتهت الى مقام العين فحققت نسبة العبودية فقال إِيَّاكَ نَعْبُدُ وهنا انتهاء مقام السالك الا يرى الى سيد الخلق وحبيب الحق كيف عبر عن مقامه هذا بقوله :(سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا) فطلب التمكين بقوله:

لیے ترقی کرتا ہے۔

پس اس پروردگار قدس کی ہواؤں سے رحمٰن رحیم کے الطاف کے جھونکے چلتے ہیں' پھر وہ سراپردہائے جمال کے آگے سے برق ہائے جلال کی چمک کے واسطے سے مالک حقیقی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ پھر وہ مقام **لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار** "آج کے روز کس کی حکومت ہو گی' بس اللہ ہی کی ہو گی جو یکتا (اور) غالب ہے۔" (المومن۔۱۶) (مقام توحید) میں بلسان اضطرار پکارتا ہے کہ میں نے اپنا نفس آپ کے سپرد کر دیا۔ اور میں ہمہ تن آپ پر متوجہ ہو گیا' اور اس مقام پر پہنچ کر وہ لجہ وصول میں گھس گیا اور مقام عین تک گھس گیا۔ جس سے اس نے نسبت عبودیت کو محقق کر لیا اور کہنے لگا " **ایاک نعبد** اور یہاں مقام سالک کی انتہاء ہے (جیسا شروع میں کہا گیا)' کیا سید الخلق وحبیب حق کی طرف نظر نہیں کرتے ہو کہ آپ ؐ کے اس مقام کو کس طرح اس قول سے تعبیر کیا گیا۔ **"سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا"** "وہ پاک (ذات) ہے جو اپنے بندے کو شب کے وقت لے گیا" (بنی اسرائیل۔۱) اس کے بعد بندہ نے **ایاک نستعین** سے تمکین کی درخواست کی

(وَاِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ) واستعاذ عن التلوين بقوله (غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ) فصعد مستكملا ورجع مكملا وكانه لهذا سميت الصلاة معراج المومنين'

(جیسا شروع میں ذکر ہے) اور **اھدنا الصراط المستقیم**۔۔۔ الخ سے بھی اسی تمکین کا طالب ہوا اور اس قول سے کہ "**غیر المغضوب علیهم ولا الضالین**" تلوین سے پناہ مانگی۔ پس طالب کمال ہو کر اس نے صعود کیا اور کامل ہو کر رجوع و نزول کیا اور گویا اسی لطیفہ کے سبب نماز کو معراج مومنین کہا گیا۔"

اگلا اقتباس روح المعانی' جلد اول' ص ۱۰۳ سے ہے۔

وعندى فيما نحن فيه لطائف وسبحان من لاتتناہى اسرار كلامه فقد اشار سبحانه بمفتتح الفاتحة حيث اتى به واضحا الى اسمه الظاهر وبمبدا سورة البقرة الى اسمه الباطن فهوالاول والاخر والظاهر والباطن واشار بتقديم الاول الى ان الظاهر مقدم وبه عموم البعثة نحن نحكم بالظاهر والله تعالى يتولى السرائر' وايضا فى الاول اشارة الى مقام الجمع وفى الثانى رمز الى الفرق بعد الجمع وايضا افتتاح هذه السورة

"میرے نزدیک اس میں ہمارے لیے لطائف ہیں۔ وہ ذات پاک ہے جس کے کلام کے اسرار و رموز ختم ہونے میں نہیں آتے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ کا آغاز واضح اسم ظاہر (اللہ) سے کیا اور اس نے سورہ بقرہ کا آغاز اسم باطن (الم) سے کیا۔ اللہ کی ذات اول ہے' آخر ہے' ظاہر ہے اور باطن ہے۔ اس نے اول کی تقدیم کی طرف اشارہ کیا۔ اس طرح کہ "ظاہر" مقدم ہے اور اسی کے سبب سے عام پیدائش ہوئی ہے۔ ہم ظاہر کا حکم لگاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ باتوں کا والی ہے اور یہ بھی کہ "اول" میں مقام جمع کی طرف اور دوسری میں مقام جمع کے بعد مقام فرق کی طرف اشارہ ہے۔

بالمبهم ثم تعقيبه بالواضح فيه اتم مناسبة لقصة البقرة التى سميت لسورة بها (وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ) وايضا فى الحروف رمز الى ثلاثة اشياء فالالف الى الشريعة واللام الى الطريقة والميم الى الحقيقة فهناک يكون العبد كالدائرة نهايتها عين بدايتها وهو مقام الفناء فى الله تعالى بالكلية وايضا الالف من اقصى الحلق واللام من طرف اللسان وهو وسط المخارج والميم من الشفة وهو آخر ها فيشير بها الى ان اول ذكر العبد ووسطه وآخره لاينبغى الا الله عزوجل' وايضا فى ذالک اشارة الى سر التثليث فالالف مشير الى الله تعالى واللام الى جبريل والميم الى محمد صلى الله تعالى عليه وسلم وقد قال جعفر الصادق رضى الله

اور یہ بھی کہ اس سورۃ (بقرہ) کی ابتداء مبہم سے ہوتی ہے اور اس کے بعد واضح آتا ہے۔ اس میں گائے کے واقعے سے پوری مناسبت ہے۔ جس نام سے سورۃ کو موسوم کیا گیا ہے۔ **واذاقتلم نفسا فادراء تم فیها والله مخرج ماکنتم تکتمون**" اور جب تم لوگوں (میں سے کسی) نے ایک آدمی کا خون کردیا پھر ایک دوسرے پر اس کو ڈالنے لگے۔" (البقرہ۔ ۷۲) اور اس کے (الم) حروف میں اشارہ ہے تین اشیاء کی طرف۔ "الف" کا اشارہ شریعت کی طرف' "لام" کا طریقت اور "میم" کا حقیقت کی طرف ہے۔ اور یہاں عبد کی حقیقت اور حیثیت دائرے کی طرح ہوتی ہے۔ جس کی انتہاء اسی نقطے پر ہوتی ہے جو اس کا نقطہ آغاز تھا اسی کو مقام فنا کہا جاتا ہے یعنی پورے طور پر اللہ کی ذات میں فنا ہونا اور یہ بھی کہ "الف" حلق کے آخر سے نکلتا ہے۔ "لام" زبان کے کونے سے اور یہ مخارج کا وسط یعنی درمیانہ ہے اور "میم" ہونٹوں سے نکلتا ہے اور یہ آخری مخرج ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ابتداء بندے کے ذکر سے ہوگی اور پھر درمیان میں اور آخر میں پہنچ کر سوائے حق تعالیٰ کے کسی کا ذکر نہ چاہیے ہوگا اور یہ بھی کہ اس میں تین

تعالیٰ عنه :فی الالف ست صفات من صفات اللّٰه تعالیٰ الابتداء واللّٰه تعالیٰ هو الاول والا ستواء واللّٰه تعالیٰ هو العدل الذی لایجور والانفراد واللّٰه تعالیٰ هو الفرد وعدم الاتصال بحرف وهو سبحانه بائن عن خلقه وحاجة الحروف الیها مع عدم حاجتها و(اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ)ومعناها الا لغه وبالله تعالیٰ الا ئتلاف وبقیت اسرار وای اسرار یغار علیها العارف الغیور

باتوں کے راز کی طرف اشارہ ہے" "الف" اشارہ اللہ تعالیٰ کی طرف' "لام" سے مراد جبریل اور "میم" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ جعفر صادقؒ نے فرمایا' الف میں اللہ تعالیٰ کی چھ صفات پائی جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ اول اور استواء ہے دوسری یہ کہ وہ ایسا عدل ہے جو ظلم نہیں کرتا اور اکیلا اور یکتا ہے تیسری یہ کہ وہ تنہا اور فرد ہے اور کسی کنارے سے اس کا اتصال نہیں ہے یعنی اس کی ذات کا کوئی سرا اور کنارہ نہیں۔ چوتھی یہ کہ وہ مخلوق سے علیحدہ ہے اور "اسے ان سے کوئی حاجت نہیں۔ تم فقیر ہو اور اللہ تعالیٰ غنی ہے" یہ پانچویں صفت ہے اور چھٹی۔ "غنی" کا معنی اللہ کی محبت ہے اور باقی اسرار جو عارف کو حاصل ہو جائیں۔"

درج ذیل عبارت روح المعانی کے صفحات ۱۰۴ اور ۱۰۵ سے لی گئی ہے۔ اس میں سورہ بقرہ کی آیات ۲۰۴'۲۰۵ کی تفسیر ہے۔

(ومن باب الاشارة فی الایات)

(وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُکَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا)یدعی المحبة ویتکلم فی دقائق الاسرار ویظهر خصائص الاحوال وهو فی مقام النفس الا مارة

(ومن الناس من یعجبک قوله فی الحیٰوة الدنیا) "اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے کہ آپکو اسکی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہے مزہ دار معلوم ہوتی ہے۔" (البقرہ۔ ۲۰۴) محبت کا دعویٰ کرتا ہے' دقیق اسرار کے باتیں کرتا ہے۔ اور احوال کی خاصیتیں ظاہر کرتا ہے (اپنے آپ کو ولی اللہ کہتا ہے) حالانکہ وہ

(وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَافِیْ قَلْبِهٖ) من المعارف والا خلاص بزعمه (وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ) شدید الخصومة لاهل اللّٰه تعالیٰ فی نفس الامر (وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا) بالقاء الشبه علی ضعفاء المریدین (وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ) ویحصد بمنجل تمویهاته زرع الایمان النابت فی ریاض قلوب السالکین ویقطع نسل المرشدین (وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ)

امارہ کے مقام میں ہے۔ **(ویشهد اللّٰه علی مافی قلبه)** "اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر بتاتا ہے اپنے مافی الضمیر پر" اپنے خیال اور زعم کے مطابق معارف و اخلاص پر **(وهو الد الخصام)** "حالانکہ وہ (آپ کی) مخالفت میں (نہایت) شدید ہے۔" وہ درحقیقت اہل اللہ سے جھگڑا کرنے والا آدمی ہے۔ **(واذ تولی سعی فی الارض لیفسدفیها)** "اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے۔" شبہ کی بنا پر مریدین میں سے کمزوروں پر **(ویهلک الحرث)** "اور (کسی کے) کھیت تلف کردے" سالکین کے دلوں کے باغات میں اگنے والی ایمان کی کھیتی کو درانتی سے کاٹ دیتا ہے اور مرشدوں کی نسل کو بھی کاٹ دیتا ہے۔ **(واللّٰه لایحب الفساد)** "اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے"

فکیف یدعی هذا الکاذب محبة اللّٰه تعالیٰ ویرتکب مالا یحبه (وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ) حملته الحمیة النفسانیة حمیة الجاهلیة علی الاثم لجاجا وحبا لظهور نفسه وزعما منه انه اعلم باللّٰه سبحانه من

ایسا جھوٹا کس طرح اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعوائے کر سکتا ہے جب کہ وہ ایسے کاموں کا ارتکاب کرتا ہے جن کو وہ یعنی اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا **(واذاقیل له اتق اللّٰه)** "اور جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کا خوف کر" اس کو نفسانی حمیت یعنی جاہلی حمیت گناہ پر جما دیتی ہے۔ اصرار کے طور پر' اپنے نفس کا اظہار کرنے کی محبت کے ساتھ اور اس گمان کے ساتھ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے

ناصحه (فَحَسْبُهٗ جُهَنَّمُ) ای یکفیه حبسه فی سجین الطبیعة وظلما تها وهذه صفة اکثر ارباب الرسوم الذین حجبوا عن ادراک الحقائق مما معهم من العلوم

خیر خواہوں کو جانتا ہے (**فحسبه جهنم**) "سو ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے۔" اس کے لیے طبیعت کی قید اور اس کی تاریکیاں کفایت کرنے والی ہوں گی اور یہ اکثر ارباب الرسوم کی صفت ہے جو حقائق کے ادراک سے حجاب میں ہوتے ہیں۔ باوجود علم حاصل ہونے کے۔"

روح المعانی سے آخری نمونہ صفحات ۲۹۴ اور ۲۹۵ سے بسلسلہ سورہ بقرہ آیات ۸۳ اور ۸۴ پیش کیا گیا ہے۔

ان البقرة هی النفس الحیوانیة حین زال عنها شره الصباولم یلحقها ضعف الکبر وکانت معجبة رائقة النظر لاتثیر ارض الا ستعداد بالاعمال الصالحة ولا تسقی حرث المعارف والحکم التی فیها بالقوة بمیاه التوجه الی حضرة القدس والسیر الی ریاض الانس، وقد سلمت لترعی ازهار الشهوات ولم تقید بقیود لا داب والطاعات فلم یرسخ فیها مذهب واعتقاد، ولم یظهر علیها ما اودع فیها من انوار الاستعداد، وذبحها قمع هواها ومنعها عن افعالها

"بقرہ نفس حیوانیہ کو کہتے ہیں جب اس سے صبا (عاشقی) یعنی کھیل کود کے دور کی شر (خرابیاں) دور ہو جائیں۔ اس کو بڑھاپے یا غرور کی خامی یا کمزوری لاحق نہ ہو اور عام نظر سے وہ عجیب معلوم ہو، اعمال صالحہ سے استعداد کی زمین میں ہل نہ چلائے یعنی زمین نہ جوتے، حضرت قدوس کی طرف توجہ کے پانیوں اور محبت وانس کے باغ کی طرف سیر کے پانیوں سے جو اس میں بالقوۃ موجود ہیں معارف اور حکمت کی کھیتی کو سیراب نہ کرے۔ وہ شہوات کے پھولوں کی رکھوالی کے لیے سلامت رہا۔ آداب وطاعات کی قیود میں قید نہ رہا اور اس میں مذہب اور اعتقاد راسخ نہ

الخاصة بها بشفرة سکین الریاضة فمن ارادان یحیا قلبه حیاة طیبة ویتحلی بالمعارف الالهیة والعلوم الحقیقیة وینکشف له حال الملک و الملکوت و

ہوا اور استعداد کے انوار میں سے جو اس میں امانت رکھے گئے اس پر ظاہر نہ ہوئے۔ اس کی خواہشات کو توڑنے کے لیے اس کو ذبح کیا۔ اور اس کو اس کے خاص افعال سے سکین ریاضت کی دھار کی مدد سے روکا۔ جس نے چاہا کہ دل کو حیات

الملک والملکوت وتظهر له اسرار الاهوت والجبروت ویرتفع مابین عقله ووهمه من التدارؤ والنزاع الحاصل بسبب الالف للمحسوسات فلیذبحها ولیو صل اثره الی قلبه المیت فهناک یخرج المکتوم وتغیض بحارالعلوم وهذا الذبح هو الجهاد الاکبر والموت الاحمر وعقباه الحیاة الحقیقیة والسعادة الابدیة۔

طیبہ سے زندہ رکھے اور اس کو معارف الٰہیہ اور علوم حقیقت سے مجلی کرے اور اس پر حق تعالیٰ اور فرشتوں کے حالات ظاہر ہوں اور اس پر لاہوت وجبروت کے بھید کھلیں اور اس کے وہم اور عقل کے درمیان کے پردے اٹھیں پس اس کو ذبح کیا جائے اور اس کے مردہ دل پر اس کا اثر پہنچنا چاہیے پس اس طرح سے چھپا ہوا خارج یا ظاہر ہوتا ہے اور علوم کے سمندر سے فیض پاتا ہے اور یہ ذبح کرنا جہاد اکبر ہے، موت الاحمر ہے، حقیقت کی زندگی کا انجام اور ابدی سعادت ہے۔

ومن لم یمت فی حبه لم یعش به
ودون اجتناء النحل ماجنت النحل

جو اس کی محبت میں نہ مرے وہ اس کے ساتھ زندہ نہیں رہتا
شہد کی مکھی کا کام ہی یہی ہے کہ دن رات شہد چنتی رہے۔

علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر کو روایت اور درایت دونوں اعتبارات سے سلف وخلف کے اقوال کے مطابق بنائے رکھا ہے۔ آپ دیگر مفسرین کو ہدف تنقید بناتے ہیں اور ہر کسی کا محاکمہ کرتے ہیں۔ آپ نے اشاری تفسیر کسی کسی آیت کی کی ہے۔ آپ اس کے "اشارات" کا عنوان قائم کرتے ہیں۔ آپ کی اشاری تفسیر میں مشکل الفاظ اور تراکیب بہت ہیں مگر غور و فکر کے بعد بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ جن آیات کا اشاری مفہوم بیان کیا ہے ان کی بھی پہلے ظاہری اور بالماثور مکمل تفسیر لکھی ہے۔ آپ نے باطنی تفسیر کا رخ نظری سے اشاری بلکہ ظاہری کی طرف موڑا ہے۔ آپ کی کوشش اس لیے قابل داد ہے کہ آپ تفسیر کو صحابہ کرامؓ کے دور کی طرف واپس لانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ آپ صحابہؓ کرام کے حق میں پورے زور کے ساتھ تاویل کرتے ہیں۔ حقیقتاً آپ کی تفسیر صوفیانہ یا اشاری نہیں بلکہ ظاہری ہے۔

بیان القرآن کے مسائل السلوک از اشرف علی۔۔ م ۱۳۶۲ھ

اشرف علی تھانوی صاحب کے مسائل السلوک سے چند مقامات کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔ اس سے آپ کے اشاری تفسیر کے انداز کا پتہ چل سکے گا اور پہلی اشاری یا نظری تفاسیر میں اس کے مقام کا اندازہ ہوگا۔ پہلا اقتباس آپ کی تفسیر کے صفحہ نو سے پیش کیا گیا ہے یہ سورہ بقرہ کی آیات ۲۵ اور ۲۶ کی اشاری تفسیر ہے۔ تحریر فرماتے ہیں

"قولہ تعالیٰ **كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوا هٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا** "جب کبھی دئے جاویں گے وہ لوگ ان بہشتوں میں سے کسی پھل کی غزا تو ہر بار میں یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پیشتر اور ملے گا بھی ان کو دونوں بار کا پھل ملتا جلتا" ایک محل اس آیت میں یہ ہے کہ مرزوق سے مراد طاعات و معارف ہوں جن کو اصحاب فطرت اور عقل سلیمہ (رزق ظاہری سے زیادہ) لذیذ سمجھتے ہیں اور (جنت میں ان کی عوض میں) ان کو جو جزا ملے وہ ان طاعات و معارف کے ساتھ لذت میں مشابہ ہو (اس لیے وہ اس طرح کہیں) جیسا اس کی ضد کی جزاء بھی اس ضد کی مشابہ ہوگی جو اس آیت میں (مذکور) ہے۔ **ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ**۔ "جو کچھ کرتے رہے ہو (اب اس کا مزہ) چکھو" (العنکبوت۔ ۵۵) مراد یہ

کہ **ذوقوا جزاء ما کنتم تعملون**۔ پس جزاء مرزوق کو بطور مجاز مرسل کے مرزوق کہہ دیا۔ بطور اطلاق۔۔۔۔۔۔ اسم مسبب کے سبب پر یا اس کو استعارہ کہا جاوے' اس طرح سے کہ ثمار و نواکہ کو طاعات و معارف کے ساتھ لذات میں تشبیہ دی جاوے اور بعض نے کہا ہے ارض جنت صاف میدان ہے۔ اس میں اعمال دنیا (باشکال خاصہ) ظاہر ہوں گے جیسا بعض روایات میں ہے۔ پس ثمرہ نعیم وہی ہے جس کو دنیا میں بویا تھا اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالفعل جنت خالی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ عامل کے حق میں گویا خالی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ فلاں شخص سے فلاں عمل صادر ہوں گے اس لیے جنت کو ان اعمال کی صور مثالیہ اشجار و ثمار وغیرہا سے فی الحال بھی آباد کر رکھا ہے۔ قولہ حق تعالیٰ **إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي** الخ "ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے" اس میں اصل ہے عادت صوفیہ کی کہ مثالیں لانے میں حیاء عرفی کی پرواہ نہیں کرتے۔

بیان القرآن ص ۶۶ کی عبارت ہے

"قولہ تعالیٰ **لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ**۔ "تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو" (النور۔ ۲۱) سبب نزول کے لحاظ کرنے کے بعد اس میں اصل ہے صوفیہ کے تشدد کرنے کی اعمال سے زیادہ مناشی اعمال میں۔ قولہ تعالیٰ **هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ** "یہ (کج راہ) لوگ اس امر کے منتظر (معلوم ہوتے) ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس (سزا دینے کے لیے) آویں" (البقرہ۔ ۲۱۰)۔ اس آیت کی توجیہ میں جو تاویلات مذکور و مشہور ہیں ظاہر ہے کہ اگر کوئی اس کا قائل ہو جاوے کہ حق تعالیٰ جس طرح چاہے ظہور فرما سکتا ہے اور وہ عین حالت ظہور میں بھی اپنے اطلاق پر باقی ہے۔ یہاں تک کہ قید اطلاق سے بھی مطلق و منزہ ہے جیسے کہ سلف امت کا مذہب تھا اور جیسا کہ حضرات صوفیہ کا مسلک ہے تو وہ شخص ان تاویلات و تکلفات کا محتاج نہ ہوگا۔ پس آیت دلیل ہے مسئلہ مظہر تیت کے صحیح ہونے پر۔ (البقرہ۔ ۱۶۸۔ ۲۱۰)

سورہ بقرہ آیت۔ ۲۶۰ کی اشاری تفسیر بیان القرآن کے ص ۸۹ پر اس طرح درج ہے۔

"قولہ تعالیٰ **بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي** "کیوں نہیں ' لیکن اس غرض سے کہ یہ

درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو سکون ہو جاوے" (البقرہ۔ ۲۶۰)

اس میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ عدم سکون کو ایمان وعرفان سے منافاۃ نہیں اور یہ طمانیت' مقام نبوت کے مناسب تھی اور یہ اس طمانیت سے فوق ہے جو کہ مقام صدیقیت اور ولایت کے مناسب ہے جو ان سے مفقود نہ تھی اور نہ پہلی طمانیت صدیقین کو کبھی میسر ہے۔ پس جس بزرگ کا قول ہے **لو کشف لی الخطاء ماازدوت یقینا ای طمانیته** ۔۔ اس قائل کا حضرت خلیلؑ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ یہ وہ طمانیت ہے جو مقام صدیقیت کے مناسب ہے اور حضرت خلیلؑ نہ اس کے فاقد تھے اور نہ اس کے طالب۔

سورۃ النساء کی آیات ۱۰۶ اور ۱۱۳ کے دو حصوں کی تشریح بیان القرآن کے مسائل السلوک کے صفحہ ۹۹ سے پیش کی جاتی ہے۔

"قولہ تعالیٰ **واستغفر اللہ**" آپ استغفار فرمایئے!" مع قولہ تعالیٰ **ولولا فضل اللہ علیک ورحمتہ لھمت طائفۃ منھم ان یضلوک** "اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہو تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو غلطی میں ڈال دینے کا ارادہ کر تھا۔" باوجود اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی امر موجب استغفار کا صدور نہیں ہ جیسا جملہ ثانیہ اس پر دال ہے پھر استغفار کا حکم ہونا جیسا جملہ اولیٰ اس پر دال ہے۔ اصل ہے اس قول کی **حسنات الا برار سیئات المقربین**' اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خو کیساہی کمال حاصل ہو جاوے مگر تکالیف شرعیہ کسی حال میں ساقط نہیں ہوتیں و قولہ تعالیٰ **ولو فضل اللہ علیک ورحمتہ لھمت طائفۃ منھم ان یضلوک** اس پر دال ہے کہ کسی کو اپنے علم یا عمل پر اعتماد جائز نہیں۔

سورہ نساء۔ ۱۲۳ کی اشاری تفسیر بیان القرآن کے ص ۲۰۳ پر اس طرح ہے۔

"قولہ تعالیٰ **لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب**" نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے۔" (النساء۔ ۱۲۳)

یہ اپنے عمومی مضمون سے اس پر دال ہے کہ بعضے لوگ جو دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ چونکہ ہم اصحاب

حال یا منسوب الی اہل الکمال ہیں ہم پر اعمال بد سے مواخذہ نہ ہوگا' یہ دعوے باطل محض ہے کیونکہ ایسے دعاوی اکاذیب مردودہ عند الشریعت ہیں۔۔

مسائل السلوک کے صفحہ ۲۸۰ کی عبارت ہے۔

"**فلما راینہ اکبرنہ وقطعن ایدیھن**" "سو عورتوں نے جوان کو دیکھا تو (ان کے جمال سے) حیران رہ گئیں اور (ان پر ایسی بدحواسی طاری ہوئی کہ) اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔" روح میں ابن عطاء سے منقول ہے کہ یہ تو مشاہدہ مخلوق کے غلبہ کا اثر ہے۔ سو مشاہدہ حق کا کیسا کچھ اثر ہو سکتا ہے۔ تو اگر ایسے شخص سے کوئی امر خلاف ظاہر صادر ہو جائے۔ اس پر اعتراض اور انکار نہ کرے۔ (یوسف۔ ۳۱)

بیان القرآن کے مسائل السلوک پر مکمل جائزہ آئندہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔ اس لیے اس مقام پر اس کے چند مختصر اقتباسات بھی مقصد کو پورا کردیں گے۔ آپ کی اشاری تفسیر سے یہ باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

اولاً یہ کہ آپ کے خیالات صاحب روح المعانی' علامہ آلوسی سے بہت حد تک ملتے ہیں۔ ثانیاً" آپ نے نظری تفسیر کے نقائص سے صوفیانہ تفسیر کو پاک کردیا ہے۔ اور خوبصورت اشارات سے اپنی تفسیر کو مزین کیا ہے۔ ثالثاً" آپ نے تصوف' صوفی' شیخ اور مسالک کے بارے میں پائے جانے والے غلو کو دیس نکالا دے دیا ہے۔ اور ہر ایک کو اس کا جائز مقام بتادیا ہے۔ تفصیلات آنے والے ابواب میں موجود ہیں۔

مصطلحات تصوّف - مسائل السلوک

(بیان القرآن از تھانویؒ)

علم کی کسی شاخ کا تعلق نقلی علوم سے ہو یا عقلی علوم سے۔ سائنس کی کسی شاخ سے ہو یا عمرانیات سے۔ سب کی اپنی اپنی اصطلاحی زبان ہوتی ہے۔ جب تک ان اصطلاحات کی تفہیم کا اہتمام نہ کیا جائے وہ علم سمجھ پانا ناممکن ہوتا ہے۔ تصوف ایک باطنی علم کا نام ہے اس کی اپنی اصطلاحات ہیں جن کے معانی اور مطالب ان اصطلاحات کے ظاہری معنوں سے بالکل مختلف ہیں۔ اکثر اصطلاحات تو ایسی کیفیات کے نام ہیں جنہیں کامل استاد کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا' بلکہ ان کا عملاً مشاہدہ کرنا سمجھنے کے لیے لازمی ہوتا ہے۔

ضروری ہے کہ بیان القرآن کے "مسائل السلوک" پر کچھ سپرد قلم کرنے سے پہلے ان اصطلاحات کی مختصراً تشریح کر دی جائے جو باطنی اور اشاری تفسیر میں استعمال کی گئی ہیں اس کے بعد ہی مفسر کا نقطہ نظر سمجھ میں آسکے گا۔ ذیل میں صرف وہ چند اصطلاحات بمعہ تشریح درج کی گئی ہیں جنہیں "مسائل السلوک" میں استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ اس باطنی علم کی اصطلاحات کا دامن بھی دوسرے علوم کی طرح بہت وسیع ہے اور ان پر کافی تعداد میں کتب تحریر کی جا چکی ہیں۔ اصطلاحات کو الف بائی ترتیب سے تحریر کیا گیا ہے۔

اتحاد:[1] عبارت ہے واحد مطلق کے وجود کے موجود ہونے سے اس واسطے کہ تمام اشیاء اس ذات کے ہمراہ (ذات سے متحد ہو کر) موجود ہیں اور اس ذات سے علیحدہ ان کا کوئی وجود

نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم اس کے ساتھ قائم ہیں اور وہ آپ سے آپ قائم ہے۔

اتحاد کی کیفیت ہے'

ماغرقہ دریائے محیطیم چوماہی
مارا تو بدست آور و میجو خبرہا

اس کا مطلب یہ بھی لیا گیا ہے کہ وحدہ' لاشریک ذات میں اس طرح نابود ہو جانا کہ اپنے آپ کی خبر نہ رہے اور اپنی ذات سے بے نیاز ہو جائے[2]۔

از برای اوہمی کر دم کنار از ماومن
باز دیدم آخرالامرش کہ اوما ومنست[3]

اثمار:[4] ثمر کی جمع ہے۔ ہر چیز کے ثمرے مراد وہ چیز ہے جو اس کے ساتھ لازم ہو اثمار کی اصطلاح اہل عرفان کی زبان یا کلمات جنہیں امہات اسماء بھی کہا جاتا' میں اسمائے اصلی کے اجتماع کے مقام کے لیے استعمال ہوتی ہے اور اسمائے اصلی کے اجتماع سے دوسرے معنی اور اسماء ظاہر ہوتے ہیں۔ جو ان اجتماعات کا ثمر ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کلیات اثمار پانچ ہیں۔ ان کے اجتماعات کو "نکاحات" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

1۔ اسمائے الٰہیہ کا اجتماع' اس کا ثمرہ علم میں متعینہ حقائق کی شکلیں ہوتی ہیں۔

2۔ اجتماع معانی' جس کا ثمرہ نفس میں ارواح متعینہ کی شکلیں ہیں۔

3۔ ارواح کا اجتماع' ان کا ثمرہ عناصر سے بنے ہوئے عالم مثال و اجسام کی صورت کا ہوتا ہے جیسے عرش و کرسی۔

4۔ اجتماع اجسام بسیط' جن کا ثمرہ موجودات ہیں

5۔ جو کچھ انسان سے مخصوص ہے کہ اجناس اور فضول و حقائق انسانیت کے اجتماع سے وجود میں آتی ہے۔ حضرات اسماء الٰہیہ سے یہی نتائج مراد ہیں[5]۔

(1) ۔تھانوی' اشرف علی' بیان القرآن کے مسائل السلوک' جلد 1' ص 216

(2)۔ولی' نور الدین شاہ نعمت اللہ' دیوان نعمت اللہ شاہ' چاپ دوم' ص 43' چاپ خانہ فردوسی تہران' 1352

(3) شمس مغربی' شیخ محمد معروف' دیوان شمس مغربی ص ۔ 4 'تہران چاپ سنگی' 1287ھ

ادب: ادب کسی شخص میں اس ملکہ کا نام ہے جو اسے برے کاموں سے باز رکھتا ہے "ادبہ" یعنی اس کو مہذب اور پاک کرتا ہے اور اس کے اخلاق کو سنوارتا ہے اور اس سے مراد کسی شخص کو برائی کرنے پر سزا دینا بھی ہے۔

شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ ادب سے مراد ظاہر و باطن کو سنوارنا ہے (7)۔

کشف المحجوب میں ہے کہ ادب تین طرح کے ہیں۔ ایک یہ کہ حق تعالیٰ کے ساتھ توحید کے معاملے میں ادب کا لحاظ رکھے اور وہ اس طرح کہ خلوت و جلوت میں اپنے آپ کو بے ادبی سے بچائے رکھے اور خلوت میں بھی اسی طرح رہے جیسے جلوت میں نظر آتا ہے۔

دوسرا ادب معاملات میں ہے۔ اور وہ یوں ہے کہ تمام احوال میں اپنے نفس کے ساتھ مروت کی رعایت رکھے حتیٰ کہ جو چیز لوگوں کی صحبت اور حق تعالیٰ کے سامنے بے ادبی ہے اسے اپنی صحبت میں بھی استعمال نہ کرے۔

تیسرا سفر و حضر میں لوگوں کی صحبت میں ادب یعنی مخلوق کے ساتھ محبت میں ادب کا لحاظ رکھنا ہے اور سنت کا اتباع پیش نظر رکھنا۔

یہ تینوں قسمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کی جا سکتیں (8)۔

رسالہ قشیریہ میں ہے کہ ادب درحقیقت نیک خصلتوں کے اجتماع کا نام ہے اور ادیب وہ شخص ہے جس میں مذکورہ خصلتیں جمع ہوں (9)۔

بسط: بسط عبارت ہے حالت کف و مشاہدہ میں دل کی کشادگی سے اور یہ صورت حق تعالیٰ کی طرف سے بندے کے عمل و خل کے بغیر ہوتی ہے اور بسط اہل معرفت کے احوال میں بالکل اسی طرح ہے جس طرح مریدوں کے احوال میں امید ہوتی ہے (11)۔

بسط عبارت از ارسال شواہد عبد ست در مدارج علم (12)۔

---

(4)۔ مسائل السلوک ص 205۔

(5)۔ قونوی، محمد بن اسحاق "مصباح الانس"، ص 29، تہران 1323ھ

(6)۔ مسائل السلوک، ص 33

(7)۔ مست الانصاری، ابو اسمٰعیل عبداللہ بن ابو منصور، شرح منازل السائرین، شارح الفرکادی القادری ص 70، قاہرہ مصر 1953ء

(8)۔ ہجویری، علی بن عثمان (المعروف بہ داتا گنج بخش) کشف المحجوب (کل صفحات 481) ص نوائے وقت پرنٹرز لاہور 1304ھ

بقاء: بقاء اور فناء صوفیا کی دو متضاد اصطلاحات ہیں۔ فنا سے مراد مذموم اوصاف کا ساقط ہونا ہے۔ اور بقاء سے اوصاف محمودہ کا بندہ کے ساتھ قائم ہونا ہے۔ انسان میں ان دونوں قسموں میں سے ایک نہ ایک صفت ضرور باقی رہتی ہے۔ مذموم خصلتیں بقاء اختیار کرلیں تو محمود خصلتیں فنا ہو جاتی ہیں اور بالعکس (14)۔

نفحات میں ہے کہ جب بندہ سیر الی اللہ کی منزل مکمل کرلیتا ہے تو اس کی "سیر فی اللہ" کی منزل کی ابتداء ہو جاتی ہے اس مقام کو بقاء کہتے ہیں۔ جب بندہ صدق و سچائی کے ساتھ اپنی ذات اور مخلوق سے فنا ہو جاتا ہے اور اوصاف الٰہی سے اتصاف کرلیتا ہے اور اس میں اخلاق ربانی ترقی کرتے ہیں اور حق کے ساتھ باقی رہتا ہے (15)۔

بلاء: بلا سے مراد مختلف آزمائشوں سے دوستوں کا امتحان لینا ہے۔ بلاء بندے میں قوت پیدا کرتی ہے اور قربت کو بڑھاتی ہے۔ بلاء اولیاء اللہ کا لباس ہے اور انبیاء کی غذا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اشد البلاء بالا نبیاء ثم الا ولیاء ثم الامثل فالا مثل نحن معاشر الا نبیاء اشد الناس بلاء** (16)۔

تجرید: جب بندہ بشری کدورتوں سے پاک ہو اور الوہیت کے شواہد اس کے دل پر واضح طور پر وارد ہوں تو یہ تجرید ہے۔

شرح تعرف میں ہے کہ تجرید سے مراد ننگا ہونا ہے۔ اور اس کا ایک مطلب ہے اغراض دنیا سے خالی ہونا، اور اس کا مطلب ہے کہ اس کے پاس دنیا کی کوئی چیز نہیں دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کا باطن ننگا ہے یعنی وہ ترک دنیا کے بدلے خداوند سے کچھ نہیں مانگتا اور دنیوی اشیاء میں سے کسی کو قبول نہیں کرتا اور ان تمام اشیاء کے ترک کے بدلے میں

( )۔ قشیری، ابوالقاسم عبدالکریم، رسالہ قشیریہ ص 109، مصر 1346ھ۔

( )۔ مسائل السلوک، ص 81

( )۔ ہجویری ابوالحسن علی بن عثمان "کشف المحجوب (ترجمہ عبدالروف فاروقی)" ص 551، فضل الٰہی مارکیٹ لاہور (س ۔ ن)

( )۔ سہروردی، شہاب الدین عمر بن محمد، مصباح الہدایہ و مفتاح الکفایہ، طبع دوم، ص 424،

کوئی معاوضہ یا بدلہ نہیں چاہتا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں بلکہ دنیا کو اس طرح ترک کر
ہے کہ اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں سمجھتا اور اپنے آپ کو کسی کام میں مشغول نہیں کر
کہ کہیں عبادت حق فوت نہ ہوجائے (19)

تحلی اور تخلی: اقوال اور اظہار اعمال کے ذریعے صادقین کا لباس پہننا اور ان
سے مشابہت پیدا کرنا۔ تحلی یا تحلیہ کہلاتا ہے۔

تخلی یا تخلیہ سے مراد ظاہر و باطن میں ان عوارض سے اعراض کرنا جو انسان کو اللہ
سے ہٹا کر اپنے ساتھ مشغول کر رکھیں اور خلوت کا طریقہ گوشہ نشینی اور تنہائی اختیار کر (21)

تفرید: تفرید فرد سے نکلا ہے۔ فرد بے نظیر آدمی کو کہتے ہیں جو اپنی مشکلات کی وجہ سے
بے مثال بن جاتا ہے اور اپنے جیسے اور ہم عصر لوگوں سے کٹ جاتا ہے۔ اور کسی انسان
سے مانوس نہیں ہوتا اور اس کے احوال منفرد ہوتے ہیں یعنی اس پر انبیاء اور صدیقوں کے
احوال ظاہر ہوجاتے ہیں اور وہ خلق سے لاتعلق ہو جاتا ہے۔ اور حق کی طرف اپنے دل
راغب کرلیتا ہے۔

تفرید کا رتبہ تجرید کے بعد آتا ہے اور تجرید سے مراد اغیار (غیر اللہ) سے کٹ جانا
اور تفرید حق کو یکتا جاننا ہے

تہران 1325ھ۔ اور ایضاً" (سارح عزالدین محمود' ہند' 1291ھ)
(13)۔ مسائل السلوک ۔ ص 56
(14)۔ قشیری' ابو القاسم عبدالکریم' رسالہ قشیریہ (ترجمہ محمد حسن) طبع دوم' ص
ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد 1988ء
(15)۔ جامی' عبدالرحمان بن احمد' بامقدمہ مہدی توحیدی پور' نفحات الانس من حضرات
القدس' ص 5' محمودی تہران 1337ھ
(16)۔ مسائل السلوک' ص 19
(17)۔ کشف المحجوب' ص 503' چاپ لینن گراڈ روسیہ 1304 (عکسی کاپی بین الاقوامی اسلامی
یونیورسٹی لائبریری اسلام آباد)
(18)۔ مسائل السلوک' ص 87' 589
(19)۔ الکلا بازی' ابو اسحاق محمد بن ابراہیم' شرح تعرف' ج 4' ص 17 نول کشور' لکھنؤ ہند
اور مستملی' ابو ابراہیم اسماعیل بن محمد' شرح تعرف فی المذہب التصوف' ج 4' ص 1421
طبع الاول' صنوبر (تہران 1366ھ
(20)۔ مسائل السلوک' ص 124

تقویٰ: فیض کہتا ہے کہ خدا کی خوبیوں کو اپنی ذات کی حفاظت (نگرانی) کرنے والا بنا لینا
اور اس کی درگاہ میں یا اس کے حضور میں فضائل و کمالات میں اضافہ کرنا اور ایسا شخص
بن جانا جیسے اللہ کا فرمان ہے (25)

شرح تصرف میں ہے کہ اصلی تقویٰ کے دو معنی ہیں ایک ڈرنا اور دوسرا پرہیز کرنا اور
خداوند قدوس سے بندہ کے تقویٰ کے بھی دو معنی ہیں' یا عذاب کا ڈر یا فراق اور جدائی کا
خوف

تلوین: تلوین "ارباب احوال" کی صفت ہے جب تک صوفی راستہ میں رہتا ہے
صاحب تلوین کہلاتا ہے اس کے لیے وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بلند ہو جاتا
ہے اور ایک وصف سے دوسرے وصف کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے اور اپنے کوچ کرنے کی
جگہ سے نکل کر اپنے مقام پر آتا ہے یعنی صاحب تلوین ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے

ابن العربی کہتے ہیں اکثر صوفیاء کے نزدیک تلوین ایک ناقص مقام ہے لیکن میرے
نزدیک وہ ایک کامل ترین مقام ہے کیونکہ بندے کے حال تلوین کے بارے میں اللہ فرماتا
ہے۔ "**کل یوم ھو فی شان**" وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے۔" (الرحمٰن۔
29)

تمکین: ریاض العارفین میں ہے کہ تمکین اہل حقائق کی صفت ہے (31)
کشف میں ہے کہ تمکین' بشریت کے زوال کا نام ہے جسے فناء وفقر کا مرتبہ کہتے ہیں (32)

---

(21)۔ سراج طوسی' ابو نصر عبداللہ بن علی' کتاب اللمع فی التصوف' ص 262' لنڈن 1916ء
(22)۔ مسائل السلوک' ص 87' 589
(23)۔ شرح تعرف' ج 3' ص 21 اور عریانی' بابا طاہر شرح کلمات بابا طاہر (شارح جنابذی)' ص
223' تہران 1333ھ
(24)۔ مسائل السلوک' ص 57' 63
(25)۔ فیض' ملا محسن' کلمات مکنونہ' ص 97 تہران 1316ھ
(26)۔ شرح تعرف' ج 3' ص 131

امام قشیری کہتے ہیں کہ تمکین اہل حقائق کی صفت ہے صاحب تمکین کا اپنے مقام تک پہنچنے کے بعد اتصال ہوجاتا ہے اور اس کے اتصال کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے ہمہ تن غافل رہتا ہے۔[33]

توبہ: [34] عربی زبان میں "توبہ" کے حقیقی معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ اس طرح توبہ کے معنی ہوتے ہیں کہ شریعت میں جو کچھ مذموم ہے اس سے لوٹ کر قابل تعریف شے کی طرف جائے۔[35]

ہجویری کہتے ہیں کہ راہ حق کے سالکوں کا پہلا مقام توبہ ہے۔ توبہ کے تین مقام ہیں۔ (1) توبہ (2) انابت (3) اوابت۔ توبہ سزا کے خوف سے ہو گی۔ انابت ثواب کی جستجو جبکہ اوابت حق تعالیٰ کے فرمان کی رعایت کرنے پر حاصل ہو گی۔ یعنی توبہ عام مومنوں کا مقام ہے اور وہ گناہ کبیرہ پر ہوتی ہے۔ انابت اولیاء اللہ اور مقربین کا مقام ہے۔ اور صغیرہ گناہوں سے رجوع پر ہو گی اور اوابت انبیاء مرسلین کا مقام ہے۔ اپنے آپ سے رجوع کرکے حق تعالیٰ کی طرف توجہ کا نام ہے۔[36]

توحید: [37] یہ حکم لگانا کہ اللہ ایک ہے توحید ہے۔ حق تعالیٰ سبحانہ کے واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس کی تعریف میں وضع و رفع نہ پایا جائے یعنی وہ اشیاء کو مرکب کرکے نہ بنا ہو۔ چنانچہ جب ہم انسان کو واحد کہتے ہیں تو اس میں وضع رفع دونوں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ انسان جو ہاتھ اور پاؤں کے بغیر ہے۔ لہٰذا یہاں انسان سے کسی چیز کا رفع (نفی) پایا گیا۔ لیکن جل سبحانہ تو یکتا ہے۔ برخلاف اس نام کے جو کسی ایسی چیز کے لئے وضع کیا گیا ہو جو چند اشیاء سے مرکب ہو۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا مطلب یہ

(27)۔ مسائل السلوک ' ص 2' 663

(28)۔ رسالہ قشیریہ (ترجمہ اردو محمد حسن) ' ص 229

(29)۔ جرجانی ' میر سید شریف (علی بن محمد) تعریفات (از اصطلاحات صوفیہ و اردو در فتوحات از ابن عربی) بحوالہ تاریخ تصوف در اسلام از ڈاکٹر قاسم غنی ' طبع دوم ' ص 641 ' تہران 1340ھ

(30)۔ مسائل السلوک ' ص 2 ' 663

(31)۔ ہدایت ' رضا قلی خان ' تذکرہ المحققین (ریاض العارفین) ' طبع دوم ' ص 38 ' تہران 16

کہ نہ تو اس کی ذات کی تقسیم ہو سکتی ہے نہ اس کی ذات کی مثال ہے۔ نہ صفات کی اور نہ ہی اس کے افعال اور مصنوعات میں اس کا کوئی شریک ہے۔[38]

توریہ: [39] توریہ ستر یعنی پوشیدہ اور مخفی ہونا ہے۔ اہل اللہ کو چاہیے کہ اپنے حال کی حقیقتیں اہل ظاہر اور مبتدی لوگوں سے پوشیدہ رکھیں تاکہ لوگ ان سے انکار نہ کریں۔[40]

توکل: [41] اصطلاح میں توکل نام ہے پروردگار پر کامل اعتماد کا اور یہ مقام معرفت کے کمالات میں سے ہے ایسے کہ انسان خدا کے ہر اندازے کو بہتر پہچانے اور اس کی قدرت' رحمت اور حکمت سے آگاہ ہو اور انسان کی اس ذات بے ہمتا کے ساتھ وابستگی زیادہ ہوجائے۔

توکل وہ اعلیٰ مقام ہے کہ عرفاء اور موحدوں میں سے خواص کے سوا کسی کی سمجھ میں نہیں آتا توکل کی پہچان ہے حق تعالیٰ پر اعتماد اور غیر اللہ سے دوری[42]

جذبہ: [43] بندے کا اللہ کی مہربانی سے بغیر کسی رنج و تکلیف کے حق تعالیٰ کی طرف منازل طے کرنا اور تمام اسباب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہیا کیا جانا جذب کہلاتا ہے۔

نیز جذب سے مراد بندے کو حق تعالیٰ کے نزدیک کرنا ہے اور اس راہ میں جتنے اسباب کی ضرورت ہو سب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہیا کیا جانا ہے۔ جذب کا طریقہ انبیاء اور اولیاء کا طریقہ ہے۔[44]

جلوہ:(تجلی) [45] جلوہ انوار الٰہی کو کہتے ہیں جو سالک اور عارف کے دل پر روشن ہوتا ہے اور اس کو والہ و شیدا بنا دیتا ہے اور سارا عالم اور انسان حق تعالیٰ کے انوار نظر آتے ہیں[46]

(32)۔ التہانوی ' محمد اعلیٰ بن علی ' کشاف اصطلاحات الفنون و العلوم ' ج 2' ص 1315 ' کلکتہ ' ہند862ء

(33)۔ رسالہ قشیریہ (عربی) ' ص 41

(34)۔ مسائل السلوک ' ص 14

(35)۔ ----ایضاً" ----(اردو ترجمہ) ص 242

(36)۔ کشف المحجوب (اردو ترجمہ) ص 435

جمع:[47] صوفیاء کے کلام میں جمع اور فرق کا لفظ اکثر آتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس چیز کی نسبت تمہاری طرف ہے وہ "فرق" ہے اور جو چیز تم سے چھین لی جائے وہ جمع ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ بات جس کا تعلق انسان کے کسب و کوشش سے ہے۔ وہ "فرق" ہے مثلاً بندگی اور ان اعمال کو قائم رکھنا جو بشریت کے حالات کے مناسب ہیں اور جو امور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں مثلاً معانی کا اظہار اور دیگر لطف و احسان وہ جمع کہلاتے ہیں[48]

بندہ اپنے مجاہدے اور محنت سے جو چیزیں حاصل کرتا ہے۔ وہ سب تفرقہ ہیں اور جو چیزیں بندہ کو محض حق تعالیٰ کی عنایت اور ہدایت سے حاصل ہوتی ہیں وہ سب جمع ہیں[49]

چلہ:[50] یہ اصطلاح صوفیاء کی اصطلاحات میں نہیں ملی۔ مسائل السلوک میں اس کا ذکر ہے اور اس کا ثبوت رزین کی اس حدیث میں ملتا ہے۔" **عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخلص اللہ اربعین صباحا ظهرت نيا بيع الحكمه من قلبه على لسانه**" یعنی "حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص چالیس روز تک اللہ کے لیے خلوص (کے ساتھ عبادت) اختیار کرے علم کے چشمے اس کے قلب سے (جوش زن ہو کر) اس کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ "چلہ" سے مراد کچھ مقررہ دنوں تک کسی مخصوص جگہ میں اللہ تعالیٰ کی خلوص کے ساتھ عبادت کرنے کا نام ہے جس میں پوری توجہ اور دھیان صرف اللہ کی طرف ہو[51]

حال:[52] وہ چیز جو بغیر کوشش وکاوش کے دل پر وارد ہو جائے حال کہلاتی ہے[53] صاحب لمع کہتے ہیں احوال کے معنی ہیں وہ صاف اور پاک افکار جو دل پر وارد ہوتے ہیں یا جن میں دل وارد ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حال دل پر اترنے والی ایک کیفیت ہے جو دائمی نہیں ہوتی[54]

(37)۔ مسائل السلوک ' ص 15
(38)۔ رسالہ قشیریہ (اردو ترجمہ) ص 104 تا 115
(39)۔ مسائل السلوک ' ص 644

رسالہ قشیریہ میں ہے کہ احوال سعی اور کوشش کے بغیر حاصل ہوتے ہیں اور صاحب حال اپنے مقام سے ترقی کرتا رہتا ہے ۔ احوال اگر باقی رہ جائیں تو نفس کی باتیں ہیں احوال دل پر وارد ہوتے ہی فوراً زائل بھی ہو جاتے ہیں[55]

حجاب:[56] حجاب کے معنی پردہ اور پوشاک کے ہیں ۔اصطلاح میں حجاب سے مراد عاشق اور معشوق کے درمیان مانع یا رکاوٹ سے ہے۔صورتوں کے دل پر نقش ہونے کو بھی حجاب کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ صورتیں حقائق کی تجلی کو پانے کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ حق تعالیٰ کے فیوضات و تجلیات اور انسان کے مابین پوشیدگی کے اسباب اور رکاوٹیں' وہ سب چیزیں ہیں جو یکتا اور بے مثل نفس کے خلاف ہیں اور اس کے ساتھ مشابہت ومناسبت نہیں رکھتیں[57] ۔

ابن العربی کہتے ہیں جو چیز مطلوب کو آنکھوں سے چھپاتی ہے حجاب ہے[58]

حلول:[59] حلول سے مراد ہے کسی چیز کا اپنے سے غیر کسی چیز میں فروکش یا مقیم ہونا اور اصطلاح میں خدا کی ذات کا اشیاء میں حلول ہے اور جو لوگ اس عقیدے کے ہیں کہ اشیاء میں یا مرشد میں فروکش ہو جاتا ہے۔ انہیں حلولیہ کہتے ہیں اور یہ عقیدہ اکثر صوفیاء اور عرفاء کے نزدیک باطل ہے[60] ۔

خلیفہ:[61] خلیفہ سے مراد جانشین ہے۔ جو شخص اپنی ذات سے محووفانی ہو کر ذات احد میں باقی ہو جائے وہ سزاوار خلافت ہے[62]

(40)۔ سجادی ' سید جعفر ' فرہنگ مصطلحات عرفاء ' ص 126 ' 127 چاپ خانہ مصطفوی تہران ' 1339ء
(41)۔ مسائل السلوک ص 114 ' 291'
(42)۔ شبستری ' شیخ محمود ' شرح گلشن راز (شارح محمد بن مجی الاھیجی ' ص 266 تہران 1337ء
(43)۔ مسائل السلوک ' ص 612
(44)۔ شرح گلشن راز ' ص 254
(45)۔ مسائل السلوک ' ص 893
(46)۔ کشف المحجوب (اردو) ص 640
(47)۔ مسائل السلوک ' ص 893
(48)۔ رسالہ قشیریہ (اردو) ص 211
(49)۔ کشف المحجوب (اردو) ' ص 379

خلوت:[63] خلوت صوفیاء کے نزدیک تنہائی سے عبارت ہے[64]

خلوت حق تعالیٰ کے ساتھ خفیہ رازوں کے بارے میں بات چیت کرنے کا نام ہے جس کی مجال کسی غیر کو نہیں اور خلوت غیر سے کٹ جانے کا نام ہے[65]

ذوق:[66] ذوق رنج وراحت ہر ایک کے لیے بولا جاتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے **ذقت البلاء** (میں نے آزمائش یا تکلیف کا مزہ چکھا) یا "**ذقت الراحه**" میں نے راحت کا مزہ لیا۔ دونوں درست ہیں[67]۔ ابن العربی نے کہا ذوق تجلیات الٰہی کے آغاز کا پیش خیمہ ہے[68]

رضاء:[69] رضا عبارت ہے نفرت کو دور کرنے اور قضا وقدر کے احکام کی تلخی کو برداشت کرنے سے اور رضا کا مقام توکل کے بعد آتا ہے۔ کشاف میں ہے کہ اہل سلوک کی اصطلاح میں بلا اور مصیبت میں لذت محسوس کرنا رضا ہے[70]

رغبت:[71] رغبت کے معنی ہیں کسی محبوب چیز کی طرف مائل ہونا، توجہ کرنا اور تعلق رکھنا۔ رغبت کبھی نفس کی طرف سے ہوتی ہے یہ ثواب میں رغبت ہے۔ کبھی دل سے ہوتی ہے کہ حقیقت میں رغبت ہوگی اور کبھی سر میں ہوتی ہے یہ حق میں رغبت ہوگی[72]

---

(50)۔ مسائل السلوک، ص 17، 345
(51)۔ تھانوی، اشرف علی، التکشف، ص 399 مکتب خانہ مظہری، گلشن اقبال کراچی پاکستان
(52)۔ مسائل السلوک، ص 111، 114
(53)۔ ابن عربی بحوالہ تاریخ تصوف غنی، ص 643
(54)۔ کتاب اللمع (عربی)، ص 335
(55)۔ قشیری، ابوالقاسم، رسالہ قیشریہ (اردو ترجمہ)، ص 201
(56)۔ مسائل السلوک، ص 575
(57)۔ کاشانی، بابا افضل، رباعیات، ج، ص 365، سعید نفیسی تہران 1311ھ
(58)۔ ابن عربی بحوالہ تاریخ تصوف غنی ص 643
(59)۔ مسائل السلوک ص 216
(60)۔ مصطلحات عرفاء، ص 153
(61)۔ مسائل السلوک، ص 11، 158
(62)۔ شرح گلشن زار، ص 318

روح:[73] ابن العربی کہتے ہیں "**القا آتی که از عالم غیب بوجه مخصوصی بقلب میر سد**" یعنی عالم غیب سے دل میں ڈالی جانے والی چیز جو کسی مخصوص طریقے سے دل تک پہنچے روح کہلاتی ہے[74]

روح کو اس وجہ سے روح کہتے ہیں کہ یہ زندگی کا سبب اور نفس کے تمام قواء پر زندگی کی بخششوں اور عطاؤں کا منبع ہے۔ کہا گیا ہے کہ روح غیر مرئی، غیر محسوس بسیط و مدبر جوہر ہے یہ امور الٰہی میں سے ہے اور لازوال پذیر ہے[75]

ریاء:[76] ہر وہ کام جو ذاتی دکھاوٹ (خود نمائی) کے لیے انجام دیا جائے اور اس میں خلوص نہ ہو، اس میں خالص نیت کا کوئی دخل نہ ہو اس کو "ریا" کہتے ہیں[77]

زہد:[78] لغت میں زہد سے مراد ہے اشیاء کو گھٹیا سمجھ کر ان سے الگ رہنا۔ اس میں اختلاف ہے کہ زہد کن اشیاء سے اختیار کیا جائے[79]

---

(63)۔ مسائل السلوک ص 586
(64)۔ شاہ نعمت اللہ، رسائل (رسالہ سیرو سلوک)، ص 15 اور درخلوت، ص 97، تہران 1310ھ
(65)۔ شاہ نعمت اللہ، رسائل، ص 15
(66)۔ مسائل السلوک، ص 408
(67)۔ کشف المحجوب (اردو)، ص 508
(68)۔ تاریخ تصوف غنی، ص 645
(69)۔ ایضاً، ص 407، 656
(70)۔ کشاف، ج1، ص 597
(71)۔ مسائل السلوک، ص 889
(72)۔ تاریخ تصوف غنی، ص 646
(73)۔ مسائل السلوک، ص 526، 811
(74)۔ تاریخ تصوف غنی، ص 646، 647
(75)۔ عربی، محی الدین، شرح فصوص (شارح داؤد قیصری)، ص 41، تہران 1299ھ
(76)۔ مسائل السلوک، ص 90، 209
(77)۔ کشاف، ج1، ص 606
(78)۔ مسائل السلوک، ص 111
(79)۔ شرح منازل، ص 26 تا 49

قشیری نے حضرت سفیان ثوری کا قول نقل کیا ہے فرماتے ہیں۔دنیا سے اعراض کرنا یہ نہیں ہے کہ تو غیر لطیف چیز کھائے اور عباء پہنے بلکہ زہد یہ ہے کہ تو اپنی امیدوں کو چھوٹی اور کم کرے۔

ابو عثمان کہتے ہیں زہد یہ ہے کہ تو دنیا کو چھوڑ دے اور اس کی پرواہ نہ کرے کہ اسے کون لیتا ہے (80)

سالک: [81] سالک اللہ کی راہ چلنے والے سے عبارت ہے جو مبتدی سے آگے اور منتہی سے پیچھے ہوتا ہے اور ابھی چل رہا ہوتا ہے (82)

سکر: [83] سکر کے لغوی معنی "مستی کے ہیں اور صوفیا کی اصطلاح میں قوی وارد کی وجہ سے بے خود ہو جانا اور اپنی ذات کی خبر نہ رہنا ہے۔

صوفیاء کی اصطلاح میں قوی واردات کے واسطے سے سکر عبارت ہے غیبت سے اور سکر کو غیبت پر بعض وجوہ سے زیادتی حاصل ہے۔ اس طرح کہ صاحب سکر ہمیشہ مستی کے عالم میں نہیں رہتا اور کبھی کبھی اس کے دل سے اشیاء کا دھیان سکر کی حالت کی بنا پر ہٹ جاتا ہے۔ (84)

لاھیجی کہتا ہے کہ سکر حیرانی اور خوف اور بے قراری اور پریشانی کا نام ہے جو محبوب کے جمال کے مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بے خودی کے مرحلہ کو سکر کہتے ہیں کہ اس مرحلہ پر پہنچ کر سالک کو نہ دین ' نہ عقل ' نہ تقویٰ نہ ادراک غرضیکہ کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی۔ وہ مقام فنا میں محو ہوتا ہے اور شراب طہور سے مست حیران ہوتا ہے (85)

[86] شرح کلمات بابا طاہر میں ہے کہ حقیقی سکر وہ ہوتا ہے کہ سالک فنا میں مقام پکڑ

(80)۔ رسالہ قشیریہ (ترجمہ) ص 276
(81)۔ مسائل السلوک ' ص 196
(82)۔ کاشانی' عبدالرزاق' اصطلحات صوفیہ درحاشیہ منازل السائرین تہران 1315 ھ اوراز اھوائے آقای مشکوہ خطی شمارہ ثبت 854 (بحوالہ مصطلحات عرفاء ص 213
(83)۔ مسائل السلوک ص 262' 585

سلوک: [87] سلوک سے مراد ہے خاص قسم کے مدارج کو طے کرنا' مسالک کو ہمیشہ وہ مدارج طے کرتے رہنا ہوتا ہے جبتک وہ وصل وفنا کے مقام پر نہ پہنچ جائے (88)

سیر: [89] صوفیا کے ہاں سیر کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے ایک "سیرالی اللہ" اور دوسرا سیر فی اللہ" سیرالی اللہ یہاں تک ہوتی ہے یعنی اس کی انتہا یہ ہے کہ سالک چلتے چلتے خدا کو پہچان جاتا ہے۔ اور جب خدا کو پہچان لیتا ہے تو یہ سیر اختتام پذیر ہو جاتی ہے اور یہاں سے دوسری سیر یعنی سیر فی اللہ کا آغاز ہو جاتا ہے اور سیر فی اللہ کا کوئی سرا اور کنارہ نہیں (90)

شطح: [91] شطح ایسے کلمہ کا نام ہے جس سے خود پسندی کی بو آتی ہو۔ جس میں کوئی خاص چیز دیکھنے کا دعویدار ہوتا ہے اور محققین اس دعوے کو پسند نہ کرتے ہوں۔

شدت وجد کی حالت میں کہی گئی بات کو جس کا سننا ارباب ظاہر کو سخت ناگوار معلوم ہوتا ہے اور ظن و انکار کا سبب بنتا ہے' شطح کہلاتا ہے (92)

شکر: [93] لغت میں شکر کے معنی توصیف و ثنا کا اظہار ہے اور علماء کے ہاں نعمت کرنے والے کی تعریف اس طرح کرنا کہ دل و زبان سے اعتراف کیا جائے۔

رسالہ قشیریہ میں ہے۔نہایت عاجزی کے ساتھ انعام کرنے والے کی نعمت کا اعتراف کرنا شکر ہے اور شکر کی تین قسمیں ہیں (1) زبان کا شکر (2) بدن اوراعضاء کا شکر (3) دل کا شکر (94)

(84)۔ ابن العربی بحوالہ تاریخ تصوف در اسلام ' ڈاکٹر غنی ' ص 648
(85)۔ شرح گلشن راز ' الاھیجی ' ص 299' 561' 534 ۔
(86)۔ شرح کلمات باباطاہر ص 180
(87)۔ مسائل السلوک ' ص 196' 532
(88)۔ مصطلحات عرفاء ' ص 224
(89)۔ مسائل السلوک ص 2
(90)۔ کشاف ' ج1' ص461
(91)۔ مسائل السلوک ص 19
(92)۔ احمد نگری ' قاضی عبدالنبی ' دستور العلماء ' ج2' ص 314 ' حیدر آباد دکن ' 1331ھ
(93)۔ رسالہ قشیریہ ص 363 (اردو ترجمہ)

شہود: [95] تعریفات میں شہود سے مراد "**رویہ الحق بالحق**" ہے۔ (96) علی ہجویری کہتے ہیں کہ خلاء اور فضاء میں ہر وقت دل سے حق تعالیٰ کو دیکھنا مشاہدہ ہے۔ آپ نے فرمایا مشاہدہ میں اس وقت غلبہ محبت ہو جاتا کہ اس کا پورا وجود حدیث یار بن کر رہ جائے اور دوست کے علاوہ اسے کچھ نظر نہ آئے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں میں نے ہر چیز کے سامنے حق تعالیٰ کو دیکھا' ارباب مشاہدہ کے نزدیک زندگی وہ ہوتی ہے جس میں وہ مشاہدہ حق میں رہیں۔ محبت میں اپنے ارادے کا وجود بھی ایک طرح کی مخالفت ہوتی ہے۔ اور مخالفت حجاب ہوتی ہے' جب دنیا میں اپنا ارادہ ختم ہو جاتا ہے تو مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے اور دنیا و آخرت کا فرق مٹ جاتا ہے (97)

شیخ: [98] شیخ انسان کامل ہوتا ہے جو علوم شریعت' طریقت اور حقیقت میں کمال تک پہنچا ہوا

کاشانی کہتا ہے کہ شیخ سے مراد نبوت کی جانشینی اور قائم مقامی کے درجے پر فائز ہونے والا ہے اور شیخ نبی کا نائب ہوتا ہے۔ شیخ کا کام ہے کہ مرید میں تصرف کرے اور اس کے دل کے آئینہ کو حرص وہوا کے زنگ سے پاک کر دے اور اس کی طبیعت کو صیقل کر دے۔ شیخ کا وہ برتر و بالا مقام ہے کہ جو کچھ چاہتا ہے ہو جاتا ہے (99)

صحو: [100] صحو یعنی ہوشیاری عبارت ہے' بے خودی سے احساس کے ساتھ واپس لوٹنے سے (101)

---

(94)۔ مسائل السلوک' ص 1074
(95)۔ تعریفات بحوالہ تاریخ تصوف ڈاکٹر غنی' ص 649
(96)۔ تاریخ تصوف غنی' ص 649
(97)۔ کشف المحجوب (اردو ترجمہ)' ص 490
(98)۔ مسائل السلوک' ص 178
(99)۔ مصباح الھدایہ' ص 266
(100)۔ مسائل السلوک' ص 85

صحو و سکر معنی کے لحاظ سے قریب قریب ہیں" غیبت و حضور کے سوائے اس کے کہ صحو و سکر' زیادہ قوی اور مکمل ہیں "غیبت و حضور" سے (102)

صوفی: [103] کہا جاتا ہے کہ اسلام میں تصوف کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہوا اور سب سے پہلا شخص جس نے یہ نام اختیار کیا ابو ہاشم صوفی کوفی الاصل تھا اور اس نے سب سے پہلے خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔

بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلا آدمی جسے صوفی کہتے ہیں" افریدون بادشاہ" تھا اور بعض کہتے ہیں" عزیز پیغمبر" پہلے صوفی تھے۔ (تصوف کے تحت فصل اول میں) تفصیل درج ہے (104)

طریق: [105] طریق سے مراد اللہ کا دستور اور احکام تکلیفی ہے اور" طریق اللہ" سے مراد حق تک پہنچنا ہے (106)

طریقت: [107] سالکین کے ساتھ مختص سیر کا نام ہے جس سے منازل طے کی جاتی ہیں اور مقامات میں ترقی کی جاتی ہے (108)

شریعت ظاہر احکام کا نام ہے اور اس کی مثال پوست کی ہے۔ طریقت اس کا کنارہ ہے اور حادث سے قدیم کی طرف سفر ہے اس کے بعد مقام فنا سے ہو کر بقاء تک رسائی ہوتی ہے اور یہ حقیقت ہے (109)

عارف: [110] وہ شخص ہوتا ہے کہ خدا اپنی ذات کو اس کے مشاہدہ میں لاتا ہے اور اس پر

---

(101)۔ تعریفات ابن عربی بحوالہ تاریخ تصوف غنی ص 649
(102)۔ کتاب اللمع (اردو ترجمہ) ص 483
(103)۔ مسائل السلوک' ص 203
(104)۔ شیرازی' محمد معصوم' طرائق الحقائق' ج 1' ص 151' کتب خانہ بازلی' تہران 1339ھ
اور رازی' امین احمد' ہفت اقلیم' ص 125' کلکتہ ہند 1358 ھ اور میمنی' محمد بن منور بن ابی سعد بن ابی طاہر بن ابی سعید' اسرار التوحید' طبع پنجم' ص 44' 54 سپہر (تہران) ایران (س۔ن)

احوال ظاہر کرتا ہے اور ایسے شخص کے حال کو "معرفت" کا نام دیتے ہیں (111)

عارف وہ ہوتا ہے جو اللہ کی عبادت اس طرح انجام دیتا ہے کہ اسی کو مستحق عبادت سمجھتا ہے جب کہ دوسرے امید و ثواب اور خوف وعذاب کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں (112)

عجب: اپنی ذات اور عمل کی طرف نظر کرنے کو عجب کہتے ہیں۔ اس طرح کرنا عمل کو بڑا سمجھے (114)

عید: وہ چیز جو اعمال کے نتیجے کے طور پر دل پر تجلی کرتی ہے (116) صوفیا کے نزدیک وہ چیز ہے جو دل پر روشنی کرنے کے لیے جمال کی تجلی کی شکل میں بار بار وارد ہوتی ہے خواہ جلال کی شکل میں ہو یا جمال کی (117)

غفلت: اہل اللہ کی اصطلاح میں دل کا حقیقت سے غافل ہونا ہے۔ بابا طاہر کہتا ہے کہ غفلت کی بنیاد بندے کا ذکر حق سے محروم رہنا ہے۔ (119)

---

(105)۔ مسائل السلوک، ص 55
(106)۔ مصطلحات عرفاء، ص 260
(107)۔ مسائل السلوک، ص 556
(108)۔ تعریفات بحوالہ تاریخ ڈاکٹر غنی، طبع دوم ص 650
(109)۔ شرح گلشن راز، ص 297
(110)۔ ایضاً، ص 19
(111)۔ تاریخ غنی، ص 650
(112)۔ مصباح الھدایہ، ص 80
(113)۔ مسائل السلوک، ص 171، 172
(114)۔ کشاف، ج 2، ص 941
(115)۔ مسائل السلوک، ص 284
(116)۔ ابن عربی، بحوالہ تاریخ تصوف غنی ص 651
(117)۔ کشاف، ج 2، ص 959
(118)۔ مسائل السلوک، ص 635
(119)۔ شرح کلمات بابا طاہر، ص 145

غلبہ: غلبہ ایک حالت ہے جو بندہ میں ظاہر ہوتی ہے وہ اس کے اسباب نہیں دیکھ سکتا اور نہ ادب کا لحاظ رکھ سکتا ہے۔ یعنی حق کے جلال اور عظمت سے اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ اس قدر کہ اس وقت اس کو دوزخ جیسی چیز کی پرواہ نہیں رہتی اور یا اللہ کے فضل و کرم سے اس کے لیے ایک ایسی چیز ظاہر ہوتی ہے کہ اس سے تمام نعمتیں ساقط ہو جاتی ہیں وہ شرعی اسباب کی رعایت نہیں کر سکتا اور مغلوب ہوجاتا ہے (121)

غیبت: بعض اوقات انسان پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ اس کا دل مخلوق کے حالات سے بے خبر ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنی ذات اور دیگر امور کے احساس سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کا نام "غیبت" ہے۔ اس کا سبب ثواب کو یاد کرنا یا عتاب کے متعلق سوچنا بھی ہو سکتا ہے (123)

غین

"غین" دل پر ایک پردے کو کہتے ہیں جو استغفار کرنے سے ہٹ جاتا ہے ایک دوسرا حجاب "دین" کہلاتا ہے جو دل اور اللہ پر ایمان کے مابین ہوتا ہے۔ ان میں سے غین دقیق حجاب اور دین کثیف حجاب کو کہتے ہیں اور حجاب کو ہٹانے کا طریقہ معصیت سے رجوع اور ثواب کی طرف توجہ کرنا ہے (124)

فراست: کشف کا ایک اور شعبہ فراست کہلاتا ہے۔ فراست سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تقویٰ پر جم جانے کے نتیجے میں دل کی ایسی صفائی جس کے نتیجے میں وجدانی طور پر حقائق و واقعات مدرک ہونے لگتے ہیں۔ یہ بات حضرت ابو سعید خدری کی روایت کردہ حدیث مبارکہ میں ہے جس کو ترمذی نے درج کیا ہے کہ **اتقوا فراسه المؤمن فانه ینظر بنور الله تعالٰی** (126) (التکشف ص 283)

---

(120)۔ مسائل السلوک، ص 1048
(121)۔ شرح تعرف، ج 4، ص 38، 39
(122)۔ مسائل السلوک، ص 262
(123)۔ رسالہ قشیریہ (اردو ترجمہ) ص 216
(124)۔ کتاب اللمع، ص 27 تا 35
(125)۔ مسائل السلوک، ص 980

فنا: [127] سے مراد بندے کا حق تعالیٰ میں فنا ہے۔ کلمہ فناء سے اشارہ کیا گیا ہے اوصاف مذمومہ کے سقوط کی طرف اور کلمہ بقاء کے واسطہ سے اوصاف محمودہ کے قیام کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جب کوئی بندہ ان میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہیں ہوتا اس پر دوسری حالت طاری نہیں ہوتی۔ جو شخص اوصاف مذمومہ سے فانی ہو گیا ہوتا ہے۔ یعنی عاری ہو جاتا ہے اس پر اوصاف محمودہ ظاہر ہو جاتے ہیں اور بالعکس (128)

قبض: [129] کاشانی کا قول ہے کہ قبض سے مراد دل سے حال سرور کو روکنا اور قلب سے خوشی باہر کھینچ لینا یا اکھاڑ لینا مراد ہے۔ اور بسط سے مراد دل کا حال کے سرور کے نور کے چمکنے سے روشن ہونا ہے (130)

قبض و بسط دو ایسے احوال ہیں کہ مبتدیوں کو ان سے کچھ حصہ نہیں ملتا اور منتہی اس سے گزر چکے ہوتے ہیں اس طرح یہ دونوں متوسط لوگوں کے لیے ہیں۔

ہجویری کہتے ہیں قبض قلوب کا قبض ہے اور بسط سے مراد دل کا کشف کی حالت میں ہونا ہے اور یہ دونوں حالتیں حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں (131)

قدر: حکماء کے نزدیک موجودات کا حقیقی وجود کے ساتھ خروج ان اسباب کے ذریعے قضاء میں مقرر ہیں 'قدر' ہے۔ اشارہ کے متکلمین کہتے ہیں کہ قضا عبارت ہے حق تعالیٰ کے ازلی ارادے سے جو اشیاء کے بارے میں ہے۔ جس کے مطابق اشیاء ہمیشہ وجود میں آتی ہیں (132)

---

(126)۔ التکشف، ص 283
(127)۔ مسائل السلوک، ص 56، 65
(128)۔ کلمات مکنونہ، ص 99
(129)۔ مسائل السلوک، ص 50
(130)۔ مصباح الہدایہ، ص 424 اور رسالہ قشیریہ، ص 36 تا 38
(131)۔ کشف المحجوب (اردو)، ص 466 اور کشاف، ج 2، ص 1168
(132)۔ شرح گلشن راز، ص 449
(133)۔ کشف المحجوب، ص 501

قدیم: وجود میں سب سے پہلا اور اول جس کی ذات تمام دیگر ذاتوں سے پہلی ہے۔ اور وہ سوائے حق تعالیٰ کے اور کوئی نہیں (133)

قشر: [134] قشر کا معنی پوست یعنی چھلکا (کھال) ہے۔ اصطلاح میں "قشر" سے مراد علم ظاہر ہے یعنی اس سے مراد شریعت ہے (135)

قضا: [136] حکماء کے نزدیک "قضا" سے مراد علم حق ہے جس پر سارا خوبصورت نظام چل رہا ہے اور موجودات کی ذات میں حکم الٰہی سے عبارت ہے اس طرح کہ احوال جاریہ ازل سے ابد تک کے لیے ہیں (137)

قطب: [138] اہل حل و عقد ہوتا ہے اور اولیاء اللہ میں سے ہوتا ہے اور ہر دور میں اللہ کی نظر عنایت کا مورد ہوتا ہے اس کو خداوند طلسم اعظم عنایت فرماتے ہیں اور یہ اس طرح عالم وجود میں ہوتا ہے، جیسے بدن میں روح ہوتی ہے (139)

کاملاں: [140] اہل اللہ میں سے اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو کہتے ہیں (141) کامل حقیقی وہ شخص ہوتا ہے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کے مراتب کا جامع ہو (142)

کبر: [143] کبر اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا اور بہتر جاننا یا اپنے آپ کو دوسروں سے کمتر اور نکما جاننے کا نام ہے اور یہ انسان کے مہلکات میں سے ایک ہے (144)

---

(134)۔ مسائل السلوک، ص 206
(135)۔ اصطلاحات شاہ نعمت اللہ، ص 58 اور کشاف، ج 2، ص 1183
(136)۔ مسائل السلوک، ص 19
(137)۔ کشاف، ج 2، ص 1235
(138)۔ مسائل السلوک، ص 598
(139)۔ کشاف، ج 2، ص 1168
(140)۔ مسائل السلوک، ص 68
(141)۔ شیروانی، حاج زین العابدین، ریاض السیاحۃ، ص 162 تا 164، مطبع تہران 1339ھ

کرامت: کرامت وہ خلاف عادت کام ہے جو کسی آدمی کے احکام شریعت پر قائم رہنے کی حالت میں اس سے ظاہر ہو اور کرامت سوائے فرمانبردار مومن کے کسی کو حاصل نہیں ہوتی (146)

کسب: کسب سے مراد عبد کی طاقت اور ارادہ کا تعلق ہے ایسے فعل کے ساتھ جو اس کے مقدور میں ہو (148)

کشف اور فراست: دل میں مستور کے ظہور کو کشف کہتے ہیں۔ پردے کے پیچھے چھپے ہوئے معانی پر اطلاع پانا کشف ہے۔

قیصری کہتا ہے کہ لغت میں کشف کا معنی حجاب کا اٹھ جانا ہے اور عرفاء کی اصطلاح میں کشف سے مراد امور خفیہ' اور غیبی معنوں سے' حجاب سے ماوراء پر اطلاع پانا ہے (150)

لقا: لقاء سے مراد صوفیاء کے ہاں معشوق کے ظاہر ہونے سے ہے چنانچہ عاشق کو یقین ہوتا ہے کہ اسی نے آدم کی شکل میں ظہور کیا ہے (152)

مثال: مثال اور مثل خاص معنوں میں استعمال ہوتے ہیں حکماء کی نظر میں صور مثالیہ وہ شکلیں اور صورتیں ہوتی ہیں۔ جو عالم مثال (عالم روحانی جس میں جواہر کی جسمانی شکل ہوتی ہے)' میں ہوں اور جسمانیات اور روحانیات کے مابین حد فاصل بہت معمولی ہے اور محسوس ہونے والی صورتیں صور مثالی کے ظل (سائے) ہیں۔ اسی وجہ سے ہے کہ عارف اپنی فراست کشفیہ کی مدد سے بندے کی صورت کو دیکھ کر اس کے احوال کو پا جاتا ہے۔ (154)

(142)۔ کشاف' ج 2' ص 1265
(143)۔ مسائل السلوک' ص 28
(144) مصطلحات عرفاء' ص 325
(145)۔ مسائل السلوک' ص 110
(146)۔ کشف المحجوب (ترجمہ)' ص 328
(147)۔ مسائل السلوک' ص 20
(148)۔ کشاف' ج 2' ص 1273
(149)۔ مسائل السلوک' ص 296
(150)۔ شرح قیصری' ص 34

مثالات مقیدہ خیالات سے عبارت ہیں اور نمونہ اور شبہ (یعنی نظیر اور شبیہ) اور عالم روحانی کو مثالات مطلقہ کہتے ہیں (155)

مجاہدہ: نفس کو بدنی مشقت اور ہوا و ہوس کی مخالفت پر لگا دینا (157)
جو شخص اپنے نفس کی کسی چیز کو بھی اچھا جانتا ہو وہ اپنے نفس کے عیب نہیں دیکھ سکتا اور ایسا شخص بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے اس لیے کہ معاصی کفر کی راہ دکھاتے ہیں (158)

محو: صاحب لمع کہتے ہیں۔ جب کوئی چیز جاتی رہے اور اس کا نشان تک باقی نہ رہے' اس کو "محو" کہتے ہیں۔ اور اگر نشان باقی رہ جائے تو یہ "طمس" ہوتا ہے (160)

رسالہ قشیریہ میں ہے کہ عادات بشریہ کے اوصاف کو مٹا دینے کا نام "محو" ہے۔ اور احکام عبادت کے قائم کرنے کا نام "اثبات" ہے (161)

مرائیہ: وہ لوگ ہوتے ہیں جو دکھاوے کی خاطر اور خلق خدا کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ترک دنیا کرتے ہیں۔ اور اس وسیلے سے جاہ منزلت پاتے ہیں (163)

مراقبہ: اہل سلوک کے نزدیک برے کاموں سے دل کی حفاظت کا نام "مراقبہ" ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ جاننا کہ خدا ہر چیز پر موجود ہے 'مراقبہ ہے۔ بعض نے عبادت حق کو مراقبہ کہا ہے۔ کہا گیا ہے کہ عام لوگوں کا مراقبہ خوف ہے اور خاص کا امید ہے اور مراقبہ کی علامت ایثار ہے (165)

(151)۔ مسائل السلوک' ص 1157
(152)۔ کشاف' ج 2' ص 1311
(153)۔ مسائل السلوک' ص 457
(154)۔ ایضا" ص 29
(155)۔ شرح قیصری' ص 29' 30
(156)۔ مسائل السلوک' ص 53
(157)۔ تاریخ تصوف ڈاکٹر غنی' ص 654
(158)۔ ابوزید' عبدالرحمن محمد بن خلدون' شفاء السائل' ص 113' بیروت لبنان 1959ء
(159)۔ مسائل السلوک' ص 56
(160)۔ کتاب اللمع (عربی) ص 573
(161)۔ رسالہ قشیریہ (اردو) ص 223
(162)۔ " " " ص 897

166
مرشد: مرشد وہ ہوتا ہے جو گمراہی سے پہلے صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی کردے اور صوفیہ مظہر عقل کو (عقل کے ظاہر ہونے کی جگہ) کو مرشد اور نفس کے مظہر کو دلیل کہتے ہیں۔ جو بندوں کو براہ راست ہدایت کرتا ہے۔ ان میں سے ایک اللہ کے نام رحیم کا مظہر ہے اور دوسرا اسم رحمٰن کا مظہر ہے (168)

169
مرید: مرید سے مراد ہے اپنے ارادے سے آزاد اور بے فکر۔ غزالی کہتا ہے۔ کہ مرید وہ شخص ہوتا ہے جس پر اسماء کے دروازے کھلے ہوں اور اسم کے وسیلے اور واسطے سے اور خدا کے تمام متوسلین میں سے ہو (170)

171
مظہر: مظہر شی سے مراد اس چیز کی شکل ہے اور شئی کی صورت سے مراد ایسا امر ہے جس سے وہ شے معقول (سمجھی جا سکتی ہے) یا محسوس کی جا سکتی ہے۔ اور موجودات ساری کی ساری اسمائے الہیہ کی مظہر ہیں۔ ہر ایک مظہر اس کے بعض اسماء میں سے کسی ایک کا مظہر ہے (172)

انسان تمام اسماء صفات کا مظہر ہے اور اسی وجہ سے مکمل معرفت انسان سے مخصوص ہے اور انسان مجموعی طور پر تمام اشیاء کا عارف (جاننے والا ہے)۔

173
معرفت: محض تصور کو معرفت اور تصدیق کو علم کہتے ہیں۔ ادراک بسیط (بے خبری کے ساتھ وجود حق کا ادراک) جو عام میں ظاہر ہے۔ تصور ہوتا ہے یا تصدیق ہوتا ہے اسی بنا پر ادراک مرکب کو علم کہتے ہیں۔

ایک ادراک جزی ہوتا ہے (ادراک بسیط) اور ادراک کلی کو علم کہتے ہیں (174)

---

(163)۔ مصباح الہدایہ، ص 123
(164)۔ مسائل السلوک، ص 52، 401
(165)۔ کشاف، ج 1، ص 523
(166)۔ مسائل السلوک، ص 313، 1061
(167)۔ تعریفات بحوالہ ڈاکٹر غنی، ص 35
(168)۔ کشاف، ج 2، ص 1463
(169) کشاف ج 2، ص 90
(170)۔ ابن عربی، بحوالہ تاریخ غنی ص
(171)۔ مسائل السلوک، ص 66

175
مقام: مقام و حال قریب المعنی الفاظ ہیں اور مقام عبارت ہے۔ ایسی منزلت اور مرتبہ سے کہ بندہ خاص آداب کے ذریعے اس تک پہنچ جاتا ہے۔ اور سختی اور مشقت برداشت کر کے اس کو پالیتا ہے (176)

کہتے ہیں کہ احوال وہبی ہیں اور مقامات کسبی اور تمام مقامات ابتداء میں احوال ہوتے ہیں اور آخر کار یا انتہا میں پہنچ کر "مقام" بن جاتے ہیں (177)

178
منتہی المعرفت: اس سے مراد حضرت واحدیت ہے (ذات حق تعالیٰ میں فنا ہو جانا) اور حضرت سے مراد وجود حق میں بشریت کا فنا ہو جانا اور جملہ امور کا (جمع) اللہ کی طرف سے ہوتا ہے (179)

180
وجد: وہ چیز جو محنت و مشقت کے بغیر دل پر وارد ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد برق ہے جو چمکتی ہے اور جلدی سے خاموش ہو جاتی ہے (181)

عمر بن عثمان مکی کہتے ہیں وجد عبارت میں بیان نہیں ہو سکتا وجد مومنوں کے پاس خدا کے رازوں میں سے ایک راز ہے (182)

183
وحدت: وحدت سے مراد لاثانی، بے مثال اور ایک ہونا ہے اور وحدت سے مراد حق تعالیٰ کا حقیقی وجود ہے (184)

---

(172)۔ شرح قیصری، ص 5
(173)۔ (م۔ س)، ص 621
(174)۔ کشاف، ج 2، ص 994
(175)۔ مسائل السلوک، ص 184، 1089
(176)۔ دستور العلماء، ج 3، ص 310
(177)۔ شرح گلشن راز، ص 26 اور سہروردی، شیخ شہاب الدین، عوارف المعارف، ص 178 تا 187، تہران، ایران، 1985ء
(178)۔ مسائل السلوک، ص 14، 743
(179)۔ اصطلاحات شاہ نعمت اللہ، ص 30
(180)۔ مسائل السلوک، ص 253
(181)۔ تاریخ تصوف ڈاکٹر غنی، ص 657
(182)۔ مصباح الہدایہ، ص 101، 133 اور کتاب اللمع (عربی)، ص 301
(183)۔ مسائل السلوک، ص 697

185

وفا: وفا سے مراد ایسے اعمال کا انجام ہے جن کو اپنے ذمے لیا گیا ہو۔ اور وفا عبارت ہے امرالٰہی پر قائم رہنے سے اور اس سے مراد ہے ازلی عنایات۔

وفا سے مراد اپنا بھید چھپانا اور اپنے دوست کا راز ظاہر نہ کرنا ہے (186)

187

ولایت: ولایت ولی سے مشتق ہے اور مراد ہے عبد کا اپنی ذات کو فنا کرکے حق کے ساتھ قیام کرنے سے۔ قیصری کہتا ہے کہ نبوت کا باطن ولایت ہے اور اس کا دائرہ نبوت اور ولایت دونوں تک وسیع ہے اور انبیاء اولیا بھی ہوتے ہیں (188)

---

(184)۔ شرح گلشن راز، ص 16
(185)۔ مسائل السلوک، ص 15
(186)۔ رسائل خواجہ عبداللہ ص 126 اور کشاف، ج 2، ص 1526
(187)۔ مسائل السلک، ص 87، 89
(188)۔ شرح قیصری، ص 45

بنیادی عقائد اسلام اور سلوک

توحید وضدّھا

امرابتدائی: مسائل السلوک کی مدد سے تصوف کا نقشہ بنانے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ مفسر صوفیائے محققین کے اس گروہ میں سے ہے جو قرآن کریم کے ظاہری معنوں سے نہ صرف انکار ہی نہیں کرتا بلکہ ظاہری معنوں کے انکار کو کفر صریح مانتا ہے اور یہ لوگ ظاہر کے مراد ہوتے ہوئے اس میں مزید اشارات بھی مانتے ہیں۔ یہ اشاری مفہوم **يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ** (المائدہ-41) "کلام کو بعد اس کے کہ وہ اپنے موقع پر ہوتا ہے بدلتے رہتے ہیں" سے اخذ کیا گیا ہے (1)۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ صرف توحید ہے، باقی تمام اس کی شاخیں ہیں جن کے ذریعے توحید کو پورے طور پر سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ توحید سمیت پانچ اجزاء میں سے صرف تین اجزاء یعنی توحید، رسالت اور آخرت پر متصوفانہ نقطہ نظر نے کتابوں اور فرشتوں پر ایمان کی بحث کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔

حرف آغاز

اللہ تعالیٰ ذاتاً محیط ہے: صوفیا کا ایمان ہے کہ حق تعالیٰ محض علم سے ہی اپنی مخلوق کو محیط نہیں ہے بلکہ اتصال کے بغیر ذاتاً" محیط ہے۔ **وَاللّٰهُ مُحِيطٌ بِالْكٰفِرِينَ** (البقرہ۔

19) " اور اللہ تعالیٰ احاطہ میں لیے ہوئے ہیں کافروں کو " میں یہ اشارہ ملتا ہے[2]، توحید کامل کی تعلیم **قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** (الانعام ...162)" آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا ۔" میں یہ دی گئی ہے کہ احوال تشریعیہ ہوں یا تکوینیہ ہوں، انسان کا کام ہے کہ قضا پر راضی رہے اور عمل اور اطاعت کے ذریعے بلا چون و چرا سر تسلیم اللہ کی بارگاہ میں خم کیے رکھے[3]۔

سورہ طٰہٰ میں اس بات کا مزید اشارہ پایا جاتا ہے کہ اسباب کا وجود ثابت ہے۔ اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ اسباب کو کام میں لانا خالق حقیقی کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر ذرہ بھر جنبش تک نہیں کر سکتی۔ **فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی** (طٰہٰ۔ 53)" پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعے سے اقسام (مختلفہ) کے نباتات پیدا کیے۔" حق تعالیٰ کے موثر حقیقی ہونے کی طرف دلیل ہے[4]۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کسی خاص جہت اور سمت میں مقید بھی نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ **فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ** (البقرہ۔ 115)[5]" پس تم لوگ جس طرف منہ کرو (ادھر ہی) اللہ کا رخ ہے ۔"

فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (البقرہ۔ 186) " تو میں قریب ہی ہوں " سے مراد ہے کہ اللہ رب العزت ذاتی حیثیت سے احاطہ کیے ہوئے ہے ہر چیز کا اور ذاتی حیثیت سے قریب بھی ہے[6]۔

اللہ کی صفات عین ذات ہیں: ارشاد ربانی ہے۔ **اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ** (الکھف۔ 26) اس آیت کا ترجمہ ہے "کیا خوب ہے وہ دیکھنے والا اور سننے والا" اس آیت کا اشاری مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ اللہ کی صفات عین ذات ہیں اور اللہ کے سوا کسی دوسری چیز کی صفات اس کی ذات نہیں ہوتیں۔ انسان بینا ہوتا ہے جب دیکھنے کی صفت زائل ہوتی ہے تو نابینا بن جاتا ہے۔ واحد یکتا ذات ہے اللہ رب العزت کی جس کی صفات اس کی ذات ہی ہیں[7]۔

1: بیان القرآن، اشرف علی تھانوی، مسائل السلوک ص 236 اور روح المعانی، علامہ آلوسی، جلد 6، ص 137

2: مسائل السلوک، ص 7

3: مسائل السلوک، ص 310

4: مسائل السلوک، ص 22

ادراک کی تفسیر: بصر اور بصیرۃ کو نگاہ حسی کے معنوں میں لیا جائے تو ادراک سے مراد حواس کے ذریعے معلوم اشیاء ہوں گی۔ اس صورت میں دنیا اور آخرت دونوں میں خالق ارض و سما کے ادراک کی نفی ہوگی۔ اگر بصر (نگاہ) کو جارحہ کے ساتھ خاص کیا جائے تو دنیا میں رویت کی نفی مراد ہو گی مگر آخرت میں رویت کی نفی نہ ہو گی۔ اس سلسلے میں روح المعانی کے قول کو پسند کیا ہے اور اس میں دنیا کی قید ہی مراد ہے۔ قرآن کریم کی متعلقہ آیت ہے۔

لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ○

(الانعام۔ 103)[8] "اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے ۔"

اسمائے الٰہیہ کی حقیقت: اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی یعنی اللہ کے اپنے بتائے ہوئے ہیں۔ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی مرضی سے کسی نام کو اللہ کا نام مبارک قرار دے۔ ارشاد ہوتا ہے ! **فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ** (النحل۔ 74)" سو تم اللہ کے لیے مثالیں مت گھڑو" اس آیت مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں رائے اور ذوق سے کلام کرنا مناسب نہیں۔ ناموں کا وہی معنی اور مفہوم مراد لینا چاہیے جو عبارت کی مناسبت سے معلوم ہوتا ہے۔ اور صرف ان ہی اسماء کو اسماء الٰہیہ کہنا چاہئے۔ جو اللہ کے قرآن یا اس کے رسول کے احوال سے معلوم ہوتے ہیں[9]

حلول و اتحاد کی تردید: اللہ تعالیٰ کی جناب میں حلول محال ہے ۔ بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا اسی نظریے کی بنیاد پر کی تھی کہ اس میں خدا حلول کر گیا ہے۔ اور اسی وجہ

5: مسائل السلوک، ص 36

6: مسائل السلوک، ص 59

7: مسائل السلوک، ص 589

8: مسائل السلوک، ص 293

9: مسائل السلوک، ص 546

سے اس میں سے آواز آتی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں گرفت فرمائی۔ **اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ** (البقرۃ۔ 54) " بے شک تم نے اپنا بڑا نقصان کیا اپنی اس گوسالہ (پرستی) کی تجویز سے "بنی اسرائیل کی غلطی عملی نہ تھی بلکہ اعتقادی ظلم اور گمراہی تھی جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اس لیے توبہ کے لیے سخت ترین شرط عائد کی گئی۔ گویا اللہ تعالیٰ کا کسی دوسرے جسم میں حلول کرنا کافرانہ خیال اور عقیدہ ہے[10]۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ** النساء۔ 171) " اور (یوں) مت کہو کہ تین ہیں" میں صحیح اشارہ پایا جاتا ہے کہ حلول و اتحاد کا نظریہ باطل ہے اور جاہل صوفیاء کا اس پر اعتقاد صریحاً" باطل ہے[11]۔

ایسے تمام لوگوں کے اعتقاد کو رد کرتے ہوئے جو حق اور خلق میں اتحاد کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ **لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ** ط(المائدہ۔ 17) " بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو(یوں) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے "کہ ایسے اتحاد کا قائل ہونا کفر ہے[12]

قرآن کریم کے ہو بہو یہی الفاظ اسی سورہ کی آیت۔ 72 میں بھی ارشاد ہوئے ہیں یہاں اس کا ذکر اصرار علی المعاصی کے بعد ہوا ہے۔ اس میں ایسے تمام جاہل صوفیاء کے عقیدہ حلول و اتحاد کا بطلان ہے[13]۔

خدا تعالیٰ کی معرفت : خدا کی ذات کی ماہیت کہ وہ کیسی ہے یا کس چیز سے بنی ہوئی ہے۔ اس کی معرفت ناممکن ہے۔ اس کا اشارہ فرعون کے اس سوال میں پایا جاتا ہے جب اس نے کہا تھا **وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ** (الشعراء۔ 23) یعنی "تمہارا رب کیا"چیز" ہے یا اس کی

10: مسائل السلوک ' ص 17

11: مسائل السلوک ' ص 216

12: مسائل السلوک ' ص 227

13: مسائل السلوک ' ص 248

ماہیت کیا ہے۔" "لفظ ما" عربی زبان میں ماہیت دریافت کرنے کے لیے بھی بولا جاتا ہے[14]۔ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے زمین و آسمان اور ان کے مابین کے "رب" فرعون اور اس کے آباؤ اجداد کے رب اور مشرق و مغرب کے رب کی صفات کے ساتھ فرعون کے سوال کا جواب دیا۔ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت بالکنہ ممکن ہی نہیں اسی لیے معرفت بالوجہ سے جواب دیئے گئے۔ حالانکہ سوال یہ نہ تھا[15] (الشعراء 24 تا 28)

اللہ تعالیٰ کے صفاتی قرب کا اشارہ سورہ طٰہٰ کی آیت **قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى** ○(طٰہٰ۔ 46) " ارشاد ہوا کہ تم اندیشہ نہ کرو (کیونکہ) میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سب سنتا دیکھتا ہوں " میں پایا جاتا ہے۔ آگے چل کر ارشاد ہوا **قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى** (طٰہٰ۔ 49) " وہ کہنے لگا (پھر یہ بتاؤ کہ) تم دونوں کا رب کون ہے "اس سوال کا جواب اللہ کی صفات اور افعال سے دیا گیا اور اشارہ معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی معرفت بالکنہ تو ممتنع ہے مگر اس کے اوصاف اور افعال کی معرفت ممکن ہے[16]۔

اللہ تعالیٰ کی معیّت : سورہ توبہ میں تعلق مع اللہ کو تعلق مع الخلق سے زیادہ اہم بتایا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ (الی قولہ) فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ** ط۔(التوبہ۔ 23۔24)[17] " اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اپنے بھائیوں کو (اپنا) رفیق مت بناؤ ....تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (سزائے ترک ہجرت کا) بھیج دیں۔ "بندہ کو غیر اللہ سے امیدیں وابستہ نہ کرنا چاہیں اور نہ ہی غیر اللہ کی صلاحیتوں اور استعدادوں سے مرعوب ہونا چاہیے۔ بندہ جب احکام قضا پر راضی رہنا سیکھ جاتا ہے اور اپنی دنیوی لذات کو بے وقعت سمجھ کر اللہ کی خاطر ترک کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی معیت کے مقام میں پہنچ جاتا ہے۔ اور اس کا دل قرار پالیتا ہے۔ یہ

14: مسائل السلوک ' ص 724

15: مسائل السلوک ' ص 724

16: مسائل السلوک ' ص 621

17: مسائل السلوک ' ص 392

اشارات **اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا**(الی قولہ) **ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ** (توبہ۔ 25۔ 26) "جب کہ تم اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا' پھر وہ کثرت تمہارے لیے کچھ کارآمد نہ ہوئی (الی قولہ) پھر (اس کے بعد) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (کے قلب) پر اور دوسرے مومنین کے (قلوب) پر اپنی (طرف سے) تسلی نازل فرمائی "سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ماحصل یہ ہے کہ بندے کا اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے پورا پورا تابع کر دینا اللہ تعالیٰ کی معیت میں آجاتا ہے۔ اس حال میں بندے کی مرضی ختم ہو جاتی ہے اور وہ اپنی ذات کو بھول چکا ہوتا ہے۔ اس کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے بندوں کی اپنی مرضی سے حاجات پوری کر سکے۔ یہ باطل نظریہ اس تعلق سے اخذ نہیں ہوتا[18]۔

حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کا ظہور: زبان زد عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات چونکہ بہت جمیل ہیں۔ اس لیے ذات حق نے ان کا مشاہدہ کرنے کو پسند فرمایا اور خلق کی صورت میں ان کو ظاہر فرما کر ان کا مشاہدہ کیا۔ مسائل السلوک میں اس بنیاد پر کہ اگر محض مشاہدہ کے لیے شغل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا ہے تو یہ محض لہو ہوا اس وجہ سے یہ خیال باطل ٹھہرا۔ جیسا کہ خداوند کریم کا ارشاد ہے۔ **وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ**۔(الانبیاء۔ 16) "اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں" اور **لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا**۔۔۔۔ **الایہ** (الانبیاء۔ 17) "اگر ہم کو مشغلہ ہی بنانا منظور ہوتا تو ہم خاص اپنے پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے۔" ہاں اگر شغل محض کے ساتھ ساتھ دوسرے مصالح بھی ہوں تو اس نقطہ نظر کی کچھ گنجائش ہے۔ اس لیے کہ شغل محض تو ایسا فائدہ ہے جو حق تعالیٰ کے لیے ہو سکتا ہے اور حق تعالیٰ سبحانہ کسی بھی فائدے کے حصول سے منزہ ہیں۔ لہٰذا یہ غرض فاسد ٹھہری 'رہا دوسرے مصالح کا ہونا جو خلق کی ضرورت ہیں اور **من لدنا**(انبیاء۔ 17) سے یہ اشارہ مراد لینا کہ اس سے مراد اسماء و صفات ہیں۔ جو عین ذات باری تعالیٰ ہیں تو اللہ

18: مسائل السلوک 'ص 393

تعالیٰ نے اپنے پاس والی اشیاء کے ساتھ مشتغل ہونے سے بھی اس جملے میں نفی کی ہے[19] مگر خلق کے مصالح کے لیے اپنے اسماء و صفات کو مشہود کیا۔ یہی بات ہے جس کے صوفیاء حضرات قائل ہیں۔

سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے۔ **ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ**۝ (الحج۔ 6)" اور یہ (سب) اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی (ہستی میں) کامل ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔" یہ آیت صوفیا کے مذکورہ قول کی تصدیق کرتی ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات کے موجود ہونے اور اپنی ہستی کے کامل الذات اور کامل الصفات ہونے کا ثبوت دینے کے لیے خلق کو پیدا کیا اور محض اپنے جمال کا اظہار کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس میں دوسرے امور بھی تھے جو مقتضائے ظہور ہوئے ان ہی میں سے ایک کی طرف اشارہ ہے **اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى**(الحج۔ 6) میں اشارہ ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ تخلیق کا عمل حق تعالیٰ کے اختیاری اعمال کا اظہار ہے نہ کہ اضطراری اعمال کا۔ گویا یہ ایک بامقصد کام ہے۔ کھیل تماشا نہیں ہے[20]۔

اللہ کی ذات وصفات میں رائے سے کلام کرنا: سورہ یونس کی آیت **اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ**۝(یونس۔ 68) "(تو) کیا اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم (کسی دلیل سے) علم نہیں رکھتے۔" میں اس بات سے ممانعت کی گئی ہے کہ اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں قیاس آرائیاں کی جائیں اور تخمینے لگائے جائیں۔ ایسی بحث و تحمیص جو ذات باری کے بارے میں ہو کافرانہ فعل ہے۔ اسی طرح ذوق ادب کی تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر کرنا ممنوع ہے۔ یہ موضوع ذہنی کشتی کا موضوع نہیں اس میں ذرا سی بے احتیاطی سارے اعمال کے اکارت کر دینے کا باعث بن سکتی ہے اور یہی وہ تباہ کن بیماری ہے جس میں اکثر اہل علم اور اہل تصوف مبتلا ہیں[21]۔

19: مسائل السلوک 'ص 637

20: مسائل السلوک 'ص 654

21: مسائل السلوک 'ص 440

تشبیہ حق بالخلق: خلق کی طرح اللہ کے ساتھ رویہ رکھنے کی واحد صورت ذکر کے معاملے میں ہے جس طرح بندہ اپنے آباؤ اجداد کو اکثر یاد کرتا ہے اسی طرح اسے حق تعالیٰ کی یاد بھی کرنی چاہیئے۔ صرف اس خاص معاملے میں تشبیہ حق بالخلق جائز ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ** (البقرہ۔ 200)[22] "تو حق تعالیٰ کا (اس طرح) ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آبا (واجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو۔"

حق تعالیٰ کیلئے مثل اور مثال کا استعمال: قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے **وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى** (الروم۔ 27) "اور اسی کی شان اعلیٰ ہے" اور سورہ نور میں ہے۔ **مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ**۔(النور۔ 35) "اس کے نور (ہدایت) کی حالت عجیب ایسی ہے جیسے (فرض کرو) ایک طاق ہے "ان آیات میں لفظ مثَل "بفتحتین" استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کا اشاری مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ اگر حق تعالیٰ کے لیے بغرض توضیح کسی مثال کا سہارا لیا جائے بشرطیکہ وہ مثال اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان سے کچھ قریب ہو جائز ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کسی صنعت کا ذکر انسانوں میں پائی جانے والی کسی صفت کی شراکت کے ساتھ کرنا جائز ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفت رحم کا ذکر کرتے ہوئے کہنا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں پر ان کی ماؤں کی مانند رحیم ہے۔ ناجائز نہیں ہے۔

ان ہی ہجوں سے بننے والا لفظ مثِل بکسر میم اور سکون الثاء مشارک فی النوع کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی، اللہ کی ہیئت اور اللہ تعالیٰ کی نوع کی مثال کسی دوسری چیز سے دینا بالکل ناجائز ہے۔ قرآن کریم کی آیت۔ **لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ**۔(الشوریٰ۔ 11) "کوئی چیز اس کے مثل نہیں" سے یہ اشارہ نکالا گیا ہے[23]

مسئلہ مظہریت: اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے ظہور فرما سکتا ہے اور اس طرح ظاہر ہونے کے باوجود اس کی اطلاقی شان میں فرق نہیں آتا بلکہ سلف امت کے مطابق وہ اطلاق سے بھی مطلق اور منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ**

22: مسائل السلوک، ص 64

23: مسائل السلوک، ص 797

ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ۔(البقرہ۔ 210) "یہ (کج راہ) لوگ اس امر کے منتظر (معلوم ہوتے ہیں) کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس (سزا دینے کے لیے) آویں"مسئلہ مظہریت کے صحیح ہونے کی دلیل بتائی گئی ہے۔[24]

سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا** (یونس۔ 65) "اور تمام تر غلبہ (اور قدرت بھی) خدا ہی کے لیے (ثابت) ہے۔"اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں میں جو عزت نظر آتی ہے وہ اللہ کی عزت کا مظہر ہے۔ حقیقی عزت تو محض اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے۔ جیسے روشنی زمین پر ظاہر ہوتی ہے مگر زمین محض روشنی کا مظہر ہے حقیقت میں یہ روشنی سورج کی صفت ہے اور زمین کی صفت نہیں ہے[25]

بعض نعمتیں مخلوق کی طرف سے ملتی ہوئی نظر آتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ** (النحل۔53) "اور تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے "اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تمام نعمتیں درحقیقت حق سبحانہ کے مظہر ہیں۔ اسی کو مظہریت کا نام دیا جاتا ہے[26]

اسی مسئلے کو مظہریت صفات حق کے عنوان سے اللہ تعالیٰ کے قول **وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ** (طٰہٰ۔ 39) "اور (اے موسیٰ) میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈال دیا" سے اشارہ سمجھا گیا۔[27]

وقوع رویت: دنیا میں زندہ ہوتے ہوئے کوئی شخص ذات باری تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا جو شخص وقوع رویت کا قائل ہوگا اس کا انکار کیا جاوے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ** (النساء۔ 153) "اور (یوں) کہا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دکھا دو ان کی (اس) گستاخی کے سبب ان پر کڑک بجلی آ پڑی "اور اس کا صاف مطلب وقوع رویت کے اعتقاد کا انکار ہے[28]

24: مسائل السلوک، ص 66

25: مسائل السلوک، ص 439

26: مسائل السلوک، ص 542

27: مسائل السلوک، ص 620

قرآن کریم میں ہے کہ موسیٰ ؑ نے حق تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے یا رائے نظر مانگا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا **قَالَ لَنْ تَرٰنِیْ** (الاعراف۔ 143) " ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔" اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ دنیا میں رویت الٰہیہ نہیں ہو سکتی اور جو شخص اس کا مدعی ہے یا فریب خوردہ ہے یا دوسروں کو فریب دینا چاہتا ہے۔ صاحب مسائل السلوک شب معراج کی رویت کے قائل ہیں لہٰذا اس حکم سے اس کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔(29)

فرمان باری تعالیٰ ہے **اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا** (الکہف۔ 2) " (یہ) خوش خبری دے کہ ان کو اچھا اجر ملے گا۔" سے اشاری مراد رویت باری تعالیٰ اور حق تعالیٰ کا بلا حجاب مشاہدہ مراد لیا گیا ہے (30)

اگلی آیت سے یہ منشا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمیشہ ملا رہنے والا اجر یعنی رویت و مشاہدہ موت کے بعد ہوگا دنیا میں نہیں۔ ارشاد ہے **مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا** ○ (الکہف۔ 3) " جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے " اور ابدی زندگی موت کے بعد ہی ہوگی۔

وحدۃ الوجود کا عقیدہ: امام غزالیؒ نے نور سے وجود مراد لیا ہے۔ آپ نور کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ظاہر **بنفسه و مظهر لغيره** یعنی حق تعالیٰ اپنی ذات میں تو ظاہر ہے مگر اپنے غیر کے ذریعے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یعنی اس کی ذات کے اظہار کے لیے کسی وجود کی ضرورت ہے اسی کو وحدت الوجود کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے فرمان **اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ط (النور۔ 35) " اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا "کا اشاری مطلب اللہ وجود السموات والارض لیا گیا ہے۔ صاحب مسائل السلوک نے امام غزالیؒ کے اس قول کو تسلیم کیا ہے (31)

قرآن کریم کی آیت **كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ** (القصص۔ 88) " سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں سوائے اس کی ذات کے "کا وہی اشاری مفہوم تسلیم کیا گیا ہے جو روح المعانی

28: مسائل السلوک ، ص 212
29: مسائل السلوک ، ص 345
30: مسائل السلوک ، ص 583
31: مسائل السلوک ، ص 697

میں علامہ آلوسی نے بیان کیا ہے۔

وجہ حق سے مراد ذات حق ہے۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ہر موجود ہالک ہے یعنی معدوم ہے مراد یہ کہ کالمعدوم ہے۔ اس لیے کہ کوئی وجود بھی ذاتی نہیں ہوتا اس لیے ہر وقت قابل عدم ہوتا ہے۔ اور ہر وجود کی حیثیت ایسی ہے جیسے وہ کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ وحدۃ الوجود کا یہی مفہوم ہے اور اس آیت کو اس مسئلے کی دلیل سمجھا گیا ہے (32)

صاحب مسائل السلوک نے اہل غلو کے وحدۃ الوجود کے بارے میں دلائل کو مسترد کردیا ہے جو کہتے ہیں کہ جب کفار نے تمام الٰہہ کو "الٰہ واحد ماننے سے انکار کیا ہوگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متذکرہ بالا وحدت کا دعویٰ کیا ہوگا۔ قرآن کی اس آیت نے یہ مفہوم اخذ کیا گیا ہے۔ **اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا** صلے (ص۔ 5) "(اور) کیا (یہ شخص سچا ہو سکتا ہے کہ) اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا۔"

حالانکہ اس آیت مبارکہ میں ایک اللہ کے علاوہ باقی سب خداؤں کی نفی فرمائی گئی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سب کے اتحاد کا دعویٰ کیا گیا ہو (33)

اسی طرح کا باطل استدلال قرآن کریم کی آیت **وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا** ط (ص۔ 27) "اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان موجود ہیں ان کو خالی از حکمت پیدا نہیں کیا" کے ساتھ حدیث تقریری **الا كل شئى ما خلا الله باطل** کو ملا کر کیا گیا ہے۔ جبکہ حدیث میں آنے والے لفظ "باطل" کو ماسوائے اللہ کے معنوں میں لیا گیا ہے اور آیت کا معنی ہے کہ مخلوق باطل نہیں ہے۔ دونوں کے مفہوم پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ مخلوق ماسوئ اللہ نہیں ہے۔ یہ طرز استدلال ہی باطل ہے اس لیے کہ قرآن کریم میں لفظ باطل سے مراد بے فائدہ اور حدیث میں "بے بقا" کے ہیں۔ یعنی مخلوق بے بقا ہے بے فائدہ نہیں اس لیے پوری بحث ہی بے کار ہے (34)

32: مسائل السلوک ، ص 776
33: مسائل السلوک ، ص 883
34: مسائل السلوک ، ص 886

شرک سے مراد

بعض کے نزدیک ریا کو' نظر علی الاسباب اور اعتماد علی الاسباب کو شرک کہا جاتا ہے بعض کے ہاں حق تعالیٰ کی معصیت اختیار کر کے خلق کی اطاعت کرنا شرک ہے۔ بعض نے اللہ کی ذات' صفات' اختیارات اور اعمال میں شریک کرنے کو شرک کہا ہے۔ اسی میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے ۔ جس میں قبر پرستی' غیر اللہ کے نذر اور نذرانے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی ایسی ہستی ہو سکتی ہے جو اللہ کے راضی کرنے میں کچھ اختیارات رکھتی ہے۔ یعنی وہ ہستی اس قدر بااختیار ہے کہ اللہ کے لیے اس کی ماننے بغیر چارہ کار نہ ہے ایسا اعتقاد رکھنا بھی شرک ہے اور بعض صوفیاء کے ہاں تو غیر اللہ کی طرف محض التفات کرنا بھی شرک ہے۔ یہ تمام اشارات اللہ تعالیٰ کے قول **وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ** (یوسف :106) " اور اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں" کے سلسلے میں بیان کیے گئے ہیں (35)

مشرکین ناپاک اور نجس لوگ ہوتے ہیں ان میں غیر اللہ کی طرف میلان رکھنے اور ان کو اہمیت دینے کی گندگی ہوتی ہے۔ اسی زمرے میں دنیا کے دلدادہ لوگ اور ایسے تمام لوگ آجاتے ہیں جو صوفیاء کی عظمت سے انکار کرتے ہیں۔ اہل حق کو چاہیے کہ ایسے پلید لوگوں سے کنارہ کش رہیں۔ یہ اشارہ سورہ توبہ کی آیت سے لیا گیا ہے۔ **اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا** (التوبہ۔ 28) " مشرک لوگ (بوجہ عقائد خبیثہ) نرے ناپاک ہیں سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پاویں"

شرک کی ایک اور اہم قسم غیر اللہ سے مدد طلب کرنا ہے۔ ایسا استغاثہ زندوں سے بھی کیا جاتا ہے اور مردوں سے بھی۔ زندوں سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کی توقع رکھی جاتی ہے۔ اور مردوں سے بھی۔ افسوسناک صورت یہ ہے کہ یہ بلا کثرت سے پھیل

35: مسائل السلوک ' ص 496

چکی ہے۔ قرآن کریم میں اس قسم کے شرک کے خسران کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ **وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ** (رعد۔ 14)(اور اس کے (یعنی خدا کے) سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے کہ جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو تاکہ وہ اس کے منہ تک (اڑ کر) آجاوے ۔"یعنی لوگ بلا وجہ اپنے نقصان میں محو رہتے ہیں (36)

اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کو جو احوال و واردات کی صورت میں ہو سکتی ہے اپنی طرف منسوب کر کے اس پر خوشی کا اظہار کرنا مذموم ہے۔ اگر وہ نعمت کسی دوسرے انسان سے بظاہر ملی ہے تو استحضاراً یعنی اس واقع کو انسان کی نسبت سے بیان کرنا بھی قابل مذمت ہے۔ اسی معاملے کی زیادہ سنگین صورت وہ بنتی ہے جب اعتقاد بھی یہ رکھا جائے کہ کسی غیر اللہ نے وہ نعمت عطا کی ہے 'اس وقت یہ شرک اور کفر ہے۔ یہ اشاری مطلب قارون کے بارے میں نازل ہونے والے اللہ کے ایک حکم سے لیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ **اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ** (القصص۔ 76) " جب کہ اس کو اس کی برادری نے (سمجھانے کے طور پر) کہا کہ تو (اس مال و حشمت پر) اترا مت "اور قارون نے کہا تھا۔ **اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ** (القصص۔ 78) " مجھ کو تو یہ سب کچھ ذاتی ہنر مندی سے ملا ہے "اور اس کا یہی جرم اس کو زمین میں دھنسانے کا باعث بنا تھا۔ صاحب مسائل السلوک اللہ کی نعمت کا ذکر کرنے کا طریقہ یہ بتاتے ہیں کہ کہنا چاہیے کہ اللہ کے فضل اور رحمت سے اس کو یہ چیز اور نعمت ملی ہے اور پھر اس پر خوش ہونا جائز ہے (37)

<u>شرک اور شرکت فی المحبت</u> :غیر اللہ کی محبت حق تعالیٰ کی محبت کے منافی نہیں ہے ۔جو لوگ شرکت فی المحبت کو شرک قرار دے دیتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں۔ غیر اللہ کی

36: مسائل السلوک ' ص 501

37: مسائل السلوک ' ص 773

محبت اگر اللہ کی محبت سے کم اور اللہ کی محبت کے تابع رہے تو یہ کسی درجے میں بھی معیوب تک نہیں ہے۔ البتہ جب غیر اللہ کی محبت اللہ کی محبت پر سبقت لے جائے' خدا کی محبت سے شدید تر ہو جائے' خداوند کریم کی نافرمانی معمولی نظر آنے لگے اور غیر اللہ سے شغل اچھا لگنے لگے اس وقت غیر اللہ کی محبت شرک ہو گی' اللہ کے فرمان **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ط وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ** ط(البقرہ۔ 165) " اور ایک آدمی وہ (بھی) ہیں جو علاوہ خدائے تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک (خدائی) قرار دیتے ہیں' ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے (رکھنا ضروری ہے) اور جو مومن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قوی محبت ہے" سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ شرکت فی المحبت شرک نہیں بلکہ دونوں محبتوں کا پایا جانا ممکن ہے اور جب تک اللہ سے محبت اشد ہے غیر اللہ سے محبت میں کوئی قباحت نہیں[38]

چیزوں کا غیر اللہ کے نامزد کرنا: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کے نام پر کوئی چیز قربان کرنا' کسی خاص قبر' مقام یا کسی مخصوص کے نام کوئی چیز لگا دینا اور اس کے جسم پر یا اس کے گلے میں کوئی ایسی نشانی ڈال دینا جس سے اس کی نامزدگی کا علم ہوتا ہے' شرک کا عمل ہے۔ بس جہلا پاکیزہ روحوں کے ساتھ دوستی گانٹھنے کی غرض سے اس قسم کی نامزدگیاں کرتے ہیں یہ سب اہل جاہلیت کی بدعتیں ہیں اور باطل ہیں اور بدعت حقیقت میں شرک ہی کا دوسرا نام ہے۔ یہ اشاری مفہوم سورہ مائدہ کی اس آیت کا ہے۔ **مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ** لا ۔(المائدہ۔ 103)[39] " اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو' نہ حامی کو"

ابطال ربوبیت کے انداز: شرک کی قسم کے مطابق اس کے رد میں رویہ اختیار کرنا تقاضہ حکمت ہے۔ شرک کی بعض قسمیں نرم رویہ کی متقاضی ہوتی ہیں اور بعض کے خلاف انتہائی سخت لہجے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض کے لیے نرمی کی اور بعض کے لیے خشونت

38: مسائل السلوک صفحہ نمبر 52
39: مسائل السلوک صفحہ نمبر 259

کی ضرورت ہوتی ہے۔ اشارے کی زبان میں یہ حکیمانہ طرز سورہ الانعام کی آیت **وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ** ۔(الانعام۔ 74) " اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے فرمایا" سے اور **فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا** ج ..... **مِمَّا تُشْرِكُونَ** ○(الانعام۔ 76۔ 78) "پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھائی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا.......... تمہارے شرک سے" سے اخذ کیا گیا ہے۔ جب ربوبیت کواکب کا مقام آیا تو اللہ کے نبی نے نرم لہجہ اپنایا۔ ایک ایک لفظ کے بعد انتہائی نرم عنوان کے ساتھ ایسے نتائج بیان کرتے گئے جو ربوبیت اور الوہیت کے منافی تھے اور نرمی اس لیے اختیار فرمائی کہ لوگ آپ کی دلیل کی طرف دھیان دے سکیں۔ ان باتوں پر غور کر کے جو نتیجہ آپ نے نکالا ہے' اس کی صحت کو قبول کر سکیں اور اس انداز کی حاجت اس لیے بھی تھی کہ اگر آپ اس خفی ربوبیت کے بطلان میں سختی کرتے تو لوگوں کے انکار اور عناد کے بڑھ جانے کا خطرہ تھا۔ اس کے مقابلے میں شرک اصنام کے رد کے لیے آپ نے سخت انداز اپنایا صاف صاف بات کی۔ اپنے باپ سے کہہ دیا۔ **إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ** " بے شک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح غلطی میں دیکھتا ہوں" (الانعام - ۷۴) اس لیے کہ یہ تو آپ کے والد صاحب خود اپنے ہاتھوں سے پتھروں کو گھڑ کر بناتے تھے ان کی ماہیت اور اصلیت سے باپ بیٹا دونوں اچھی طرح واقف تھے۔ یہاں ستاروں جیسی کیفیت نہ تھی' اس لیے آپ نے بلا کسی تمہید اور بحث کے فرما دیا' کہ ابا جان آپ اور آپ کی قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔ یہ اشارات روح المعانی کے مطابق ہیں[40]

نداءِ غیر اللہ بطور استغاثہ: شرک کا ارتکاب تین قسم کی چیزوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ایک وہ اصنام اور تصاویر جو مرجع پرستش ہوتی ہیں دوسرے وہ اشخاص یا ارواح یا معانی جن کی نمائندگی اصنام اور تصاویر کرتی ہیں اور تیسرے وہ اعتقادات جو مشرکانہ عبادات و

اعمال کی تہہ میں ہوتے ہیں۔ قرآن تینوں پر حسب ضرورت ضرب لگاتا ہے۔ سورہ الاعراف میں اصنام کا ذکر کیا ہے کہ وہ اسی طرح مملوک ہیں جس طرح تم مملوک ہو یعنی بتوں میں اور ان دوسروں میں جن کو تم اللہ کے سوا بطور استغاثہ پکارتے ہو کوئی فرق نہیں دونوں حق سبحانہ وتعالیٰ کے مملوک اور غلام ہیں وہ سب خود اللہ کے محتاج ہیں تمہاری مدد کیوں کر کر سکتے ہیں۔ یہ اشارہ **اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْھُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ** (الاعراف۔ 194)۔ "واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں، سو تم ان کو پکارو، پھر ان کو چاہیے کہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو" سے لیا گیا ہے۔ اس اشاری مفہوم کے مطابق تمام غالی جاہل گروہوں کے طور اطوار باطل قرار پاتے ہیں جو مدد کے لیے مختلف انسانوں کو ندائیں دیتے ہیں یا ندائیہ انداز سے غیر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

غیر اللہ پر نظر اور عجب کرنا: غیر اللہ سے امیدیں وابستہ کرنا، ان پر انحصار کرنا اور ان کے میسر آجانے پر غرہ کرنا کسی کام نہ آنے والی یعنی بے فائدہ بات ہے۔ اس حالت میں انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی بجائے غیر اللہ کا اعلیٰ مقام پیدا ہو جاتا ہے۔ جو شرک ہی کی طرح کی چیز ہے۔ جب انسان اس غرے کو اور عجب کو ترک کردیتا ہے یعنی شرک کے پھندے سے باہر نکل آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا قلاوہ اپنی گردن میں ڈال لیتا ہے تو اس پر اطمینان و تسلی کا نزول ہوتا ہے۔ پھر وہ اللہ کی مرضی کے تابع ہو کر لذتوں کو فنا کر کے حق تعالیٰ کی معیت کے مقام میں پہنچ جاتا ہے۔ شرک اور اس سے اجتناب کے لیے یہ علاج سورہ التوبہ کی پہلے گذر چکی آیات **اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا** (توبہ۔ 25) سے شروع کر کے **ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ** (توبہ۔ 26)۔ والی آیت کے آخر تک کے اشاری مفہوم سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ آیات حق تعالیٰ کی معرفت کے تحت پہلے بھی بیان کی جا چکی ہیں فرق صرف یہ ہے کہ وہاں اثباتی انداز تھا اور یہاں سلبی ہے (41)

41: مسائل السلوک، ص 393

مشرکین نجس اور پلید ہوتے ہیں ان سے میلان رکھنا منع ہے۔ یہ لوگ حضرت حق کے لائق نہیں ہوتے۔ ان سے اختلاط میں دین اور دنیا دونوں کا نقصان ہے۔ یہ اشارہ سورہ توبہ کی آیت **اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ** (توبہ۔ 28) سے لیا گیا ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ (42)

غیر اللہ سے ازالہ ضرر کی توقع: اللہ کے سوا کسی کو ضرر ہٹانے والا قرار دینا صریح شرک ہے۔ مستقل طور پر ضرر کو کسی سے ہٹانا صرف حق سبحانہ وتعالیٰ کا اختیار ہے۔ یہ کام مقبولین یعنی انبیاء کرام بھی نہیں کر سکتے۔ یہ اشارہ ہے آیت **وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ** ط۔ (الانعام۔ 17) " اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچا دیں تو اس کا دور کرنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں" میں اس اشارے سے اس خیال کی تردید کی گئی ہے۔ جو جہلا کا خیال ہے کہ خدا جس کو پکڑے چھڑالے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور محمدؐ کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا (43)

42: مسائل السلوک، ص 394

43: مسائل السلوک، ص 270

رسالت

انبیاء اور رسل عبد ہوتے ہیں: تمام انبیاء و رسل جسم و روح کے لحاظ سے اسی طرح بندے ہوتے ہیں۔ جیسے دوسرے بندے ہوتے ہیں۔ وہ فرشتے یا الٰہ نہیں ہوتے اور نہ ہی اللہ کے ساتھ الوہیت میں شریک ہوتے ہیں۔ ان کی ساخت کسی مختلف مادے یا نور وغیرہ سے نہیں ہوتی۔ اس بات کی طرف اللہ کے قول **لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ** (النساء۔ 172) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ " مسیح ہرگز خدا کے بندے بننے سے عار نہیں کریں گے۔"(1)۔

انبیاء کے لیے دیگر اصطلاحات بھی استعمال کی گئی ہیں۔ مثلاً رسول، مقبولین، کاملین اور اہل اللہ وغیرہ ان سب کا معنی اور مراد وہی ہے جو لفظ نبی سے مراد ہے۔

اہل اللہ کا توکل اور تعلق باللہ سے: غلبہ کی تفسیر قوت قلب سے کی گئی ہے اور اہل اللہ کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ اسباب مغلوبیہ، دنیوی نفع اور نقصان کے اسباب خواہ کس قدر زیادہ ہوں اور کس قدر طاقت ور ہوں اہل اللہ، اللہ پر توکل اور ذات باری کے ساتھ انتہائی گہرے تعلق اور رابطے کی بدولت ان اسباب سے بالکل محفوظ رہتے ہیں ان کو کسی قسم کا ضعف اور مسکنت لاحق نہیں ہوتی۔ اس بات کو **فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ**۔ (المائدہ۔ 56)" سو اللہ تعالیٰ کا گروہ بلا شک غالب ہے" سے اخذ کیا گیا ہے (2)۔

1: مسائل السلوک، ص 217

2: مسائل السلوک، ص 244

انبیاء کا حافظ: انبیاء کا حافظ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ انسان خواہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو خود اپنے بل بوتے پر باطل کے طوفانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا جب تک اللہ کی مدد اور اس کی توفیق شامل حال نہ ہو۔ انبیاء کے علاوہ تو کسی کو اپنی باطنی نسبت اور اپنے تقدس پر ناز کرنے کا کوئی حق ہی نہیں پہنچتا۔ عین ممکن ہے کہ اس کا تقدس ہی ایک موہوم چیز ہو، یہ تصوف کا نقطہ قرآن کریم کی آیت **وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا** ○ یعنی" بعید نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے۔"(3)(بنی اسرائیل۔ 74)

اہل اللہ کی مخالفت: سورہ بقرہ کی آیت **يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** ج (البقرہ۔ 9)" چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں" کی تفسیر سے اشاری مفہوم لیا گیا ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا خود اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے۔ اہل اللہ سے عداوت رکھنا یا ان سے دھوکہ بازی کا رویہ اختیار کرنا خداوند کریم سے دشمنی کرنے اور رب کریم سے دھوکا کرنے کے مترادف ہے (4)۔

اہل اللہ کی مدد کرنا ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ کی مدد کرنا ہے۔ قرآن کریم کی آیت میں ہے کہ جب عیسیٰؑ نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر وانکار پر آمادہ ہیں تو **قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ** (آل عمران۔ 52) " تو آپ نے فرمایا کہ کوئی ایسے آدمی بھی ہیں جو میرے مددگار ہو جاویں اللہ کے واسطے " اس کلمہ کے جواب میں یہ نہیں کہا گیا تھا کہ **نحن انصاری الی اللہ** یعنی کہ ہم اللہ کی خاطر تمہاری مدد کرنے والے ہیں۔ بلکہ یوں جواب میں کہا گیا **نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ** (آل عمران۔ 52) " ہم اللہ کے مددگار ہیں"

اشاری مفہوم نکالا گیا ہے کہ اللہ والوں سے کوئی معاملہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے خود ذات باری تعالیٰ سے کیا جائے (5)۔

3: مسائل السلوک، ص 576

4: مسائل السلوک، ص 5

5: مسائل السلوک، ص 114

ایسا ہی معنی آیت حرابہ سے اخذ کیا گیا۔ جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول سے لڑنا ایک ہی بات ہے۔ یعنی جو اللہ سے لڑتا ہے وہ گویا اللہ کے رسول سے لڑائی لڑتا ہے، اور جو اللہ کے رسول سے محاربہ کرتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ سے لڑ رہا ہو۔ یہ اشارہ **اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ...... عَذَابٌ عَظِيْمٌ** (المائدہ۔ 33) "جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں ......عذاب عظیم ہوگا" سے متعلق ہے۔(6)

۔ سورہ بقرہ کی آیات **مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ (الی قولہ) فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ** ○ (البقرہ۔ 98) "جو (کوئی) شخص حق تعالیٰ کا دشمن ہو اور فرشتوں کا (ہو) (الی قولہ) تو اللہ تعالیٰ دشمن ہے ایسے کافروں کا" اس پر صریحاً" دلالت کرتی ہے کہ اللہ کے رسولوں کے ساتھ دشمنی کرنا خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ دشمنی کرنا ہوتا ہے (7)۔ ان اشارات سے اہل اللہ کے مقام و مرتبے اور اس میں احتیاط کیے جانے کا پہلو نمایاں ہے اسی لیے انبیاء کی شان میں بھول کر بھی گستاخی نہ کرنی چاہیے۔

امور طبعیہ اور کاملین: انبیاء اور رسل کاملین کہلاتے ہیں' خطا و نسیان کے نقصانات سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں' گناہوں سے مبرا اور پاک ہوتے ہیں۔ مگر طبعی امور کے اثرات ان پر بھی پڑتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ** ط۔ (البقرہ۔ 214)۔ "ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ (اس زمانے کے) پیغمبر تک اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے بول اٹھے کہ اللہ کی امداد (موعود) کب ہوگی" گویا یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ مصائب و آلام میں گھبرانا اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے لیے جلدی کی خواہش کرنا ایک طبعی امر ہے جو انبیاء کو بھی لاحق ہوتا ہے۔(8)

سورہ توبہ کی آیت **وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۙ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ** ط

6: مسائل السلوک' ص 233
7: مسائل السلوک' ص 31
8: مسائل السلوک' ص 68

"اور مومنوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے قلوب کی جلن مٹا دے گا۔" (التوبہ۔ 14۔ 15) اس آیت سے مذکورہ بالا اشاری معنوں کی تصدیق ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ طبعی امور مطلوب ہیں اور بہت ضروری ہیں اگر انسان میں غضب اور غصہ نہ رہے تو پھر جہاد و قتال کے لیے آمادگی ممکن نہ رہے(9)۔

اہل اللہ کے طریقوں سے ہٹنا: اہل اللہ کے طریق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے سورہ آل عمران کی آیت **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ** ج (آل عمران۔ 90) "بے شک جو لوگ کافر ہوئے اپنے ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے رہے کفر میں ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔" سے یہ اشاری مفہوم اخذ کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ کے نیک بندوں کی راہ چلنا شروع کرتا ہے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد کسی وجہ سے اس راہ سے ہٹ جاتا ہے تو پھر اس کی رسی ڈھیلی چھوڑ دی جاتی ہے اس طرح وہ دور سے دور تر ہوتا چلا جاتا ہے' اسے اس راہ کی طرف لوٹنے کی توفیق نہیں رہتی۔ بعض اوقات وہ اہل طریق سے عداوت و نفرت کرنے لگ جاتا ہے۔ اس طرح دین کے ایک بڑے حصے سے محروم ہو جاتا ہے اور توبہ کی توفیق اس سے ہمیشہ کے لیے سلب ہو جاتی ہے(10)۔

انبیاء کی قدرت و علم: انبیاء کو علم غیب حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی انہیں اپنے نفع اور نقصان پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کیا گیا ہے۔ **قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ** ج صلے ۔ (الی قولہ) **يُّؤْمِنُوْنَ** ○ (الاعراف۔ 188) "آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کرلیا کرتا (الی قولہ) جو ایمان رکھتے ہیں" آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ نبی کو یہ

9: مسائل السلوک' ص 390
10: مسائل السلوک' ص 124

بات بالکل معلوم نہیں ہوتی کہ اس کے اور اس کے بچوں کے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے ورنہ وہ کئی قسم کے آنے والے نقصانات سے اپنے آپ کو بچا لیتا۔ اس میں ایسے جاہلوں کے لیے نصیحت ہے جو اپنے پیروں کے لیے ایسا گمان رکھتے ہیں (11)

انبیاء اور تکالیف شرعیہ: انبیاء علیہم السلام شریعت کے احکام پر عمل کرنے سے مستثنٰی نہیں کیے گئے۔ وہ بھی اللہ کے سامنے آخرت کی جواب دہی کے لیے اسی طرح مجبور ہیں جیسے دوسرے لوگ۔ انبیاء کا یہ حال ہو تو پھر کون مائی کا لال ایسا ہو سکتا ہے جس کو شریعت کے احکام سے مستثنٰی کیا گیا ہو، قرآن میں ارشاد ہے! **فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى** ○ (طٰہٰ۔ 16) "سو تم کو اس (قیامت) سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پاوے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی نفسانی) خواہشوں پر چلتا ہے۔ کہیں تم (اس بے فکری کی وجہ سے) تباہ نہ ہو جاؤ۔" آیت کا اشاری مفہوم شریعت کے احکام سے اباحت کی نفی کرتا ہے اور پیروں وغیرہ کے لیے اس نظریے کو باطل قرار دیتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوتا ہے۔ **فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ** ○ "پس اے محمدؐ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو، ورنہ تم بھی سزا پانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔" (الشعراء۔ 213) اس آیت میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ کسی نبی سے تکالیف شرعیہ ساقط نہیں ہوتیں اور ولی جس کا درجہ نبی سے فروتر ہوتا ہے اس کے لیے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (12)

یہی مضمون **اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ** (النمل۔ 91) "مجھ کو تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے مالک (حقیقی) کی عبادت کیا کروں" سے مترشح ہوتا ہے۔

اہل اللہ کا اخلاق: اہل اللہ کے اخلاق میں عفو و درگزر کو امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔ جو عفو کرتا ہے اس کی خطائیں اسی کی نسبت سے معاف کردی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کے قول **فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ** (المائدہ۔ 45) "پھر جو شخص اس کو معاف کردے تو وہ

11: مسائل السلوک، ص 359

12: مسائل السلوک، ص 739

اس کے لیے کفارہ ہو جاوے گا" سے اہل اللہ کے اخلاق کی یہ امتیازی صفت اخذ کی گئی ہے (13)

حضورؐ کو محبوب عرفی کہنا: قول اللہ تعالیٰ کا **وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** ○ (الانعام۔ 87) "اور ہم نے ان (سب) کو مقبول بنایا اور ہم نے ان سب کو راہ راست کی ہدایت کی" اس اشاری معنی کا حامل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان معنوں میں معشوق کہنا جو جہلاء میں رائج ہیں غلط ہے بلکہ اس لفظ کے گندے معنوں کے اعتبار سے حرام ہے۔ اجتباء اور جلب سے مراد شوق سے چن لینا ہوگا جس میں محبت اور کشش تو ہو گی مگر گندا مفہوم جو عاشقی میں ہے وہ نہ ہوگا (14)

عبدیت کی عظمت و شرف: شرف و عزت کے اعتبار سے عبدیت کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ کسی نوع کی مخلوق کی کرامت اس میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں دوسروں سے بڑھی ہوئی ہو۔ یہ اشارہ اس مکرر آیت سے اخذ کیا گیا ہے **لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ** ط (النساء۔ 172) اس کی تصدیق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے ہوتی ہے **اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ** کہ جب آپ نے اپنے بندہ ہونے کا فخریہ ذکر کیا ہے اور یہ بات سورہ مریم میں ہے (مریم۔ 30) (15)

سورہ کہف کی پہلی ہی آیت اس مفہوم کو تقویت پہنچاتی ہے، ارشاد ربانی ہے۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا** ○ط (الکہف۔ 1) "تمام خوبیاں اس اللہ کے لیے (ثابت) ہیں جس نے اپنے (خاص) بندے پر (یہ) کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرہ بھی کجی نہیں رکھی" اس میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ عبدیت کا مقام تمام مقامات سے بلند ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اعلیٰ

13: مسائل السلوک، ص 240

14: مسائل السلوک، ص 288

15: مسائل السلوک، ص 217

مرتبے پر فائز ہیں۔ گویا اس مقام سے ہٹا کر آپ کو کسی اور مقام پر فائز کرنا نور وغیرہ قرار دینا آپ کو اعلیٰ مقام سے گرانے کے مترادف ہے۔[16]

عصمت انبیاء اور تصرف شیطانی: انبیاء کی عصمت تسلیم شدہ حقیقت ہے لہٰذا نبی سے کوئی ایسی لغزش نہیں ہو سکتی جو شریعت کے اعتبار سے معصیت یعنی گناہ قرار پائے۔ مگراس کے ساتھ ساتھ اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ نبی کی عصمت کے ساتھ تصرف شیطانی بھی ممکن ہے۔ مگر اس تصرف کی بنا پر نبی سے جو لغزش یا خطا سرزد ہو گی وہ اجتہادی خطا ہو گی' جس پر ثواب بھی ملتا ہے اسی لیے آدمؑ کی لغزش کی بنا پر جو سزا دی گئی وہ دونوں کے ایک دوسرے کے سامنے بدن کا کھل جانا تھا جو زوجین میں مباح ہے یعنی شرعی گناہ نہیں ہے اور اس سے یہ اشارہ نکلا کہ ایسی لغزش اخروی سزا کی موجب تو نہیں ہوتی مگر کچھ دنیوی ضرر اور تکلیف ضرور پہنچتی ہے یہ اشارہ **فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ (الٰی قوله تعالٰی) سَوْاٰتِهِمَا۔** (الاعراف۔ 20) "پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا (اللہ تعالیٰ کے قول تک) پردہ کا بدن" سے اخذ شدہ ہے۔[17]

غیر معلوم الحال کا رسول ہونا: سورہ یونس کی آیت **وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ** (یونس 47) "یعنی ہر امت کے لیے ایک رسول ہے" سے اخذ کیا گیا ہے کہ ایسے علاقے یا قومیں اور ایسے ادوار جن میں لوگوں کی اصلاح کے لیے کسی نبی کے مبعوث ہونے کا علم نہ ہو سکا عین ممکن ہے کہ ایسی اقوام میں کوئی نیک اور پارسا آدمی ایسا گزرا ہو جو اللہ کا نبی ہو۔ اس لیے کہ کسی امت کا نبی سے خالی ہونا محال ہے۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا ہے کہ کسی دور کے ایسے پارسا لوگوں کے خلاف بے احتیاطی سے گریز کیا جائے۔ اسی لیے کہ انبیاء اور مرسلین کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ مگر جن کا ذکر الہامی کتابوں میں انبیاء کے بیانات سے ہوتا ہے۔ وہ پانچ صد تک بھی نہیں پہنچتی۔[18]

16: مسائل السلوک ' ص 583
17: مسائل السلوک ' ص 316
18: مسائل السلوک ' ص 436

کاملین اور خطائے اجتہادی: کاملین سے خطائے اجتہادی کا صدور ممکن ہے تو ایسے شیوخ سے جو معصوم نہیں ان سے تو بدرجہ اتم اس کا امکان ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ اندازہ لگایا کہ ان کے بھائی نے لوگوں کو گمراہی سے روکنے میں کوتاہی کی حالانکہ ان کے بھائی کا کوئی قصور نہ تھا۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ گویا موسیٰؑ سے معاملے کو سمجھنے میں خطا ہوئی اور اس کے نتیجے میں بقول تعالیٰ **وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ** (الاعراف۔ 150) "اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر کھینچا" اس آیت سے انبیاء سے خطائے اجتہادی کے سرزد ہونے کے امکان کا اشارہ نکالا گیا۔[19]

غیر معصوم شیوخ پر امتناع خطا کا اعتقاد ایک گندہ اور قبیح اعتقاد ہے۔ بلکہ اس کو غلو قبیح کہنا بہتر ہے۔ اس لیے کہ اجتہادی خطا سے معصومین یعنی انبیاء ورسل بھی محفوظ نہیں تو ان سے فروتر درجے کے لوگ کیسے بچ سکتے ہیں۔ یہ عقیدہ قرآن کریم کی آیت **مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ** (الانفال۔ 67) "کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ اللہ کی زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو' حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے" سے اشارتی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے۔[20]

سورہ طٰہٰ میں اشارہ ہے کہ اکابرین یعنی انبیاء کی لغزش میں نفسانی خواہشات کو دخل نہیں ہوتا وہ بلاارادہ اور نیت کے سرزد ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے وہ موجب گرفت نہیں مگر انبیاء کی یہ شان ہے کہ وہ ایسے معاملات میں بھی ندامت سے مغلوب رہتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔ **وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا** (طٰہٰ۔ 40)۔ "تو نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا ہم نے تجھے اس پھندے سے نکالا اور تجھے مختلف آزمائشوں سے گزارا۔" اس آیت سے کاملین میں خطائے اجتہادی کے عقیدے کو مزید تقویت ملتی ہے۔[21]

19: مسائل السلوک ' ص 348
20: مسائل السلوک ' ص 381
21: مسائل السلوک ' ص 620

کاملین اور خوارق: انبیاء کے خوارق اللہ تعالیٰ کے اذن و اجازت سے ہوتے ہیں اور ان میں کوئی دینی مصلحت ہوتی ہے جس کی خاطروہ نبی سے سرزد ہوتے ہیں۔ خوارق کی ایک قسم خیال میں تصرف کرنا ہے جس کو مسمریزم کہتے ہیں ان کا مقصود محض دھوکا دینا ہوتا ہے۔اور یہ ہی موخر الذکر خوارق بعض اوقات دوسرے انسانوں کے ساتھ ساتھ کسی نبی پر بھی اثرانداز ہوجاتے ہیں۔ جیسے قرآن کریم میں ارشاد ہے ' **فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ** " جب انہوں نے اپنے انچھر پھینکے تو لوگوں کی نگاہوں کو مسحور کردیا"(الاعراف۔ 116) اس میں موسیٰ ؑ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جن پر اس خوارق کا اثر ہوا کیونکہ آپ کے خائف ہونے کا بھی ذکر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اہل حق بھی ایسے امور کے ابطال کی قدرت نہیں رکھتے اوران کا ایسی قدرت سے محروم ہونا ان کے باطنی کمال پر کوئی برا اثر نہیں کرتا (22)

نبی کی استقامت کامفہوم: سورہ ہود میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوتا ہے **فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا** ط(ہود۔ 112) "ٹھیک ٹھیک راہ راست پر ثابت قدم رہو اوربندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو۔"اشاری مفہوم کے لحاظ سے نبی اور غیرنبی کی استقامت کو ایک دوسری سے مختلف بتایا گیا ہے۔ عام استقامت سے مراد مخلوق کے حقوق اور خالق کے حقوق کو ادا کرنا ہے اوراستقامت سے اصل مراد ہے کثرت کاوحدت میں اور وحدت کا کثرت میں مشاہدہ کرنا۔یہ باریک بات استقامت کے اشاری معنوں سے سمجھی گئی ہے (23)

کامل اور اہل ثروت: بیان القرآن میں روح المعانی کے حوالے سے یہ بات کہی گئی ہے کہ کامل کے حق میں اہل ثروت اور اہل دنیا کے تعلقات معتبر نہیں ہیں اور ایسے تعلقات اللہ کا ولی ہونے کے لیے سد راہ بھی نہیں ہیں۔ یہ اشارہ اخذ کیا گیا ہے۔ **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً** ط (الرعد۔ 38) " اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں اور بچے بھی دیئے"(24)

22:مسائل السلوک ، ص 340
23:مسائل السلوک ، ص 472

منصب رسالت اور کمال استعداد: سورۃ الانعام کی آیت **اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ** ط" اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغمبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے۔"(الانعام۔ 124) میں منصب رسالت کے لیے دنیوی سامان اور مال و اولاد کی کثرت کو رسالت کے لیے ضروری قرار نہیں دیا گیا بلکہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی استعداد کے کمال درجے تک موجود ہونے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ منصب رسالت پر کسی کو فائز کرتا ہے۔ گویا پہلے اس میں کمال درجے کی استعداد پیدا کرتا ہے اور پھراس کے بعد اس کو نبوت کے منصب پر فائز کرتا ہے' یہ اشاری مفہوم آیت زیر نظر سے نکالا گیا ہے (25)

آیت : **وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ** ط " اگر اللہ کومعلوم ہوتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے تو وہ ضرور انہیں سننے کی توفیق دیتا"(الانفال۔ 23) اس میں استعداد کی اہمیت بیان کی گئی ہے (26)

مقبولین سے نسبت: مقبولین سے نسبت یعنی انبیاء کے ساتھ نسبت ہونا صرف اس وقت نفع دے گا۔ جب اس کے ساتھ ایمان اور اعمال صالح بھی ہوں گے۔ یہ بات اشارہ اس آیت سے معلوم ہوتی ہے۔ **وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ (الی قولہ تعالیٰ) وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ** (البقرہ۔ 48) " اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکتا ہے (اللہ تعالیٰ کے قول) اور نہ ان لوگوں کی طرفداری چل سکے گی۔" اولاد انبیاء کو اس آیت میں صاف صاف بتا دیا گیا کہ ایمان اور عمل صالح کے بغیراللہ کے ہاں کسی کا کوئی وزن اور مرتبہ نہیں ہوگا (27)

غیر اللہ کو مستقل تصرف کا حق نہیں ہے نہ انبیاء کو اور نہ ہی انبیاء کے علاوہ کسی اور کو جو بہرحال انبیاء کے مقام سے نچلے ہی درجے پر فائز ہوگا۔ یہ اشارہ **وَاِنْ يَّمْسَسْكَ**

24:مسائل السلوک ، ص 508
25:مسائل السلوک ، ص 298
26:مسائل السلوک ، ص 370
27:مسائل السلوک ، ص 16

اللہ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (الانعام۔ 17) "اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچا دیں ' تو اس کا دور کرنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور اگر تجھ کو وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) کوئی نفع پہنچا دیں تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔" سے اخذ شدہ ہے۔ اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب ضرر کو دور کرنا انبیاء کرام کے اختیار میں نہیں ہے تو پھر کسی اور کو کیا اختیار ہو سکتا ہے (28)

اسی طرح کسی کے ساتھ قدرتی اور فطری محبت کا اظہار جو کسی اپنے کے ساتھ ہوتی ہے یا قومیت کی بنا پر کسی کی مدد کرنا بھی مفید نہیں جیسے ابو طالب کے لیے مفید ثابت نہ ہوئی جو آنحضورؐ کو اوروں کے ضرر سے بچاتے تھے۔ مگر خود آپ پر ایمان نہ لائے۔ اس طرح عقلی محبت جس کا تقاضا ایمان لانے سے پورا ہوتا اس سے محروم رہے۔ یہ اشارہ سورہ الانعام ۔ 26 سے اخذ کیا گیا ہے **وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ** "اور یہ لوگ اس سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں۔"(29)

نبوت شرفا کے ساتھ خاص ہے: ولایت میں حسب و نسب کی عظمت اور بڑائی کا اعتبار نہیں۔ کمزور نسب رکھنے والا بھی اللہ کے دوست کے منصب تک پہنچ سکتا ہے۔ گویا کسی اعلیٰ اور ارفع خاندان سے نہ ہونا ولایت میں رکاوٹ نہیں مگر نبوت کا جہاں تک تعلق ہے یہ ہمیشہ شرفاء کے ساتھ خاص رہی ہے انبیاء کا خاندان ہر طرح کے عیوب سے پاک ہوتا تھا۔ نبی کی پیدائش صحیح اور جائز طریقے سے ہوتی تھی کسی نبی میں نسب کا کوئی نقص نہ پایا جاتا تھا۔وہ شریف ابن شریف ہوتے تھے۔ مگر ولایت کو شرفاء کے ساتھ مخصوص سمجھنا غلط ہے۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ (ہود۔ 27)۔"اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم میں سے بس ان لوگوں نے جو ہمارے ہاں اراذل تھے بے سوچ سمجھے تمہاری پیروی اختیار کی۔"(30)

28: مسائل السلوک ' ص 270

29: مسائل السلوک ' ص 272

نسبت مع اللہ: اللہ کے ساتھ نسبت ہو جانے کے بعد منقطع نہیں ہوتی۔ یہ ایسا مضبوط رشتہ ہوتا ہے جو ہمیشہ کے لیے قائم رہتا ہے۔ **فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا** ط(البقرہ۔ 256) "تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کو کسی طرح شکستگی نہیں (ہو سکتی)"(31)

اہل اللہ کو غیب کا علم نہیں: اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ بعض اوقات بعض واقعات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مخفی فرما لیتے ہیں غیر نبی تو بہرحال غیر نبی ہی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ **اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا** ط" خدا ان کو تمہارے خواب میں تھوڑا سا دکھا رہا تھا۔"(الانفال۔ 43)۔ واقعہ یہ تھا کہ کفار کی تعداد اگرچہ زیادہ تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کم دکھائی گئی۔ جب یہ حالت نبی کی ہے تو کسی شیخ کے کشف کو کیسے صحیح مانا جا سکتا ہے۔اسی طرح بیداری میں بھی حقیقت کا ادراک نہ کرایا گیا ارشاد ہوتا ہے۔**وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا(الٰی قولہ تعالٰی) كَانَ مَفْعُوْلًا** ط(الانفال۔ 44)۔" جب کہ مقابلے کے وقت خدا نے تم لوگوں کی نگاہوں میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا۔۔۔۔۔۔ الخ" آیات مذکورہ میں صریح بات معلوم ہوئی کہ اللہ کے انبیاء کو بھی وہی کچھ اور اتنا ہی کچھ معلوم ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ بتاتا ہے۔ غیب کا علم کسی نبی کو حاصل نہیں ہوتا چہ جائیکہ کوئی غیر نبی اس کا دعویدار ہو (32)

انبیاء اور دیگر غیر انبیاء میں سے شیوخ اور پیروں کے بارے میں جو علم غیب جاننے کے جھوٹے عقائد رکھے جاتے ہیں ان کی تردید اس طرح کی گئی ہے۔ **وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ** ○(الانبیاء۔ 109)" اب میں نہیں جانتا کہ وہ چیز جس کا تم سے وعدہ

30: مسائل السلوک ' ص 454

31: مسائل السلوک ' ص 86

32: مسائل السلوک ' ص 376

کیاجا رہا ہے قریب ہے یا دور" اس سے انبیاء کے علم غیب کی نفی ثابت ہوئی (33)۔

سورہ النمل میں اسی بات کو اس طرح فرمایا گیا" اے چیونٹیو !اپنے بلوں میں گھس جاؤ **لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ لا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ** ○ (النمل۔ 18) "کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اوراس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں۔ اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ "یعنی صاف معلوم ہوا کہ انبیاء یا اولیاء کو علم غیب نہیں ہوتا (34)۔

33:مسائل السلوک ، ص 651

34:مسائل السلوک ، ص 743

آخرت

آخرت دنیا سے اہم ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان آخرت کی دنیا کے مقابلے میں اہمیت کے معاملے میں صریح ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ** ط" جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ خرچ ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے۔" (النحل۔ 96)(1)۔

آخرت کی اہمیت کو اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ آیہ کریمہ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ** لا (النحل۔ 107)" یہ اس لیے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا۔" یہ بات ان لوگوں کے لیے کہی گئی جنہوں نے دل کی رضا مندی سے کفر کو قبول کیا غرض یہ تھی کہ دنیوی فائدے زیادہ سے زیادہ اٹھائے جائیں اس آیہ مبارک میں حب دنیا کی مذمت کی طرف اشارہ ہے مگر دنیا کی وہ محبت مذموم کی گئی ہے جو آخرت کو نظر انداز کر کے اختیار کی جائے۔ رہی دنیا سے طبعی محبت تو اس پر ملامت نہیں ہے کیونکہ طبعی محبت کے بغیر حقوق وفرائض کا سلسلہ آگے چل ہی نہیں سکتا جو تمدن کی ترقی کے لیے ضروری ہے (2)۔

آخرت سے مانع امور: دوامر آخرت میں زیادہ نقصان پہنچانے والے ہیں، پہلا گناہوں پر عمل کرنا جس کو فساد بھی کہاجاتا ہے اوردوسرا"کبر غرور" کبر کا دوسرا نام علو ہے۔ ارباب تصوف ان دونوں سے بچنے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں تاکہ آخرت کے نقصانات کو کم کر سکیں اس بات کا اشارہ سورۃ القصص کی آیت، **تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ**

1:مسائل السلوک ، ص 552

2:مسائل السلوک ، ص 554

نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ (القصص۔ 83) "وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کردیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں"[3]۔ یاد رکھنا چاہیے کہ خدا کی بندگی اور اس کے قوانین کی اطاعت سے نکل کر آدمی جو کچھ کرتا ہے وہ سراسر فساد ہی فساد ہوتا ہے اسی طرح بندے کی طرح نہ رہنا اور خدا کے بندوں کو اپنا بندہ بنا کر رکھنا کبر اور علو ہے۔

آخرت کے لائق سعی کا بیان: سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ربانی ہے' **وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۤئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا** ○ (بنی اسرائیل۔ 19) " اور جو شخص آخرت (کے ثواب) کی نیت رکھے گا اور اس کے لیے جیسی سعی کرنا چاہیے ' ویسی ہی سعی بھی کرے گا بشرطیکہ وہ شخص مومن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی یہ سعی قبول ہو گی۔" اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ آخرت کے سلسلے میں سب سے ضروری بات تو اس بات کا قائل ہونا ہے کہ آخرت منعقد ہو گی۔ اس سے مفر نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ شریعت کے موافق عمل کرنا اور پھر اس عمل کو ہمیشہ جاری رکھنا آخرت کے لیے ضروری سعی ہے[4]۔ کیونکہ شریعت سے ہٹ کر طرز زندگی اپنانا یا استقامت سے اس پر عمل پیرا نہ رہنا آخرت پر ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے۔

آخرت میں تکلم جمادات: تکلم کا تعلق حیات اور ادراک سے ہے۔ تکلم ایسی زندہ اشیاء کا فعل ہے جن میں سمجھنے کی صلاحیت ہو۔ دنیا میں جمادات صرف وجود کے ساتھ پائی جاتی ہیں مگر آخرت میں ان کی صفت تکلم کا اظہار بھی ہوگا۔ یہ اشارہ **يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا** ○ (الزلزال۔94) " اس روز وہ (اپنے اوپر گزرے ہوئے) حالت بیان کرے گی۔"[5]

ابن مردویہ ۔بیہقی میں حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

3: مسائل السلوک ' ص 775

4: مسائل السلوک ' ص 566

5: مسائل السلوک ' ص 1151

وسلم نے فرمایا :" قیامت کے روز زمین ہر اس عمل کو لے آئے گی جو اس کے پیٹھ پر کیا گیا ہو گا۔" پھر آپ نے اسی سورہ کی یہی آیات تلاوت فرمائیں۔

آخرت میں وزن کا معاملہ : مادی اشیاء کا وزن رکھنا ثابت ہے۔ دنیا میں اعمال کو وزن نہیں کیا جا سکتا صرف ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مگر قرآن حکیم کی نص اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اعمال آخرت میں تو لے جاویں گے گویا اعمال کو آخرت میں جواہر اور مادے کی حالت میں تبدیل کردیا جائے گا۔ نص قرآن ہے **فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ** ۙ ○ " پھر جس کے (اعمال) کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ "[6] ۔(القارعہ۔ 6)

ترغیب آخرت اور زہد فی الدنیا : دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا جہالت ہے۔ آخرت کے لیے جو عمل ضروری ہے اسے ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے ہی اچھا عمل نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس کا خلوص دل سے کیا جانا اس کی قیمت بڑھائے گا اور پھر ایسا نیک عمل آخرت میں کام آئے گا جس پر استقامت اور مقاومت ہو گی۔ اس لیے کہ عدم استقامت تو آخرت پر ایمان ہی کے منافی ہے اس کے ساتھ اچھا عمل کیا فائدہ دے سکتا ہے ؟ ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ ترغیب آخرت دراصل دنیا کی محبت سے دل کو ہٹانے کا نام ہے۔ سورۃ العنکبوت میں ایسی ہی ترغیب کی طرف اشارہ ہے۔

فرمان خدا ہے : **وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** ○ (العنکبوت۔ 66)" اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے۔ مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا۔ اصل زندگی کا گھر تو دار آخرت ہے کاش یہ لوگ جانتے"[7]۔

تمنائے موت کا معاملہ: موت کی تمنا مذموم نہیں بلکہ جب آخرت کے مزے لوٹنے کے شوق میں ہو تو محمود ہے جیسے اللہ کی راہ میں شہید ہوجانے کی تمنا۔ مگر یہ بات یاد رکھنے کی

6: مسائل السلوک ' ص 1152

7: مسائل السلوک ' ص 791

ہے کہ موت سے جس انعام کی توقع وابستہ کی ہے اس کے خلاف اعمال سرانجام نہ پانے چاہئیں۔ یعنی جس چیز کی تمنا ہے اسی کے شایان شان اعمال کا صدور لازمی ہے ایسا نہ کرنا مذموم ہے۔ یہ اشارات **وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ** ص :(آل عمران۔ 143)" تم تو موت کی تمنائیں کر رہے تھے! مگر اس وقت کی بات تھی جب موت سامنے نہ آئی تھی۔" (8)۔

<u>جنت کی نعمتوں کا بیان:</u> حدیث مسلم کی رو سے رویت باری تعالیٰ کو تمام اخروی نعمتوں سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ اس کا اشارہ آیت قرآن **لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ**" جن لوگوں نے بھلائی کا طریقہ اختیار کیا ان کے لیے بھلائی ہے اور مزید فضل" (یونس۔ 26) میں پایا جاتا ہے۔ یعنی ایک تو اخروی نعمتوں کو دنیوی نعمتوں پر فضیلت حاصل ہے اور پھر آخروی نعمتوں میں بھی رویت باری تعالیٰ کو باقی تمام پر فضیلت ہے (۹)۔

حق تعالیٰ کی رویت اور بلاحجاب مشاہدے کی طرف اس آیہ کریمہ میں بھی اشارہ ہے **اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا** ○ لا (الکھف۔ 2) "کہ ان کو اچھا اجر ملے گا" جس اجر کی اس آیت میں خوبی بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے **مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا** ○ "جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے" کے الفاظ میں لہٰذا اس میں کوئی کلام نہیں رہا کہ یہ اخروی زندگی میں ملنے والے انعام کی طرف اشارہ ہے (۱۵)۔

جنت کی نعمتوں میں سے خود جنت اور اس کے ساتھ ساتھ حور و قصور سب کی خواہش کرنا جائز ہے بلکہ ان کی ترغیب جا بجا دی گئی ہے۔ ایسے مدعیوں کا کہنا صحیح نہیں جو جنت کی پرواہ نہ کرنے کے دعویدار ہیں۔ مغلوب الحال لوگ البتہ معذور سمجھے جاسکتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس طرف آیت۔ **اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ○ **لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ** ○ (الصّٰفّٰت۔ 60،61)" یقیناً یہی عظیم الشان کامیابی ہے ایسی ہی کامیابی کے لیے

8: مسائل السلوک ، ص 138

۹: مسائل السلوک ، ص 431

۱۵: مسائل السلوک ، ص 583

عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے" صاف اشارہ کرتی ہے، اس سے پہلی آیات میں شراب کے بھرے ہوئے ساغروں، چمکتی ہوئی اور لذت دار شراب جو عقل و سمجھ کو نقصان نہ دے گی، خوبصورت آنکھوں والی عورتوں اور پھر ایک دوسرے ساتھی کا آپس میں محو گفتگو ہونا وغیرہ بیان کیا گیا ہے۔ گویا یہ نعمتیں ہیں جو مرغوب و مطلوب ہیں اور آیت مذکورہ میں ان سب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (۱۱)۔

سورہ زمر کی ایک آیت سے یہ اشارہ اخذ کیا گیا ہے کہ میدان حشر میں بروایت مسلم جب اللہ کے بندوں کو رویت حق ہو چکی گی تو پھر لوگ اس رویت سے ہٹ کر جنت تک کی طرف جانے سے متردد ہوں گے۔ اسی لیے لوگوں کو دھکیل کر جانے کا حکم فرشتوں کو ملے گا اور جب سب کو معلوم ہو جائے گا کہ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دوبارہ دیدار نصیب ہو گا تو پھر دوڑتے ہوئے داخل ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ جنت کی سب سے بڑی نعمت ہی ان کا مقصود و مطلوب ہو گی جو رویت الٰہیہ کی صورت میں ہو گی۔ آیت قرآن میں **وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا** ط (زمر۔ 73)" اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف روانہ کیے جاویں گے" (۱۲)۔

<u>زمائم اور موت:</u> دنیا میں کفار شکم کے بندے اور کھانے پینے کے حریص بنے رہتے ہیں۔

ایسی ہی چیزوں کی خواہش ان سے طرح طرح کے غلط کام کرواتی ہے۔ مال و دولت کو ہر جائز و ناجائز طریقے سے سمیٹنا اور پھر اس کو تجوری میں ڈالتے چلے جانا ہی کفار کا شغل ہوتا ہے۔ اللہ اور اللہ کے بندوں کے مالی حقوق کی ادائیگی سے وہ اسی لیے محروم رہتے ہیں کہ وہ دولت کی ہوس کی وجہ سے کسی نیک مقصد میں صرف ہی نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ اسی عالم میں ان کی موت واقع ہو جاتی ہے اور آخرت میں جب انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا تو دنیا سے جو روگ لے کر مرے تھے اسی کا اظہار کرنے لگے اہل جنت سے کھانا پینا مانگنے لگے۔

۱۱: مسائل السلوک ، ص 874

۱2: مسائل السلوک ، ص 906

اس سے یہ اشارہ معلوم ہوا کہ ذمائم نے ان کا پیچھا چھوڑا نہیں وہ ان کی اخروی زندگی میں بھی ان کے لیے وبال جان بنے رہے۔ اس مضمون کی آیت **وَنَادٰی اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ اَنۡ اَفِیۡضُوۡا عَلَیۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ** ط (الاعراف۔ 50) " اور دوزخ کے لوگ جنت والوں کو پکاریں گے کہ کچھ تھوڑا سا پانی ہم پر ڈال دو یا جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اسی میں سے کچھ پھینک دو۔"[13]

سماع موتٰی کا معاملہ: صالحؑ کی قوم ایک آفت میں ہلاک ہو گئی۔ قوم کے لوگ مردہ حالت میں اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے اور صالحؑ فرما رہے تھے کہ اے میری قوم **لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسَالَۃَ رَبِّیۡ وَنَصَحۡتُ لَکُمۡ وَلٰکِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِیۡنَ** ○ (الاعراف۔ 79) " میں نے اپنے رب کا پیغام تجھے پہنا دیا اور میں نے تیری بہت خیر خواہی کی مگر میں کیا کروں کہ تجھے اپنے خیر خواہ پسند ہی نہیں ہیں۔" اس آیت کو سماع موتٰی کی دلیل سمجھا گیا ہے اور اس کا اشاری مفہوم یہی متعین کیا گیا ہے کہ مرے ہوئے لوگ سماع کی قوت رکھتے ہیں۔[14]

سالک کی موت: اللہ تعالٰی کے قول **وَمَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِہٖ مُہَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ثُمَّ یُدۡرِکۡہُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ** ط (النساء۔ 100) " اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کروں گا، پھر اس کو موت آ پکڑے، تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ کے ذمہ " کی اشاری تفسیر کی گئی ہے کہ جو سالک سلوک کی تکمیل سے پہلے موت سے ہمکنار ہو جائے وہ رتبے اور قبولیت کے اسی مقام پر فائز سمجھا جائے گا جس پر کوئی سالک سلوک کی تکمیل کے بعد فائز ہوتا ہے۔[15]

موت کے غم کا مذموم ہونا: قرآن حکیم کی آیت **اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ**

13: مسائل السلوک، ص 324

14: مسائل السلوک، ص 332

15: مسائل السلوک، ص 196

عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ ط (آل عمران۔ 144) " پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے " سے یہ اشارہ اخذ کیا گیا ہے کہ کسی پیر کی وفات پر شدید رنج و غم کا اظہار کرنا اگرچہ معتقدین کا طرز ہے خواہ وہ عوام میں سے ہوں یا خواص میں سے ہوں، بہر حال مذموم ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ اب ان کے بعد کوئی دین کا حامی یا ناصر نہیں رہا یہ بھی مذموم خیال ہے، اسی طرح جو شخص کسی کے فوت ہو جانے سے متزلزل ہو جائے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس کا مشاہدہ حق کا دعوٰی ہی باطل ہے۔ اس لیے کہ وہ درمیانی واسطے میں ہی رکا ہوا تھا ابھی حق تک نہ پہنچا تھا۔[16]

عالم معاد کے اثرات: آخرت میں حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔ اعمال متشکل کر دیئے جائیں گے۔ جمادات کلام کرنا شروع کر دیں گے۔ ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے اس طرح ایک ایک اچھا یا برا عمل واضح شکل اختیار کر لے گا۔ سورہ زمر میں اشارہ ملتا ہے کہ قلوب کو جن جن لوگوں نے اپنے برے کرتوتوں سے سیاہ کیا ہو گا، وہ زنگ اور سیاہی جو دراصل دل پر تھی قیامت کو ان کے چہروں پر ظاہر ہو جائے گی اور سب لوگوں پر اس طرح ان کے قلب کی کیفیت کھل کر سامنے آجائے گی۔ ارشاد ربانی ہے۔ **وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ تَرَی الَّذِیۡنَ کَذَبُوۡا عَلَی اللّٰہِ وُجُوۡہُہُمۡ مُّسۡوَدَّۃٌ** ط (الزمر۔ 60) " آج جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ باندھے ہیں قیامت کے روز تم دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے ہوں گے۔" اس آیت میں آخرت کے روز کشف حقائق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔[17]

قطع عذاب کا نظریہ: صاحب تفسیر مسائل السلوک اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ مدت طویلہ کے بعد آگ کا عذاب لوگوں سے ہٹا لیا جائے گا۔ وہ اللہ تعالٰی کی آیات سے انکار کرنے والوں کے لیے ہمیشگی کے عذاب کے قائل ہیں۔ اپنے اس نظریہ کے لیے اللہ کے قرآن کی آیت **کُلَّمَا خَبَتۡ زِدۡنٰہُمۡ سَعِیۡرًا** ○ (بنی اسرائیل۔ 97) " جب کبھی

16: مسائل السلوک، ص 138

17: مسائل السلوک، ص 904

اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی، ہم اسے بھڑکا دیں گے " اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ عذاب نار کے منقطع ہو جانے کا نظریہ غلط ہے۔ "(18)

قبر پر قیام کا معاملہ: جس طرح نماز جنازہ کا میت کو فائدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر اس کی قبر پر آکر اس کے لیے دعا کی جائے تو اس طرح کا قیام اور دعا میت کے لیے مفید ہے اور قبر پر پہنچ کر دعا کرنا قبر سے دور رہ کر مغفرت کی دعا کرنے سے زیادہ اچھا ہے۔ مگر ایسے اشخاص جن کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہ ہو یا وہ اس قابل نہ ہوں کہ ان کے لیے دعامغفرت کی جائے ان کی قبر پر قیام کرنے کی ممانعت ہے۔ یہ اشارہ ہے آیت **وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ** (التوبہ۔ 84) " اور نہ (دفن کے لیے) اس کی قبر پر کھڑے ہو جیے " میں کہ نہ ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنا اور " نہ ان کی قبر پر کھڑا ہونا " ۔ یہ حکم خداوندی عبداللہ بن ابی اور اس جیسے دیگر فاسقین اور منافقین کے لیے ہے (19)

قتل فی سبیل اللہ کا اجر: سورہ آل عمران کی آیت **وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ** ○ (آل عمران۔157)

" اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مرجاؤ تو اللہ کی جو رحمت اور بخشش تمہارے حصے میں آئے گی وہ ان ساری چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جنہیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں " اس آیت میں اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کے لیے رحمت اور بخشش کے عطیے کا اشارہ ہے۔

اس کے ساتھ ہی دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے **وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ** ○ (آل عمران۔ 158) " اور خواہ تم مرو یا مارے جاؤ بہرحال تم سب کو سمٹ کر جانا اللہ ہی کی طرف ہے " اس آیت میں موت اور قتل کی جزاء اللہ کے پاس اکٹھا ہونے کو فرمایا گیا ہے۔ پہلی آیت میں ایسے لوگوں کے اجر کی طرف اشارہ ہے جو آگ سے بچنے اور جنت میں جانے کے لیے اللہ کی راہ میں مرتے ہیں یا مارے جاتے ہیں اور دوسری آیت میں

18: مسائل السلوک، ص 580

19: (م۔ س)، ص 410

ان لوگوں کے اجر کی طرف اشارہ ہے جو صرف اس کی ذات ہی کو مقصود سمجھتے ہیں صرف اس کے دیدار کے طلب گار ہیں جو جنت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے روح المعانی آز آلوسی میں ہے کہ اللہ سے محبت کرنے والے ان لوگوں کے لیے اس میدان میں ایک خاص قسم کی تجلی ہوگی (20)

مال کافر کی حقیقت: کافر کا مال نہ اس کو دنیا میں کوئی فائدہ دیتا ہے اور نہ آخرت میں اس کے لیے مفید ہوگا۔ کافر اپنے مال کو جس کام میں بھی لگائے گا وہ اس کے مال کا ہلاک ہوگا۔ اور ضیاع ہوگا۔ البتہ غیر کافر کا جو مال ہلاک ہوگا اس کو ایسے مال پر جو اچھی نیت کے بغیر خرچ کیا ہے اجر نہیں ملے گا مگر اس صورت میں وہ اجر کا مستحق ہوگا اگر اس نے مال کے ہلاک ہونے پر صبر سے کام لیا ہو اور ناشکری اور بے صبری سے اجتناب کیا ہو۔ یہ گویا ایسا ہوگا جو مال کی وجہ سے تو نہیں مگر صبر کی بنا پر اس کو مل جائے گا۔ مگر کافر کو ایسے صبر یا برداشت پر بھی کوئی اجر نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ " **كَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ** (آل عمران۔ 117) "مثال اس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو اور وہ ان لوگوں کی کھیتی پر چلے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔"

آیت بالا میں اس طرف اشارہ ہے کہ کافر کا مال صرف ہلاکت سے ہمکنار ہوگا اور مالک کو نہ دنیا میں اس کا کوئی فائدہ اور نہ ہی آخرت میں کسی قسم کا کوئی اجر ملے گا۔ بلکہ اس کا مال اس کے لیے وبال جان ہی ہوگا۔ (21)

سورہ توبہ میں اہل ایمان کو ڈرایا گیا ہے کہ وہ اہل دنیا کے اموال میں زینت کو مستحسن اور مفید نہ سمجھیں اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھیں کہ وہ دنیا کے مال و متاع میں مستغرق ہو کر اخروی زندگی کو فراموش نہ کر بیٹھیں جو سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ اس بات کا اشارہ اس آیت کریمہ میں ہے۔ **فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ** ط (التوبہ۔

20: مسائل السلوک، ص 143

21: مسائل السلوک، ص 131

۵۵) "ان کے مال و دولت اور ان کی کثرت اولاد کو دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ ۔" اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ دنیوی چیزیں ہی ان کو زندگی میں بھی مبتلائے عذاب رکھیں گی اور یہ ایسے کم بخت ہیں کہ جان بھی انکار حق ہی کی حالت میں دیں گے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس مال و دولت کو وہ راحت و سکون کے لیے جمع کرتے ہیں اس میں ان کے لیے راحت کا کوئی سامان نہیں بلکہ اس کو جمع کرنے اور اس کی حفاظت کے سلسلے میں طرح طرح کی مصیبتیں ہی جھیلتے ہیں ا ور ان کی مزید بد بختی یہ ہے کہ انہیں نہ ثواب کی توقع ہے اور نہ اللہ سے تعلق ہے کہ ان کی مصیبت کچھ آسان ہو جاتی ۔ (22)

22: مسائل السلوک ، ص 402

اخلاقیات

اخلاق محمودہ

اخلاق کی اصل: باب اخلاق کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ چیزے کہ برائے خود پسندی برائے دیگران مپسند" مسائل السلوک میں اس اصول کی طرف اشارہ پایا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان' **وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ** (النساء۔ 9)" لوگوں کو اس بات کا خیال کرکے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں کیسے کیسے اندیشے لاحق ہوتے۔" (1)

اخلاق کی تعلیم کا طریقہ: اخلاق کی تعلیم کی طرف سورہ نساء میں واضح اشارہ موجود ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا** ط(سورۃ النساء۔ 86)"اور جب کوئی احترام کے ساتھ تمہیں سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقے کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اسی طرح" اس آیہ کریمہ میں اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی تعلیم ہے اور اس میں اعمال کی خوبیوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ کسی شخص کو اس کے دعائیہ کلمات کا جواب اتنے ہی اور اس معنی و مفہوم والے الفاظ میں دینا اچھے اخلاق کا مظہر ہے مگر اس کو اس سے بہتر کلمات کے ساتھ دعا دینا انتہائی اچھے اخلاق کا مظاہرہ ہے۔ (2)

سورہ اعراف میں ایک جامع حکم ہے جس میں اخلاق کی تعلیم کا صحیح طریقہ تعلیم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○** (الاعراف۔ 199)" اے نبی' نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو' معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔" حضرت جعفر صادقؒ نے اس آیت کو اخلاق کی جامع آیت قرار دیا ہے۔ اس

(1) مسائل السلوک ، ص 160

(2) مسائل السلوک ، ص 190

میں اس طریقے کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ درگزر اور برداشت کے اصولوں پر عمل کیا جائے۔ ان کو شفقت سے تعلیم دی جائے اور جاہلوں کے ساتھ حلم اور بردباری سے برتاؤ کیا جائے۔(3)

اصول اخلاق کا جامع حکم: اصول اخلاق کے جامع حکم کا اشارہ آیت مبارکہ **اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ** (النحل۔ 90)۔" اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی اور بے حیائی اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔"(4) آیہ کریمہ میں تین ایسی اچھی باتوں کی طرف اشارہ ہے جن پر پورے انسانی معاشرے کی درستی کا انحصار ہے ان میں عدل، احسان اور صلہ رحمی کو بیان کیا ہے۔ عدل کا تقاضا ہے کہ ہر کسی کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی اور تمدنی حقوق پوری ایمانداری کے ساتھ ادا کردیئے جائیں۔

خدا تعالیٰ کی محبت کے ذرائع:

اعمال صالحہ: اعمال صالحہ سے دو طرح کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ اجر و ثواب کی صورت میں حاصل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ دوسرا اور اصل فائدہ اصلاح نفس کی شکل میں ملتا ہے۔ نیک کام دل میں ایک پسندیدہ قسم کی تسکین کا باعث ہوتے ہیں۔ یہی سکون آدمی کو وہ دقتیں اور تکلیفیں اٹھانے کے لیے آمادہ رکھتا ہے جو نیکی کی راہ میں پیش آتی ہیں۔ یہ اشارہ قرآن کی آیت **وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ** (البقرہ۔ 265)" جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضاجوئی کے لیے دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔" اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ دل کے ثبات و قرار کے ساتھ انجام دیئے گئے اعمال

(3) مسائل السلوک، ص 362
(4) مسائل السلوک، ص 550

ہوں گے۔ اس کے برعکس جو اعمال دکھاوے یا احسان جتلانے یا کسی گھٹیا قسم کی دنیوی مصلحت کے تحت سرانجام دیئے جائیں گے وہ بے کار اعمال ہیں ان سے اللہ کی محبت کا حصول ممکن نہ ہوگا۔(5)

اعتصام باللہ: علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں اعتصام باللہ کا جو مفہوم بیان کرتے ہیں اسی کو صاحب مسائل السلوک نے بھی پسند فرمایا ہے۔ اسباب کو ہر دو حضرات معنوی بت گردانتے ہیں۔ یعنی اللہ کے ساتھ جڑنے کے لیے کسی بھی سبب کی ضرورت نہیں اس سے قلب کشیدہ ہوجاتا ہے اور منزل دور ہو جاتی ہے وہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ نظریہ اپنا کر **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** اور اسی کو حرز جان بنا کر یعنی اس پر پورے طور پر عمل پیرا ہو کر حق تعالیٰ کی طرف دیکھنا اور یکسو ہوجانا اور اسی کی طرف پورا دھیان اور توجہ کرلینا اعتصام ہے۔ بعض صوفیاء نے ماسوئی کے ترک کا نام اعتصام رکھا ہے جبکہ آدمی اللہ کی پناہ میں آجائے۔ علاوہ ازیں اہل حقائق کو اعتصام کا کوئی خیال ہی سرے سے نہیں رہتا۔ یہ اعتصام باللہ کی وہ انتہائی شکل ہے جس کے بعد مقبوضہ کو کسی اور تعلق کی حاجت ہی جاتی رہتی ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ ہے **وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ** ○(آل عمران۔ 101)" جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا وہ ضرور راہ راست پائے گا۔"(6)

اظہار کمال برائے اظہار تشکر: فخر کی خاطر یا تکبر کا اظہار کرنے کی خاطر کسی طرح کا کوئی کمال ظاہر کرنا شیطانی فعل ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت اور فضل کو ظاہر کرنا جس سے شکر کا اظہار مراد ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کی دلیل کے طور پر ادا کیا جائے خواہ وہ ظاہر کرنے والے کا کمال دینی ہی کیوں نہ ہو جائز ہے۔ اس کا اشارہ قرآن کریم کی آیت **قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ** ○(المائدہ۔ 27)" اس نے کہا اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا

(5) مسائل السلوک، ص 90
(6) مسائل السلوک، ص 27

ہے۔" یہ الفاظ ہابیل کی زبان سے نکلے اور غرض یہ تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کریں اس لیے یہ جائز تھے۔ (۷)

تقویٰ: جاہل صوفیاء کے ہاں تقویٰ اس حالت کا نام ہے جو مال و دولت سے محروم ہونے کے بعد آدمی اپنے اوپر طاری کرلیتا ہے۔ پھٹے پرانے کپڑے یا گدڑی کا اوڑھنا اور روکھی سوکھی کھانا اور وہ بھی پیٹ بھر کر نہیں بلکہ اتنا جس سے صرف زندگی قائم رہ سکے۔ مسائل السلوک میں ہے کہ تقویٰ کامل کو مال کی وجہ سے کچھ ضعف نہیں پہنچتا خواہ اس کی مقدار کتنی ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ اس میں سے وہ حقوق ادا کردیئے جائیں جو اللہ تعالیٰ نے اس میں مقرر فرمائے ہیں۔ تقویٰ کا یہ تصور آیت کے ٹکڑے '**اِنْ تَرَكَ خَيْرًا** (البقرہ 180)" اگر وہ مال چھوڑ رہا ہو " اس مال میں سے اس کو وصیت کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور اس فعل کو متقی لوگوں کا فعل بتایا گیا ہے گویا اس میں اشارہ ہے کہ مال سے محروم ہونے کی بجائے تقویٰ تو یہ ہے کہ مال ہو اور اس کو اللہ کی مرضی سے مصرف میں لایا جائے۔ (8)

ترک تعلقات اور مصلحت: یک بارگی یعنی فی الفور تعلقات کو منقطع کردینا مصلحت کے خلاف ہے۔ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ آہستہ آہستہ تعلقات کو گھٹاتے جائیں اور اگر قرین مصلحت ان کا ترک ہی ہو تو انجام کار ایسا کرلیا جائے۔ فی الفور تعلقات منقطع کرنے سے بعض دفعہ انسان کو ندامت اٹھانا پڑتی ہے۔ بعد میں اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور پھر اس کا مکمل علاج کرنا اس کے بس میں نہیں رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے طلاق جیسی ناپسندیدہ بات پر باری باری عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی حکم سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ تعلقات کے انقطاع میں تعجیل ناپسندیدہ بات ہے۔ قرآن کریم میں اللہ کا ارشاد ہے **اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ** ص(البقرہ۔ 229)" طلاق دو بار ہے"یا ایک کے بعد دوسری بار ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کو سنبھلنے اور سوچنے کا موقع ضرور دینا چاہیے۔ (۹)

(7) مسائل السلوک، ص 231
(8) مسائل السلوک، ص 56
(۹) مسائل السلوک، ص 73

توکل: خداتعالیٰ کی محبت کا ایک ذریعہ توکل باللہ بھی ہے اور یہ اخلاق محمودہ میں اظہار محبت کا بنیادی اصول ہے۔ بعض معاملات ایسے ہیں جو ظاہری نظر سے دیکھے جائیں تو توکل کے منافی نظر آتے ہیں مگر ان کا غور سے مطالعہ اور ملاحظہ کیا جائے تو وہ توکل کے برعکس معلوم نہیں ہوتے مثلاً جب عیسیٰ ؑ نے بنی اسرائیل سے کفر محسوس کیا تو **قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ** ط **قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ** ج۔"اس نے کہا' کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے ؟ حواریوں نے جواب دیا' ہم اللہ کے مددگار ہیں۔"(آل عمران ۵۲)

اس آیہ کریمہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے دیندار بندے ہی دراصل اللہ کی مدد کے مظہر ہیں۔ اس لیے جب دین کے معاملات میں اللہ کے بندوں سے مدد طلب کی جائے گی جن کی ذمہ داری ہی یہ ہے کہ وہ دین کی مدد کریں تو ایسا کرنا توکل کے منافی نہ ہوا۔ گویا اس طرح کی مدد اللہ ہی سے طلب کی گئی ہے۔ (۱۵)

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے کچھ اسباب کے بنانے کا ذکر کیا ہے تاکہ لوگ ان کو کام میں لا کر کوئی مفید مقصد حاصل کرسکیں۔ ایسے اسباب سے نفع اٹھانا شرعاً" جائز ہے اور ان کو اسباب جانتے ہوئے استعمال میں لانا یا ان سے فائدہ اٹھانا توکل کے منافی نہیں ہے۔ جب تک کہ اسباب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی خاص کام کے کرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا رہے گا اور جب تک کہ اسباب کو یعنی نفس اسباب کو نفع یا نقصان دینے والا یا کام بنانے اور بگاڑنے والا نہ سمجھا جائے گا اس وقت تک وہ مذموم بھی نہ ہوں گے اور ان کا استعمال بھی دراصل اللہ کی ایک نعمت کا استعمال ہو گا اور منافی توکل نہ ہو گا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** ط(الانعام۔ 97)" اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا" اس آیت میں **لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ** اسباب کے اثبات کی طرف' ان کے شرعاً" جائز ہونے کی طرف 'اور ان کو اسباب ہی سمجھ کر اور اللہ

(۱۵) مسائل السلوک، ص 114

کے پیدا کردہ جانتے ہوئے استعمال میں لانے سے توکل کے معاملے میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ (11)

متوکل انسان جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے اور اس کام میں اس کا بھروسہ اپنی قوت یا مادی اسباب پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے اگرچہ وہ ضروری اسباب کو کام میں لاتا ہے۔ مصائب اس کا دل توڑتے نہیں اور نہ ہی کامیابیاں اس کو اتراہٹ میں مبتلا کرتی ہیں۔ اس کے پیش نظر دنیوی مقاصد نہیں ہوتے بلکہ اس کے سامنے تو رضائے الٰہی کا مقصد وحید ہوتا ہے۔ دنیوی اسباب سے وہ آس ہی نہیں لگاتا اسی لیے ان کی سازگاری یا ناسازگاری اس کو نہ رنجیدہ کرتی ہے اور نہ خوش کرتی ہے بلکہ اس کا سارا اعتماد خدا پر ہوتا ہے جو عالم اسباب کا حاکم ہے اور اس کے اعتماد پر وہ ناسازگار حالات میں بھی عزم وہمت کے ساتھ کام کیے چلا جاتا ہے اس بات کی طرف آیت کریمہ **قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ج ھُوَ مَوْلٰنَا ج وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○** (التوبہ 51) "کہو ہمیں ہرگز کوئی (برائی یا بھلائی) نہیں پہنچتی مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے۔ اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے اور اہل ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔" میں اشارہ کیا گیا ہے گویا اس میں توکل کرنے کا صریحاً حکم دیا گیا ہے۔ (12)

تدبیر **ماذون فیہ** توکل کے منافی نہیں۔ اس بات کا اشارہ حضرت یعقوبؑ کی اس تدبیر میں ملتا ہے۔ جس میں آپ نے اپنے اس بیٹے کو جو یوسفؑ کے یامین نام کے بھائی تھے، دوسرے بھائیوں کے اصرار پر ان کے ساتھ روانہ کرنے پر رضامندی ظاہر کی مگر پہلے ان سے اللہ کے نام پر یہ پیمان لیا کہ وہ اسے اپنے باپ کے پاس ضرور واپس لائیں گے۔ اس طرح کے پیمان لینے کی کوئی تدبیر جس پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا جائے توکل کے منافی نہیں ہے۔ قرآن کریم میں یہ بات سورہ یوسف کی اس آیت میں ہے۔ **قَالَ لَنْ اُرْسِلَہٗ مَعَکُمْ حَتّٰی تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰہِ** (یوسف۔ 66) "میں اس کو ہرگز تمہارے ساتھ

(11) مسائل السلوک، ص 291

نہ بھیجوں گا، جبتک کہ تم اللہ کے نام سے مجھ کو پیمان نہ دیدو۔" گویا کسی کام کو اللہ کے بھروسے پر کرنے کے لیے کوئی تدبیر رکاوٹ نہیں ہے اس لیے کہ کام کرتے ہوئے اس کا اعتماد صرف اللہ پر ہوتا ہے تدبیر پر نہیں ہوتا، ہاں اگر اعتماد ہی کا دارو مدار تدبیر پر ہو تو پھر ایسی تدبیر اور توکل ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ بلکہ یہ تدبیر توکل کو مٹا ڈالے گی۔ (13)

توبہ اور خدا تعالیٰ کی محبت: توبہ نام ہی اللہ کی طرف رجوع کرنے اور لوٹنے کا ہے۔ انسان جب اپنی خطاء کو تسلیم کرکے اس پر نادم ہوتا ہے اور پھر آئندہ اس کے دہرانے سے باز رہنے کا وعدہ اپنے مالک حقیقی سے کرتا ہے تو یہ عمل توبہ کہلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی خطا کار کے تائب ہونے پر اس سے راضی ہو جاتا ہے اور اس پر اپنی عنایات کی بارش دوبارہ برسانا شروع کردیتا ہے اس طرح توبہ کا عمل انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا سزاوار بنا دیتا ہے۔ یہ اشارہ اس آیت کریمہ میں ہے **وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ ص وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ○** (آل عمران۔ 135) "اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کرکے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انھیں یاد آجاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو، اور وہ دیدہ دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔" (14)

تائب کا تعلق اپنے خالق و مالک سے ہوتا ہے۔ اس لیے طعن و تشنیع کے ذریعے اس کو ایذا دینا جائز نہ ہے۔ تائب کو معاف کرنے والا غفور و رحیم ہے جس قدر بڑے گنہگار کو معاف کرنا چاہے اختیار رکھتا ہے۔ توبہ کے بعد گناہ گار کو تنگ کرنا گویا اس معاف کرنے والے کے کام پر اعتراض کرنے اور اس کے فیصلے پر ناک بھوں چڑھانے والی بات ہے اس طرح تائب کا مذاق اڑانے والا اپنے لیے شر کا دروازہ کھول لیتا ہے۔ اس عادت سے روکنے

(12) مسائل السلوک، ص 401

(13) مسائل السلوک، ص 488

(14) مسائل السلوک، ص 136

کا اشارہ سورۂ نساء میں اس مقام پر ہے **فَاِنۡ تَابَا وَ اَصۡلَحَا فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمَا** ط(النساء۔ 16)" پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو انہیں چھوڑ دو۔" (15)

گناہ سرزد ہونے کے بعد اعتراف گناہ اور اس پر ندامت اور شرمندگی محسوس کرنا توبہ سے پہلے ضروری مدارج ہیں۔ ندامت ہی کا نتیجہ توبہ ہوا کرتا ہے لہٰذا ندامت ایسی ہونی چاہیے جو عذر وانکسار کے ساتھ محسوس کی جا رہی ہو اور ساتھ ہی ساتھ گناہ اور زیادتی کا تدارک اور تلافی بھی کی جائے۔ اگر تلافی ممکن نہ ہو تو انکساری اور عاجزی اس درجے کی ہونی چاہیے جس میں احساس گناہ شدید قسم کا ہو اور آئندہ اس کو دہرانے کا امکان نہ ہو پھر ندامت توبہ کی شکل میں بدل جاتی ہے۔ ورنہ ہر ندامت توبہ نہیں ہو سکتی جیسے کہ قابیل کے معاملے میں اشارہ ملتا ہے ارشاد خداوندی ہے **فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِیۡنَ** ○(المائدہ۔ 31)" اس کے بعد وہ اپنے کیے پر بہت پچھتایا" یعنی اس نے بہت ندامت محسوس کی مگر اس کی ندامت توبہ کا روپ نہ دھار سکی اس لیے کہ اس کا گناہ اس کے ذمے سے ساقط نہیں کیا گیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر خون ناحق میں سے قابیل کو حصہ ملے گا گویا اس کی ندامت نافع نہ ہوئی اور توبہ نہ بن سکی (16)

اسی سورہ میں کچھ آیات کے بعد توبہ کے متعلق یہ اشارہ اخذ کیا گیا ہے کہ توبہ اگر اصلاح کے ساتھ ساتھ کی جائے تو معتبر ہو سکتی ہے مثلاً چوری کا مال واپس کردینا یا مالک سے معاف کرالینا یا مالک کا اتہ پتہ معلوم نہ ہو تو فی سبیل اللہ اس مال کو صدقہ کردینا لیکن یہ سب کام چور اگر از خود کرے گا تو اس کی طرف سے توبہ کے زمرے میں آئیں گے اور اگر گرفتار ہونے کے بعد کرے گا تو پھر سزا سے جو ہاتھ کاٹنے کی صورت میں مقرر ہے اس سے بچ نہ سکے گا۔ یہ اشاری تفسیر ہے آیت **فَمَنۡ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِ ظُلۡمِهٖ وَاَصۡلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوۡبُ عَلَیۡهِ** ط(المائدہ۔ 38) " پھر جو ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ کی نظر عنایت پھر اس پر مائل ہو جائے گی۔"

(15)مسائل السلوک ' ص 164 (16)مسائل السلوک ' ص 232

تزکیہ ممنوعہ : کسی عالم کا علم پھیلانے کی خاطر اپنے علمی کمالات کو ظاہر کرنا تزکیہ ممنوعہ یا اپنے منہ میاں مٹھو بننے کے زمرے میں نہیں آتا۔ ایسا اظہار لوگوں کو اپنے پاس علمی پیاس بجھانے کے لیے دعوت دینے کی خاطر کیا جاتا ہے۔ اس سے مقصود **عامۃ الناس** کو علم کی روشنی دینا ہوتا ہے' دکھاوا یا اپنی بڑائی کا اظہار مقصود نہیں ہوتا۔ روح المعانی میں علامہ آلوسی بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی عالم دین یا کسی عقلی علم کو جاننے والا فاضل اپنے اوصاف اس لیے بیان کرے کہ لوگ اس سے نفع حاصل کریں تو ایسا کرنا جائز ہے۔اسی طرح بعض صوفیاء نے بھی اپنے کمالات ظاہر کیے ہیں اور لوگوں کے مدعی کہنے کی پرواہ نہیں کی۔ روح المعانی اور مسائل السلوک میں اس بات کا اشارہ اس آیت سے اخذ شدہ ہے۔**قَالَ لَا یَاۡتِیۡكُمَا طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاۡتُكُمَا بِتَاۡوِیۡلِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتِیَكُمَا** ط(یوسف۔ 37)" یوسف نے کہا' یہاں جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے۔ اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتادوں گا۔" آپ نے خوابوں کی تعبیر بتانے والے علم کو جاننے کا دعوٰی خود کیا ہے اور یہ دعوے تزکیہ ممنوعہ کے تحت اس لیے نہیں آتا کیونکہ آپ کا مقصد کوئی ڈینگ مارنا نہ تھا بلکہ اپنے اوپر اللہ کے ایک احسان کا ذکر اور شکر کرنا تھا جو **مِمَّا عَلَّمَنِیۡ رَبِّیۡ** کے الفاظ سے ظاہر ہے اور اس علم کی خبر دے کر ان کو اپنی طرف متوجہ فرما کر آپ نے خالص توحید کا درس ان لوگوں کو دیا اور اسے انہوں نے غور سے سنا:(17)

اسی سورہ میں آگے چل کر آیت 52 اور 53 میں اپنے کمالات ظاہر کرنے کا ڈھنگ بھی بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **ذٰلِكَ لِیَعۡلَمَ اَنِّیۡ لَمۡ اَخُنۡهُ بِالۡغَیۡبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِیۡ كَیۡدَ الۡخَآئِنِیۡنَ** ○ **وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ** ج(یوسف۔51'52)" یوسف نے کہا' اس سے میری غرض یہ تھی کہ (عزیز) جان لے کہ میں نے درپردہ اس کی خیانت نہیں کی تھی اور یہ کہ جو خیانت کرتے ہیں ان کی چالوں کو اللہ کامیابی کی راہ پر نہیں لگاتا۔ میں کچھ اپنے نفس کی برات نہیں کر رہا ہوں" اس میں اشارہ ہے کہ محض اپنے نفس کے گناہوں سے پاک ہونے کا دعوٰی کرنا

(17)مسائل السلوک ' ص 487

ناپسندیدہ حرکت ہے بلکہ نفس کے کسی گناہ سے براءت کا دعویٰ اللہ کی دی ہوئی توفیق سے کرنا صحیح ہے اور ساتھ ہی اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر کبھی کمالات بیان کرنا پڑیں تو ساتھ ہی اس حکمت کو بھی بیان کردینا ضروری ہے جس کی خاطر تزکیہ ممنوعہ اپنے لیے جائز کیا ہے۔ محض نفس کی براءت کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔(۱۸)

تواضع اور انکساری کا تقاضا ہے کہ اپنی خوش معاملگی کا اظہار بھی نہ کیا جائے کیونکہ اپنی ذات کی تعریف سے یہ تاثر ملتا ہے کہ انکساری طاری کردہ ہے۔ اصل میں آدمی اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھتا ہے۔ یہ سوچ معیوب ہے اور تواضع کے ساتھ لگا نہیں کھاتی۔ مگر کسی ایسی مصلحت دینی یا دنیوی کی خاطر جس سے فریقین بہت بڑی غلط فہمی سے بچ جائیں ان کی اصلاح ہو جائے۔ان کو دین اور دنیا میں اطمینان کی دولت نصیب ہو جائے ایسی مصلحت کی خاطر کسی کا اپنی خوش معاملگی کا ذکر کرنا تزکیہ ممنوعہ کے تحت نہیں آتا۔اس کا اشارہ اس آیت میں کیا گیا ہے' ارشاد ہوتا ہے۔ **اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْٓ اُوْفِی الْكَیْلَ وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ** (یوسف۔59)" دیکھتے نہیں ہو کہ میں کس طرح پیمانہ بھر کر دیتا ہوں اور کیا اچھا مہمان نواز ہوں۔"اپنے آپ کو پیمانہ بھر کر دینے والا اور اچھا مہمان نواز کہنا ویسے تو تزکیہ ممنوعہ میں آتا ہے یہ بات خود تعریفی کے تحت عیب کی بات ہے صواب کی نہیں ہے۔ مگر جب مقصد اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے پاس بلانا اور پھر اس پوری کہانی کا انجام بتانا تھا جس میں سب کا اطمینان پوشیدہ تھا اور جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے انبیاء کا اپنے خالق ومالک سے تعلق ظاہر کرنا تھا اسی میں اللہ کے تمام بندوں اور اس کے انبیاء کی خصوصیات واضح کرنا مقصود تھا۔ اس مصلحت کی خاطر اب وہ سارا راز فاش کیا گیا۔ اس سلسلے میں اپنی خوش معاملگی کا ذکر عیب نہیں رہتا۔(۱۹)

ذکر: خداتعالیٰ سے محبت کے اظہار کا ایک ذریعہ ذکر ہے۔قولاً اور عملاً اپنے محب کو یاد کیا جاتا ہے۔ ذکر کی اقسام میں ذکر خفی اور جہری' ذکر باللسان یا ذکر بالقلب وغیرہ سب شامل ہیں۔

(۱۸)مسائل السلوک' ص 282

(۱۹)مسائل السلوک' ص 487

قرآن کریم میں ذکر کی تمام قسمیں شریعت کے اعتبار سے جائز ہیں خواہ جلی ہوں یا خفی ہوں۔ اس بات کا اشارہ سورہ انعام کی اس آیت میں ہے۔ **قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ** ○(الانعام۔ 63)"اے محمدؐ! ان سے پوچھو' صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (مصیبت کے وقت) گڑگڑا گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے تو نے ہم کو بچالیا تو ہم ضرور شکرگزار ہوں گے؟"اس آیۃ کریمہ میں "**تدعون تضرعا وخفیه**" کے جملہ میں تمام اقسام ذکر کے شرعی اعتبار سے جائز ہونے کی طرف اشارہ ہے۔(20)

رخص شرعیہ کی حقیقت: شریعت الٰہیہ نے جو رعایتیں اور رخصتیں دی ہیں ان سے فائدہ اٹھانا اللہ کی محبت کی دلیل ہے۔ جس شخص کے دل میں شک و ریب کا مرض ہوتا ہے۔ وہ ان شرعی رخصتوں کے بارے میں عجیب طرح کے شبہ میں مبتلا رہتا ہے۔ رخصت پر عمل پیرا ہونے کو وہ کسی شرعی عمل پر عمل نہ کرنا یا غیر معیاری طور پر عمل پیرا ہونا گردانتا ہے ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے نہ کہ بھول کر وہ رخص شرعیہ مقرر کی ہوتی ہے۔قرآن حکیم میں ایسے لوگوں کو جو عمل میں غلو کے عادی ہوتے ہیں ان کے عمل کو حق کی راہ میں مزاحمت کہا ہے۔ اس کا اشارہ سورہ مائدہ کی اس آیت میں ہے۔ **مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ** (المائدہ۔ 6) " اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا" گویا رخص شرعیہ پر عمل کرنا اللہ رب العزت کی رضا مندی کا سبب ہے اور عمل میں غلو بجائے مفید ہونے کے مزاحمت فی الحق کے زمرے میں آتی ہے۔

زہد اور محبت الٰہی: زہد سے مراد ہے جو کچھ ملا ہوا ہے۔ اسی پر قناعت کرنا اور دوسروں کے پاس جو کچھ ہے اس کے حصول کی خواہش اور کوشش نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا طریقہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا ہے کہ جو کچھ تم سے چھن جائے اس کو اللہ کا

(20)مسائل السلوک' ص 223

سمجھ یا جو کچھ تیرے پاس ہے اس کو اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھ تو یہ زہد ہے اور یہ تمہیں اللہ کے نزدیک پیارا بھی بنادے گا۔ گویا کسی چیز کی خواہش کرنا خواہ خدا سے ہو یا خلق سے زہد کے منافی ہے۔ مگر ایک خواہش ایسی ہے جو زہد کے منافی نہیں اور وہ اولاد کی خواہش ہے۔ اس کا اشارہ **هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً** ج (آل عمران۔ 38) " یہ حال دیکھ کر زکریا نے اپنے رب کو پکارا' پروردگار! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر۔" میں ہے کہ اللہ کے کسی بندے کا ایسا قائم مقام کے لیے دعا کرنا جو لوگوں کو راہ راست پر چلانے کے لیے کام کر سکے اور اس کا اچھا جانشیں ہو زہد کی اعلیٰ صفت کے منافی عمل نہیں ہے۔[21]

سورۃ نساء میں مزید ایک عمل ایسا بتا دیا گیا ہے جو زہد کے منافی نہیں ہے وہ یہ بات ہے کہ مباحات سے لذت حاصل کرنا بلکہ کثرت سے لذت پانا بھی زہد کے برعکس نہیں ہے یعنی اچھی اچھی کو منتخب کرنا مگر حد سے آگے نہ بڑھنا یا سلوک میں افراط وتفریط کے خوف کے بغیر کثرت کرنا زہد کے خلاف نہیں۔ اس کا اشارہ اس آیت میں ہے **فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ** (النساء۔3) " جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کرلو۔" یعنی چار تک عورتیں رکھنا ان کے چناؤ میں اچھی اچھی کو پسند کرنے کا اہتمام کرنا مگر عدل کی شرط سے مشروط منافی زہد نہیں ہے۔[22]

شوق: صوفیاء کی اصطلاح میں شوق محبوب سے ملاقات کے تمام داعیات کا نام ہے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ شوق محبت کے پھل کا نام ہے۔ شوق سے مراد ایسی محبت ہے جس میں محبوب سے ملنے کی شدید طلب اور خواہش پائی جائے۔

شوق ایسا داعیہ ہے جو کسی خبر کو سن کر مومن میں پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر وہ اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہے اس لیے اس کا اخلاق محمودہ ہونا ظاہر ہے۔ قرآن کریم میں اس کی طرف اشارہ ہے **لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن**

(21) مسائل السلوک ' ص 111

(22) مسائل السلوک ' ص 157

يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ط (التوبہ۔ 44) " جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو کبھی تم سے درخواست نہ کریں گے کہ انھیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے۔"

صاحب روح المعانی نے بھی اس آیت سے یہ اشارہ اخذ کیا ہے کہ اس میں مومن کے شوق کا ذکر ہے اور مومن کے حق میں یہ صفت محمودہ ثابت ہے کہ وہ نیکی اور بھلائی کے کاموں کی طرف محض رغبت ہی نہیں رکھتا بلکہ دوڑ دوڑ کر ان کی طرف جاتا ہے۔[23]

شبہات سے بچاؤ: شبہات سے بچنے والا اپنا دین اور عزت حفاظت میں رکھتا ہے (الحدیث) شبہات سے اجتناب انسان کو یکسو بنا دیتا ہے اور ڈھلمل یقینی کی کیفیت کا خاتمہ کردیتا ہے۔ اس صفت کے محمود ہونے کا اشارہ حضرت آدمؑ کے بیٹے ہابیل کے اس قول سے اخذ شدہ ہے۔ **لَئِن بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ج إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ** ○ (المائدہ۔ 28) "اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ میں اللہ رب العلمین سے ڈرتا ہوں" چونکہ اس وقت تک کوئی ایسی نص موجود نہ تھی جس میں قتل مدافعت کی اجازت ہو اس لیے ہابیل کی احتیاط کو شبہات سے بچاؤ کا نام دیا جائے گا۔ اور اس طرز عمل سے یہ ثابت ہوا کہ ایسا کرنا زیادہ اچھا ہے۔[24]

صبر و حلم: صفات محمودہ میں صبر و حلم کا مقام بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ صبر برداشت کرنے کو بلکہ رد عمل پر پوری طرح قادر ہونے کے باوجود رد عمل کا اظہار کرنے سے رکنا صبر ہے اور حلم وبردباری کاموں اور رویوں میں نرمی برتنے کو کہتے ہیں۔ صبر و حلم کی صفت ناسمجھی اور تھڑولی کی غلطیوں سے بچاتی ہے اور اچھے یا برے ہر طرح کے حالات میں سے کامیابی سے گزر جانے کا ذریعہ ہے مگر دینی مصلحت کے تحت بعض اوقات کوئی ایسا قول و عمل لازمی ہو

(23) مسائل السلوک ' ص 399 (24) مسائل السلوک ' ص 245

جاتا ہے جو عام حالات میں یا اس دینی مصلحت کے بغیر کیا جائے تو صبر و حلم کے منافی ہو۔ مگر جب وہ دینی مصالح کے لیے اختیار کیا جاتا ہے تو محمود ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت میں ایک ایسی ہی دینی مصلحت کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں مخالف کی ذم انتہائی سخت الفاظ میں بیان کی گئی ہے اور اس کے باوجود وہ صبر و حلم کے منافی نہیں ہے۔ مثلاً قرآن میں ہے" پھر کہو' کیا میں ان لوگوں کی نشاندہی کروں جن کا انجام خدا کے ہاں فاسقوں کے انجام سے بھی بدتر ہے۔" **مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ** ط **اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ** ○ (المائدہ۔ 60) " وہ جن پر خدا نے لعنت کی' جن پر اس کا غضب ٹوٹا' جن میں سے بندر اور سور بنائے گئے جنہوں نے طاغوت کی بندگی کی' ان کا درجہ اور بھی زیادہ برا ہے اور وہ سواء السبیل سے بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں" کس قدر سخت الفاظ میں مذمت کی گئی ہے اس کے باوجود بے صبری اور درشتی کے زمرے میں نہیں آتی۔ (25)

طمانیت اور یقین: بلاشک دل سے کسی بات کو مان لینا یقین کہلاتا ہے۔ اور یقین کو مزید پختہ کرنے والی اور یقین کو احاطہ ادراک میں لانے والی چیز کو طمانیت کہتے ہیں اور طمانیت یقین کے منافی نہیں ہوتی بلکہ یقین کو مزید پختگی عطا کرتی ہے۔ یہ اشارات اس آیت میں ہیں **قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً** (آل عمران۔ 41) " مالک ! پھر کوئی نشانی میرے لیے مقرر فرما دے" حضرت زکریاؑ کا نشانی کے لیے درخواست کرنا بربنائے شک نہ تھا۔ یقین کی دولت سے تو اللہ کا یہ بندہ پورے طور پر مالا مال تھا اس نے جو خواہش کی وہ طمانیت کے لیے تھی اور یہ کوئی ناجائز حرکت نہیں۔ ایسا ہی معاملہ حضرت ابراہیمؑ کا بھی تھا جب آپ نے رب سے مردے کو زندہ کرنے کا منظر ملاحظہ کرائے جانے کی درخواست کی اور پھر اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں کہ اے ابراہیم کیا تیرا اس بات پر ایمان نہیں ؟ آپ نے جواب میں عرض کیا تھا۔ **وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ** ط(البقرۃ۔ 260)" اور لیکن اس غرض سے

(25)مسائل السلوک ' ص 245

درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو یقین ہو جاوے " ان دونوں انبیاء کی طمانیت کے لیے کیے گئے سوالات یقین کے منافی نہیں ہیں۔ اور طمانیت کے لیے کوئی درخواست کرنا شک کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ اطمینان قلب کے لیے ہوتا ہے۔ (26)

مجاہدہ: مجاہدہ صفت محمودہ میں سے ہے۔ اس کے ثمرات کو بیان کرنا شرعی اعتبار سے جائز بلکہ ضروری ہے اور اس مجاہدہ کے ثمرات کا نفع بخش ہونا بھی یقینی امر ہے۔ یہ اشارہ **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** ○(البقرہ ۔ 183) " تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم (روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ گے۔" میں سے اخذ کیا گیا ہے۔ (27)

اس کے علاوہ ایک مجاہدہ ایسا ہوتا ہے جس کے ذریعے انسان کو مصائب و آلام کی بھٹی سے گزارا جاتا ہے۔ اس کو اتلاف اشیاء 'پیاس' خوف اور بھوک جیسی آزمائشوں میں ڈال کر کندن بنایا جاتا ہے اور کسی کا کھوٹ دور کر کے خالص ہو جانا اس کا منافع ہوتا ہے۔ ایسے مجاہدے کو اضطرار یہ مجاہدہ کہا جاتا ہے اور اس کا اشارہ **وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ (الی قولہ تعالیٰ) وَالثَّمَرٰتِ** ط(البقرہ۔155) " اور (دیکھو) ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے(اللہ تعالیٰ کے قول) اور پھلوں کی کمی سے " میں پایا جاتا ہے۔ (28)

مباحثہ برائے ضرورت دینیہ: لفظی جنگ اور شغلاً بحث و تکرار وقت اور صلاحیتوں کا ضیاع ہے۔ یہ ایسا اسراف ہے جس میں وقت جیسی قیمتی چیز گنوائی جاتی ہے۔ لہٰذا مذموم حرکت ہے مگر جہاں دینی ضرورت اس کا تقاضا کرے وہاں مباحثہ کرنا ایک محمود اور مقصود ضرورت بن جاتی ہے۔ ایسا اشارہ ابراہیمؑ کے اس قول میں ہے جس کو اللہ کے قرآن نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ **اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ**

(26)مسائل السلوک ' ص 111

(27)مسائل السلوک ' ص 57

(28)مسائل السلوک ' ص 50

لا **قَالَ اَنَا اُحۡیٖ وَاُمِیۡتُ** ط(البقرہ۔ 258) "جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے تو اس نے جواب دیا زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے۔"[29]

انسان کو اللہ کی ذات میں مشغول رہنا چاہیے۔ اس کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ کی یاد میں اور اللہ کی مرضی کے کام کرنے میں صرف ہونا چاہیے اس لیے کہ وہ ہمہ وقت اللہ کا بندہ اور غلام ہے۔ لہٰذا گپ شپ میں وقت ضائع کرنا یا گھٹیا درجے کے کاموں میں مصروف رہ کر مشغولی مع الحق سے محروم رہنا مذموم حرکت ہے۔ مگر ایسا مناظرہ مع اہل باطل اس زمرے میں نہیں آتا جس میں اللہ کی عظمت و بڑائی بیان کی جاوے یا کسی بر سر باطل شخص یا اشخاص کو حقیقت دین سمجھانے کی غرض سے ہو بشرطیکہ حدود کے اندر رہ کر مناظرہ کیا جائے۔ **وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ لِاَبِیۡهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصۡنَامًا اٰلِهَةً** ج(الانعام۔ 74) "ابراہیم کا واقعہ یاد کرو جب کہ اس نے اپنے باپ آذر سے کہا تھا کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟" اس آیت میں یہ اشارات ملتے ہیں کہ تبلیغ دین کے لیے کی جانے والی کوشش اگرچہ اہل باطل کے ساتھ مناظرہ کی شکل میں ہو۔ اللہ کے کام میں رکاوٹ نہ سمجھی جائے گی اور ایسا مناظرہ جو ضروریات دینی کے لیے کیا جائے جائز بلکہ محمود ہوگا۔[30]

مباح: مباح وہ کام ہوتا ہے جس کی اجازت ہوتی ہے اور اسے کر گزرنے میں کوئی عیب نہیں ہوتا۔ البتہ بعض معاملات میں ایسی صورت بھی پیش آ سکتی ہے کہ حظ نفس کے قصد کے بغیر تو وہ مباح ہو مگر حظ نفس کا قصد کرنے سے ناجائز اور حرام ہو جائے۔ مثلاً کسی طبیب کا کسی عورت کو علاج کے لیے دیکھنا مباح ہے۔ مگر بقصد شہوت چھونا حرام ہے۔ یا عورت گواہی کے لیے آئے تو اس کا دیکھنا جائز اور مباح ہے مگر شہوت کی وجہ سے اس پر نظر کرنا حرام ہے۔ مباح پر عمل کرتے ہوئے قلب کی حفاظت لازمی ہے۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے۔ **فَمَنِ اضۡطُرَّ فِیۡ مَخۡمَصَةٍ غَیۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ** لا **فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ** ○(المائدہ۔ 3)" البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی چیز

(29) مسائل السلوک، ص 87

(30) مسائل السلوک، ص 285

کھا لے، بغیر اس کے گناہ کی طرف اس کا میلان ہو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔" یہی بات ہے جو دوسری آیات میں **غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ** (البقرہ۔ 173) "نہ تو طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو" سے مراد لی گئی ہے یعنی مباح کو مقررہ حد کے اندر، اللہ کا قانون توڑے بغیر کام میں لانا شرط ہے[31]

امر مباح کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی خرابی نہ ہو تو اس کو بروئے کار لانے سے منع نہ کیا جائے اور اگر اس میں ترک کر دینے سے خرابی پیدا ہوتی ہو تو اس کو ضرور بروئے کار لایا جانا چاہیے۔ یہ اشارہ آیت **فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ یَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَیۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ** ط **ذٰلِكَ یُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ** ط **ذٰلِكُمۡ اَزۡكٰى لَكُمۡ وَاَطۡهَرُ** ط(البقرہ۔232) "پھر اس میں مانع نہ ہو کہ وہ اپنے زیر تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں، جب کہ وہ معروف طریقے سے باہم مناکحت پر راضی ہوں، تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا اگر تم اللہ اور روز آخر پر ایمان لانے والے ہو۔ تمہارے لیے شائستہ اور پاکیزہ طریقہ یہی ہے" اس میں اشارہ ہے کہ کسی عورت کو طلاق کی عدت گزارنے کے بعد نکاح نہ کرنے دینا خرابی کا باعث بن سکتا ہے۔ اس لیے اس کو نکاح کرنے دینا ضروری ہے۔[32]

سورہ یونس میں مباح کو اعتقاداً یا عملاً حرام کر لینے کی ممانعت کی طرف اشارہ ہے ارشاد ہوتا ہے **قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ فَجَعَلۡتُمۡ مِّنۡهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا** ط(یونس۔ 59) "اے نبی، ان سے کہو تم لوگوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ جو رزق اللہ نے تمہارے لیے اتارا تھا اس میں سے تم نے خود ہی کسی کو حرام اور کسی کو حلال ٹھہرا لیا۔" آگے چل کر اس بات کو اللہ پر جھوٹ باندھنا سے تعبیر کیا گیا ہے گویا ایسا کرنا یعنی مباح کو غیر مباح بنا لینا حرام ہے ہاں اس میں صرف وہ شخص مستثنیٰ ہے جو علاج کی غرض سے کسی مباح چیز کو استعمال کرنا ترک کر دے مگر اس کو بھی اعتقاداً تو اس چیز کو مباح یقین کرنا

(31) مسائل السلوک، ص 220

(32) مسائل السلوک، ص 76

چاہیے خواہ عملاً اس کے صحت کے لیے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے استعمال نہ کرتا ہو۔(33)

مراقبہ: اہل تصوف مراقبہ سے مراد حق تعالیٰ کی عبادت' ایسے یقین سے کرنا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔یا مراقبہ سے مراد ہے برے کاموں سے دل کو بچانا۔یا مراقبہ سے مراد خوف اور امید ہے جن دونوں کے درمیان ایمان کامقام ہے۔ اس توضیح کے اعتبار سے مراقبہ دوسری محمودہ صفات کی طرح ایک پسندیدہ صفت ہے اس کا ثمرہ یہ ہے کہ انسان کے لیے توکل کو اپنانا سہل کردیتا ہے۔ اورتوکل اللہ کے ساتھ لو لگانے کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ **قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا** ج (التوبہ۔ 51) " آپ فرما دیجئے کہ ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے مقدر فرمایا ہے"اس آیت سے مراقبہ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔(34)

نعمت و نقمت نعمت سے مراد اچھا اجر پانا۔ اچھا انجام ہونا ہے اوراس کے برعکس نقمت (نقصان اٹھانا) عیب دار سمجھنے کے معنوں میں آتا ہے۔ تصوف کی زبان میں نعمت سے مراد یہ ہوگی کہ تمام بھلائیاں اور اچھائیاں اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہیں بلا اعمال صالح 'اور تمام برائیاں اور نقصانات اپنے برے اعمال کے نتیجے میں انسان کا اپنا کیا دھرا ہوتا ہے۔ اس لیے نعمت کو صوفیاء فضل رب کہتے ہیں اور نقمت چونکہ انسان کے برے اعمال کے نتیجے میں سزا کے طور پر ہوتی ہے لہٰذااس کو عدل رب کہا جاتا ہے اور جو بندہ خود کماتا ہے اور اسکی نسبت رب تعالیٰ سے نہیں ہوتی اسے " تقسیم " کہتے ہیں۔ اس اصول کا اشارہ ہے: **مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ** ط (النساء۔ 79)" اے انسان ! تجھے جو بھلائی بھی حاصل ہوتی ہے اللہ کی عنایت ہوتی ہے اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ تیرے اپنے کسب و عمل کی بدولت ہے"گویا نعمت کسی اچھے عمل کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے خالص فضل و کرم کا نتیجہ ہوتی ہے اور نقمت کسی کے

(33)مسائل السلوک' ص 438

(34)مسائل السلوک' ص 401

برے اعمال کا انجام ہوتا ہے۔(35)

اشاری تفسیر کے مطابق نعمت ونقمت حسی بھی ہو سکتی ہے اور معنوی بھی اور یہ بھی کہ دنیوی نعمتوں کے ساتھ طاعت کا اور دنیوی نقمت کے ساتھ معصیت کو دخل ہے۔ اشارت سورہ اعراف کی آیات **وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى** (الی قولہ تعالیٰ) **نَآئِمُوْنَ**(الاعراف۔ 96'97)"اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ مگر انہوں نے تو جھٹلایا' لہٰذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں انہیں پکڑ لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے۔ پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ آجائے گی جبکہ وہ سوتے پڑے ہوں" برکتوں کے دروازے کھولنے کا سب ایمان اور تقویٰ کو قراردیا گیا ہے اور "پکڑ" کی وجہ بری کمائی اور جھٹلانے کو قراردیا گیا ہے ۔گویا نعمت' ایمان اور طاعت کا ثمرہ ہے۔ اور نقمت بری کمائی اور تکذیب کا عذاب ہے اور یہ دونوں حسی بھی ہو سکتے ہیں اور معنوی بھی۔(36)

ولایت:ولایت کا لفظ ولی سے مشتق ہے اور صوفیا کی اصطلاح میں اپنے آپ کو یعنی اپنی ذات کو اللہ کی ذات میں گم کردینے کا نام ہے۔ ولی اس کو کہتے ہیں جسے اپنی ذات کی کچھ خبر نہیں ہوتی اور صرف اللہ کی طرف دھیان لگائے رکھتا ہے ولایت سے مراد ہوا اللہ کی ذات بابرکات میں اپنے آپ کو بھول جانا اور گم کردینا۔ انسانی زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد یہی ہے۔

اولیاء اللہ کی صفات میں صبر اور تقویٰ دوصفات نمایاں ہوتی ہیں۔ اللہ کے دوستوں کو ضرر حقیقی سے تو واسطہ نہیں پڑتا البتہ بعض اوقات انہیں ضرر صوری لاحق ہو جاتا ہے یعنی ان پر جو ضرر پڑتا نظر آتا ہے وہ شکل وصورت میں تو ضرر اور نقصان ہوتا ہے مگر درحقیقت

(35)مسائل السلوک' ص 187

(36)مسائل السلوک' ص 337

وہ ضرر ہوتا نہیں۔ اس لیے کہ ولایت میں ایسا ضرر جو حقیقت میں نقصان کہلاتا ہے اللہ کے دوستوں سے بہت دور ہے اور ان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ حمایت الٰہیہ میں ہوتے ہوئے ایسا ہونا ناممکن ہے اور جو نظر آتا ہے وہ حدیث النفس یا وسوسہ کہلاتا ہے۔ اس کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی اور سلوک کے باب میں حدیث النفس ولایت کے لیے کوئی منافی چیز نہیں ہے۔ محض وسوسے سے اللہ کی ذات کے ساتھ تعلق میں ذرہ بھر رخنہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ **اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا** لا **وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا** ط (آل عمران۔ 122) "یاد کرو جب تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے حالانکہ اللہ ان کی مدد پر موجود تھا۔" معلوم ہوا کہ جو بزدلی کا مظاہرہ نظر آتا تھا حقیقی نہ تھا وسوسہ تھا۔ اور وسوسہ ولایت کے منافی نہیں ہوتا۔(37)

ہدیہ: ہدیہ لینے دینے سے محبت بڑھتی ہے ہدیہ کو صرف خلوص اور محبت کے پیمانے سے ماپا جاتا ہے اس کی معاشی قدر بے معنی ہوتی ہے۔ ہدیہ اپنے سے اعلیٰ حیثیت والے سے لیا یا دیا جا سکتا ہے اور اپنی حیثیت سے کم حیثیت یا اپنے سے کم رتبے کے آدمی سے وصول کرنے میں بھی عیب نہیں جاننا چاہیے اس بات کا اشارہ ہے **فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا** (النساء۔۔4)
(38)
"البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے کوئی چیز تمہیں معاف کردیں تو تم اسے مزے سے کھا سکتے ہو۔"

(37) مسائل السلوک، ص 232
(38) مسائل السلوک، ص 157

اخلاقِ مذمومہ

امر مذموم سے مراد: تصوف کی بہت سی شاخوں کی بنیاد اور اصل یہ ہے کہ جو بات یا جو امر قابل مذمت حالت تک پہنچانے والا ہو وہ بھی مذموم ہے یعنی کسی مذموم کا سبب بھی مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم **وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا** ج (البقرہ۔ 231) "محض ستانے کی خاطر انہیں نہیں روکنا۔" میں یہ اشارہ ہے کہ اعتداء یعنی زیادتی کرنا۔ حد سے بڑھ جانا۔ ظلم کرنا ایک امر مذموم ہے اور اس اعتداء کے لیے روکنا جو کہ سبب بنے گا اس زیادتی اور ظلم کا وہ بھی مذموم ہوگا۔ صرف امساک میں کوئی خرابی نہیں بلکہ یہ کسی ثواب کی خاطر بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت یہ مذموم نہیں گویا سبب کو مذموم کرنے والی چیز وہ مذموم امر ہوگا جس تک اس سبب سے رسائی پائی جائے گی۔(1)

بعض امور کی دو حالتیں ہوتی ہیں اچھی بھی اور بری بھی۔ ایک امر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو اچھا اور جائز امر بن جاتا ہے۔ اسی امر کی نسبت بندوں کی طرف کرنے سے وہ قبیح اور خراب بن جاتا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض امور فی نفسہ برے نہیں ہوتے۔[2] بلکہ ان کو کوئی خرابی قبیح بنا دیتی ہے یا پھر ان کے کرنے میں کوئی اچھائی یا مصلحت نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ امر برا امر بن جاتا ہے۔ ایک ہی امر جب بندہ سے بلا مصلحت یا بالمفسدہ صادر ہوتا ہے تو قبیح بن جاتا ہے اور حق تعالیٰ سے صادر ہونے میں چونکہ حکمت ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ حسن اور خوبصورت امر کہلاتا ہے۔ اس کا ذکر ہے آیت کریمہ میں **وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ** ط **وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ** ○ (آل

(1) مسائل السلوک، ص 75
(2) مسائل السلوک، ص 115

عمران۔ 54)"انہوں نے خفیہ تدبیریں کیں اور جواب میں اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور ایسی تدبیروں میں اللہ سب سے بڑھ کر ہے۔" اس لیے کہ اللہ کی تدبیر حکمت سے لبریز ہے اور ان کی تدبیر خالی از مصلحت یا مفسدہ سے پر ہے۔ (3)

مذموم کی حقیقت: تصوف میں گناہ کے بارے میں تصور یہ ہے کہ کسی گناہ کو حقیر نہ جانا جائے اس لیے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کا سبب ہوتا ہے۔ اکثر صغیرہ گناہ کبیرہ گناہ کا سبب بن جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے **ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○** (البقرہ۔ 61) "یہ نتیجہ تھا ان کی نافرمانیوں کا اور اس بات کا کہ وہ حدود شرع سے نکل نکل جاتے تھے "اور جو لت انہیں پڑ گئی تھی اور ابتداء میں جو گناہ صغیرہ کے درجے میں تھی وہی گناہ کبیرہ کا باعث بنی کہ وہ انبیاء کو قتل تک کرنے لگے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار کرنے لگے۔ اس طرح ایک چھوٹی مذموم حرکت انتہائی بڑی مذموم خرابی کا باعث بن گئی۔ یہاں تک کہ نوبت کفر تک جا پہنچی۔ (4)

معاصی اور معصیّت کے اثرات: معصیت سے اخروی دینی اور روحانی نقصان ہونا تو لازمہ معصیت ہے۔ مگر بعض اوقات کوئی گناہ دنیوی مضرت اور نقصان کا باعث بھی بن جاتا ہے۔ جیسا کہ اشارہ ہے قرآن حکیم میں **وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ○** (المائدہ۔ 21) "پیچھے نہ ہٹو ورنہ ناکام و نامراد پلٹو گے۔" مقصود یہ بتانا ہے کہ اس مقدس سرزمین مین اگر داخل ہونے سے انکار کرو گے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے تو پھر اللہ کے حکم سے انکار کا گناہ تو ہو گا ہی جو اخروی اور دینی نقصانات کا باعث ہوتا ہے' ساتھ ہی ساتھ اس انکار کی پاداش میں تمہیں دنیا میں بھی ناکامی اور نامرادی اور در در کی ٹھوکروں کی صورت مین عذاب ہوگا۔ (5)

صوفیاء کے ہاں "**اثم**" یعنی گناہ ایسا رذیلہ اور کمینہ اور گھٹیا حرکت کا نام ہے جو انسان

(3) مسائل السلوک، ص

(4) مسائل السلوک، ص 2

کی قوت گویائی کا نتیجہ ہوتی ہے یعنی زبان سے ایسے گندے الفاظ ادا کرنا جن سے کمینگی ٹپکتی ہو۔ "**عدوان**" یعنی زیادتی اور ظلم جس مذموم حرکت کو کہتے ہیں اس کا تعلق انسان کی غصے کی کیفیت سے ہے۔ یعنی قوت غضبیہ کی وجہ سے جو غلطی سرزد ہوگی وہ عدوان کہلائے گی اسی طرح **اکل سحت** یعنی حرام کھانے کا اثر **قوت شهویه** میں بدنظمی سے ظاہر ہوگا۔ ان معانی کے لیے اشارات اس آیت سے لیے گئے ہیں۔ **وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○** (المائدہ۔ 62) "تم دیکھتے ہو کہ ان میں سے بکثرت لوگ گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں اور حرام کے مال کھاتے ہیں۔ بہت بری حرکات ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔" (6)

معاصی میں اخروی نقصانات کے ساتھ ساتھ دنیوی مضرتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس طرف اشارات ہیں اس آیت کریمہ میں **اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ج فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○** (المائدہ۔ 91) "شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے۔" اللہ کے کسی بندے کو جوئے اور شراب کی وجہ سے اللہ کا ذکر اور نماز سے باز رکھنا اخروی سزا کا باعث ہو گا۔ مگر لوگوں کے مابین ان ہی دو چیزوں کے ذریعے عداوت اور بغض و کینہ ان کی دنیوی زندگی کو انتہائی تکلیف دہ' تلخ اور بدمزہ کردے گا۔ اس طرح شراب اور جوئے کا گناہ گویا دنیوی اور اخروی ہر دو قسم کے نقصانات کا باعث بنا۔ (7)

اخلاق مذمومہ کی اصل: خواہش نفس کی اتباع کبیرہ گناہوں کی بنیاد ہے یہ بیماری اس

(5) مسائل السلوک، ص 230

(6) مسائل السلوک، ص 245

(7) مسائل السلوک، ص 255

وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان کی خودی کمزور ہو جاتی ہے اور نفسانی خواہشات اس کے لیے مطالبات کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور انسان ان کے تابع ہو جاتا ہے۔ صوفیاء کرام اشارہ پاتے ہیں سورہ مائدہ میں **كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُولٌۢ بِمَا لَا تَهْوَىٰٓ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا۟ وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ** ق(المائدہ۔ ۷۰) "مگر جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول ان کی خواہشات نفس کے خلاف کچھ لے کر آیا تو کسی کو انہوں نے جھٹلایا اور کسی کو قتل کر دیا۔" گویا خواہشات نفس کی بندگی نے ان کو اللہ کے انبیاء کو جھٹلانے اور قتل تک کر دینے کے لیے اکسایا۔[8]

معاصی کی مختلف شکلیں

احکام شرعیہ میں حیلے کرنا: حیلہ کی جمع حیل آتی ہے اور اس کے لغوی معنی تدبیر یا مکر کے ہیں۔ المنجد میں اس کا معنی ہے **القدرة على التصرف فى الاشغال** یعنی کوئی کام سرانجام دینے کی طاقت یا **الحذق و جودة النظر** (سوچ بچار والی دانائی)

صوفیاء کے ہاں ایسے حیلے اور تدبیریں جائز ہیں جو شریعت کے احکام کی تحصیل کے لیے کیے جائیں۔ جن کے ذریعے شریعت پر عمل کرنا ممکن بنایا جائے مگر ایسے حیلوں کو مذموم کہا گیا ہے جو شریعت کے احکام کی مدافعت کے لیے ہوں یعنی جن سے اللہ پاک کے احکام کا مذاق اڑایا جاتا ہو۔ مثلاً تین طلاق یافتہ عورت کو حلال کرنے کے لیے "حلالہ" نکالنا۔ قرآن کریم میں مذموم حیلوں کی طرف اشارہ ہے۔ **إِذْ يَعْدُونَ فِى ٱلسَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ** ج(الاعراف۔ 163) "وہ ہفتہ کے دن احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے اور یہ کہ مچھلیاں سبت ہی کے دن ابھر ابھر کر سطح پر ان کے سامنے آتی تھیں۔ اور سبت کے سوا باقی دنوں میں نہیں آتی تھیں۔" بنی اسرائیل ہفتے کے روز اپنے تالابوں کے منہ کھول کر ان میں مچھلیوں کو آنے دیتے اور جب مچھلیوں سے

(8) مسائل السلوک، ص 248

پورے بھر جاتے تو انہیں بند کر دیتے اس روز مچھلیاں پکڑنے نہ دیتے صرف یہ حیلہ کر کے رہ جاتے اور باقی دنوں میں ان تالابوں سے خوب خوب پکڑتے رہتے اس طرح کے حیلے صوفیاء نے مذموم بتائے ہیں۔[9]

اہل اللہ کا طریقہ اور تمسخر: اہل اللہ کے طریق کا تمسخر اڑانا مذموم فعل ہے دوسرے لوگوں کو ایسے شخص سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہیے جو اس مذموم فعل کا ارتکاب کر رہا ہو۔ **لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا** (المائدہ۔ 57)۔ "جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنا لیا ہے انہیں دوست نہ بناؤ۔" اس آیت میں ایسے لوگوں سے قطع تعلق کر لینے کا اشارہ ہے جو اہل اللہ کے راستے کو کھیل تماشے کا ذریعہ بنا لیں۔ اس پر پھبتیاں کسنے کو تفریح کا سامان بنا لیں[10]

اصرار و عناد: اصرار و عناد ایسے لوگوں کی بیماری اور خرابی ہے جو کسی بات کا ایک بار اقرار یا انکار کرنے کے بعد اس سے چمٹ جاتے ہیں اس کے بعد خواہ روشن دلائل کے ذریعے ان کے سامنے حق آجائے وہ اپنی روش یا فیصلہ بدلنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ وہ اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں۔ گویا وہ حق کے متلاشی نہیں ہیں۔ انہیں تو صرف اپنی جھوٹی انا کی تسکین چاہیے۔ یہ بیماری بزرگوں کے پیروکاروں میں بہت زیادہ ہے۔ **فَمَا كَانُوا۟ لِيُؤْمِنُوا۟ بِمَا كَذَّبُوا۟ مِن قَبْلُ** ط(الاعراف۔ ۱۰۱) "جس چیز کو وہ ایک دفعہ جھٹلا چکے تھے پھر اسے وہ ماننے والے نہ تھے۔" اس آیہ کریمہ میں اشارہ ہے کہ یہ مذموم صفت ہے اور مسائل السلوک میں بتایا گیا ہے کہ اس عادت کو زیادہ تر شیوخ حضرات کے پیروکار اپناتے ہیں۔[11]

بغض نفسانی کا اظہار: بغض نفسانی ان حیلوں اور بہانوں کا نام ہے جو کسی مخالف کو تنگ کرنے کے لیے یا اس کو کوئی سزا دینے کے لیے اس سزا کے سبب کے طور پر گھڑ لیا جاتا

(9) مسائل السلوک، ص 353

(10) مسائل السلوک، ص 244

(11) مسائل السلوک، ص 338

ہے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ سبب موجود نہیں ہوتا۔ اور اگر ہو بھی تو وہ سزا دینے کے لیے کافی نہیں ہوتا یا مناسب نہیں ہوتا۔ **فَاِنۡ اَطَعۡنَکُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَیۡہِنَّ سَبِیۡلًا** ط (النساء۔ 34)"پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کے لیے بہانے تلاش نہ کرو۔" آیت زیر نظر میں اسی گندے بہانے کی طرف اشارہ ہے جو کسی کو چھوٹے قصور کی سزا دینے کے لیے یا محض اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچانے کے لیے حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے گھڑا جاتا ہے اور پھر اس کو ناکردہ گناہ کی سزا دی جاتی ہے۔ ایسا بغض انتہائی مذموم سمجھا جاتا ہے۔(۱۲)

بزرگوں کو پکارنا: اکثر لوگ کسی مصیبت کے وقت مدد کے لیے بزرگوں کو پکارنے لگ جاتے ہیں۔ روح المعانی اور مسائل السلوک دونوں میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ ایسا کرنا شرک ہے بلکہ ایسے لوگوں کا عمل مشرکین سے زیادہ افسوسناک ہے۔ اس لیے کہ وہ تو ایمان کی روشنی سے مستفید ہی نہیں ہیں۔ اور یہ لوگ ایمان لانے کے مدعی ہونے کے باوجود شرک کی گندگی میں ملوث ہیں۔ یہ اشارات اس آیت سے اخذ کردہ ہیں۔ **حَتّٰۤی اِذَا کُنۡتُمۡ فِی الۡفُلۡکِ** ج **وَجَرَیۡنَ بِہِمۡ بِرِیۡحٍ طَیِّبَۃٍ وَّفَرِحُوۡا بِہَا جَآءَتۡہَا رِیۡحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَہُمُ الۡمَوۡجُ مِنۡ کُلِّ مَکَانٍ وَّظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ اُحِیۡطَ بِہِمۡ** لا **دَعَوُا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ** ج (یونس۔ 22)"چنانچہ جب تم کشتیوں میں سوار ہو کر بادموافق پر فرحاں وشاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکایک باد مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں گھر گئے اس وقت سب اپنے دین کو اللہ ہی کے لیے خالص کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں۔" یعنی ایسے مواقع پر صرف اللہ کو پکارنا حق ہے اور اس کے برعکس بزرگوں کو پکارنا اللہ تعالیٰ کے حق کی خلاف ورزی ہے۔ لہٰذا جرم اور گناہ ہے اور چونکہ شرک ہے اس لیے سب سے زیادہ مذموم حرکت ہے۔(۱۳)

(12) مسائل السلوک، ص 174

(13) مسائل السلوک، ص 429

پیر کی موت، غم اور مایوسی: جاہل صوفی یا نادان مرید اپنے شیخ یا پیر کی وفات پر انتہائی غم زدہ ہو جاتے ہیں۔ بعض ایسے کلمات منہ سے نکالتے ہیں جو مایوسی کی انتہائی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ اب دین کا کوئی حامی نہیں رہا۔ ان کی وفات دین کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے شیخ کی موت کے بعد سلوک ہی کو ترک کر دیتے ہیں اور اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ یہ تمام کیفیات مذموم ہیں۔ اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے **اَفَا۠ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ** ط **وَمَنۡ یَّنۡقَلِبۡ عَلٰی عَقِبَیۡہِ فَلَنۡ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیۡـًٔا** ط **وَسَیَجۡزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیۡنَ** ۝ (آل عمران۔ 144)" پھر کیا اگر وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا۔ یعنی غم ایک حد تک ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے مایوسی اور شکوے شکایتیں کرنا مذموم حرکت ہے۔(۱۴) بہتر تو یہی ہے کہ اللہ کی رضا کو بخوشی قبول کیا جاوے

تشبہ بہ اہل الباطل: اہل باطل جیسا بننے کی کوشش کرنا مذموم حرکت ہے خواہ یہ شکل وصورت میں ہو، لباس و طعام میں ہو یا زندگی کے کسی شعبے مثلاً رہن سہن کے معاملات میں ہو اگر تشتبہ سے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ظاہر ہو رہی ہو تو حرام ہے اور کم از کم گناہ صغیرہ کے درجے میں ہے اور اگر اس کو خلاف سنت جانتے ہوئے اس پر عمل جاری رکھا جا رہا ہے تو گناہ کبیرہ ہے اگر تشبیہ باطل ایسی رسوم و عادات میں ہے جو گناہ نہیں ہیں پھر بھی قابل مذمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَلَیۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُیُوۡتَ مِنۡ ظُہُوۡرِہَا وَلٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنِ اتَّقٰی** ج (البقرہ۔ 189)" یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں میں پیچھے کی طرف سے داخل ہوتے ہو۔ نیکی تو اصل میں یہ ہے کہ آدمی اللہ کی ناراضی سے بچے" عربوں کے ہاں کی توہم پرستانہ رسم تھی کہ جب احرام

(14) مسائل السلوک، ص 118

باندھ لیتے اور پھر گھر میں آنے کی ضرورت پڑتی تو دروازوں کی بجائے پچھواڑوں سے دروازہ بنا کر داخل ہوتے' سیدھے دروازوں سے گھر میں نہ آتے۔ مذکورہ آیت میں اس رسم اور دیگر تمام رسومات سے روکا گیا ہے جو اہل باطل سے مشابہت رکھتی ہوں اور ان کو مذموم حرکات میں شمار کیا گیا ہے۔(15)

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست پر جس میں کہا گیا تھا کہ ہتھیار لٹکانے کے لیے ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک درخت مقرر کر دیجئے جیسا کفار نے مقرر کیا ہوا ہے۔ اس کو آپؐ نے ناپسند فرمایا اور موسیٰؑ کی جاہل قوم جیسا مطالبہ قرار دیا جس نے غیر اللہ کی پوجا کے لیے کوئی الٰہ بنا کر دینے کی درخواست کر ڈالی تھی۔ گویا معلوم ہوا کہ دنیوی عادات میں بھی اہل باطل جیسی عادات اختیار کرنا مذموم ہے تو عبادات کے نام پر بدعات کو اپنا لینا تو اور زیادہ قبیح اور مذموم تر ہوگا۔ یہ اشارات سورہ اعراف کی اس آیت میں پائے جاتے ہیں۔ **قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ط قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○** (الاعراف۔ 138)" کہنے لگے" اے موسیٰ ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں' موسیٰ نے کہا' تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو" معلوم ہوا کہ کافر قوموں جیسے عبادت کے طریقے ہوں یا عام رسم و رواج ہوں باطل اور مذموم ہیں۔(16)

تعطّل بوجہ عذر اور بہانہ: نفس کا کسی عذر اور بہانے سے اطاعت گزاری سے روکنا یا رکنا تعطل کہلاتا ہے۔ بعض اوقات ہوائے نفس ایسا سبز باغ دکھاتی ہیں کہ انسان کو اطاعت کرنے میں جتنی بھلائی نظر آتی ہے۔ اس سے زیادہ بڑی بھلائی اس کی اطاعت نہ کرنے میں دکھائی دیتی ہے۔ یعنی اطاعت کرنے میں جو خطرہ اور تکلیف یا نقصان ہے اس سے کم نقصان اطاعت نہ کرنے میں ہے۔ اللہ کا قول **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ** ط(توبہ۔ 49)" ان میں سے کوئی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت دے دیجئے اور مجھ کو فتنے

(15) مسائل السلوک' ص 60

(16) مسائل السلوک' ص 344

میں نہ ڈالیے۔" اشارہ ہے نساء روم کے فتنے میں پڑنے کی طرف اور جہاد سے عذر کرنے کی خاطر' ایسے عذر اور بہانے جو اطاعت خدا اور رسول سے تعطل کی خاطر کیے جائیں قابل مذمت ہیں۔ ایسا تعطل درحقیقت اطاعت کے لیے عدم ارادہ کی دلیل ہوتا ہے۔ اصل میں یہ اطاعت نہ کرنے کا بہانہ ہوتا ہے اور مکر کرنے والا اس کو اطاعت کی رغبت ظاہر کرتا ہے۔ یعنی جس کو رغبت کہتا ہے وہ اطاعت نہ کرنے کا بہانہ اور عذر ہوتا ہے۔(17)

تکذیب حق میں مسارعت: مسارعت سے مراد جلد بازی کرنا۔ بلا غور و خوض کوئی امر سرانجام دے دینا ہوتا ہے۔ کسی امر کے بارے میں بھی انکل پچو انداز مناسب نہیں ہوتا چہ جائیکہ حق اور ناحق کے مابین ایسا انداز اپنانا مناسب ہو۔ حق کا تقاضا ہے کہ اس پر خوب فکر و تدبر کیا جائے اور بلا تامل و تدبر یا حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہوئے بغیر کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔ تکذیب حق میں مسارعت کرنے والوں کی مذمت کا اشارہ سورۂ یونس میں یوں ہے **بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ** ط(یونس۔ 39)" اصل یہ ہے کہ جو چیز ان کے علم کی گرفت میں نہیں آئی اور جس کا مال بھی ان کے سامنے نہیں آیا۔ اس کو انہوں نے (خواہ مخواہ انکل پچو) جھٹلا دیا" اس آیت سے روح المعانی اور مسائل السلوک میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ منکرین اہل حجاب کا رویہ بزرگوں کے کلام کے ساتھ ایسا ہی نازیبا ہوتا ہے' نہ وہ اصل بات پر غور کرتے ہیں' نہ ان اصطلاحات کی تفہیم کے لائق ہوتے ہیں جن پر وہ کلام مبنی ہوتا ہے اور بلاسوچے سمجھے اعتراض کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ایسا رویہ ہی مذموم ہے۔(18)

حب دنیا اور شہوت: اہل تصوف حب دنیا کو شہوت سے زیادہ قبیح گردانتے ہیں۔ روح المعانی میں عمل سے مراد ایسا کام ہے جو محض قصد و ارادے سے سرزد ہو جائے مگر جس امر کو سرانجام دینے کے لیے اس کو بار بار دہرانا پڑے اور اس کی مشق کی ضرورت ہو اس

(17) مسائل السلوک' ص 400

(18) مسائل السلوک' ص 434

کو صنع کہتے ہیں۔ گویا عمل کو بار بار بالارادہ دہراتے رہنا صنع ہو گا۔ صنع زیادہ محنت سے کیا ہوا امر ہو گا' یا صنع میں بناوٹ اور تصنع بہ نسبت عمل زیادہ ہو گی اس لیے صوفیاء ایسے شیخ کو زیادہ بدحال بتلاتے ہیں جو اثر کی امید کے باوجود صنع سے نہیں روکتے بہ نسبت اس مرتکب کے جو عمل کی بجائے صنع کو اختیار کر رہا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مرتکب یا سالک کے لیے تو عارضی شہوت اس پر مجبور کرتی ہے مگر شیخ کو صنع پر مجبور کرنے والی چیز حب دنیا ہے۔ اس لیے شیخ کا معاملہ قبیح تر ہے مرتکب سے اس بات کا اشارہ ہے اللہ کے اس قول میں۔

لَوۡلَا يَنۡهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ (المائدہ۔ 63)" کیوں ان کے علماء اور مشائخ انہیں گناہ پر زبان کھولنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے ؟"اسی آیت کے تحت روح المعانی میں یہ اشارہ ہے کہ شیخ کے مرید کے عمل کا نقصان شیخ کے صنع سے کم ہے۔ کیونکہ سالک تو عارضی خواہش پورا کرنے کے لیے وہ عمل کررہا ہے مگر شیخ مذکور سے دنیا کی محبت کا عمل سرزد ہو رہا ہے اور شیخ کا عمل اقبح ہے لہٰذا حب دینا اور شہوت دونوں قبیح اور مذموم ہیں مگر حب دینا ان میں اقبح ہے (19)

حق اور نذرانے : کتمان حق بہت بڑا گناہ ہے اور کتمان حق کے لیے کوئی نذرانہ لینا شدید ترین برائی ہے۔ بعض اشخاص جاہل مریدوں سے حقیقت حال اور سچائی کو اس لیے چھپائے رکھتے ہین کہ کہیں ان کے نذرانے بند نہ ہو جائیں۔ صوفیاء کے ہاں ایسے غلط کار پیروں کی سخت مذمت آئی ہے۔اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ملتا ہے :**يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡاَحۡبَارِ وَالرُّهۡبَانِ لَيَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ** ط(التوبہ۔ 34)" اے ایمان لانے والو' اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔"(20)

(19)مسائل السلوک ' ص 396

(20)مسائل السلوک ' ص 396

دین اور غرض فاسدہ: دین کو غرض فاسدہ کا آلہ کار بنانا انتہائی مذموم فعل ہے اور شرعی اعتبار سے مکروہ فعل کا سبب بننے سے بچنا ضروری ہوتا ہے جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد ضرار میں نماز پڑھنے سے اس لیے روک دیا گیا کہ آپ کے ہاں نماز ادا کرنے سے اس غرض فاسدہ کو تقویت مل جاتی' جس کے لیے منافقین نے یہ مسجد بنائی تھی۔اسی لیے آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ **لَا تَقُمۡ فِيۡهِ اَبَدًا**ط(التوبہ۔ 108)"تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا" دین کو غرض فاسدہ کے لیے استعمال کرنے والے کے فعل کی شناعت میں اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے۔ **وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا وَّكُفۡرًا وَّتَفۡرِيۡقًا ۢ بَيۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاِرۡصَادًا لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ مِنۡ قَبۡلُ** ط(التوبہ ۔107)" جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کے لیے کہ(دعوت حق) کو نقصان پہنچائیں اور(خدا کی بندگی کرنے کے بجائے) کفر کریں اور اہل ایمان مین پھوٹ ڈالیں اور اس بظاہر عبادت گاہ کو) اس شخص کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور اس کے رسول کے خلاف برسرپیکار ہو چکا ہے" اسی غرض فاسدہ کی وجہ سے اس عمارت کو جلا ڈالا گیا۔ باوجود اس کے کہ اس کا نام "مسجد" رکھا گیا تھا۔ (21)

رضا بالدّنیا اور اطمینان بالدّنیا کا معاملہ : رضا بالدنیا اور اطمینان بالدنیا سے مراد ایسا انسانی رویہ ہے جس کی بنا پر انسان خدا کے سامنے اپنے آپ کو ذمہ دار اور جوابدہ نہیں سمجھتا۔ اسے اس بات کا کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہوتا کہ اسے آخر کار خدا کو اپنے پورے کارنامہ حیات کا حساب دینا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔اس میں انسان جس قدر خوشحالی' آسائش' شہرت اور طاقت حاصل کرلے وہی اس کے اطمینان کے لیے ضروری ہے۔ مسائل السلوک میں اس نقطہ نظر کو مذموم بتایا گیا ہے اور اس کے اشارات سورہ یونس کی اس آیت کریمہ سے لیے گئے ہیں۔**اِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوۡا بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَاطۡمَاَنُّوۡا بِهَا** (یونس۔ 7)" حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہم

(21)مسائل السلوک ' ص 416

سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی ہی پر راضی اور مطمئن ہو گئے ہیں" آگے فرمایا گیا کہ جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہو گا اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ غلط عقیدے کے ساتھ دنیا پر راضی اور مطمئن ہوئے حالانکہ اصل قدر و قیمت اخروی زندگی کی ہے۔(22)

زینت دنیا کی پوجا: جو شخص آخرت میں مشاہدہ حق تعالیٰ اور رویت باری تعالیٰ کے امکان پر ترجیح دیتے ہوئے زینت دنیا کی طرف مائل ہو یعنی اس آخرت کی قدر و قیمت اس کے دل میں اتنی نہ ہو جتنی دنیا کی فانی چیزوں کی ہے۔ ایسے آدمی کی حالت ایک انتہائی مذموم حالت ہے۔ ایسے شخص کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ بظاہر اللہ کے مقرب بندوں جیسے حالات اپنے اوپر طاری کرتا ہے مگر اس میں حب جاہ کی ملاوٹ بھی ہوتی ہے۔ ایسے منافق کے لیے نہ حقیقی بقا ہے اور نہ ہی اسے اللہ سے مخاطبت کا درجہ حاصل ہو گا نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں ایسی ہی زینت دنیا کی پوجا کی مذمت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ **إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ص وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ** ○(آل عمران۔ 77)" بے شک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، تو ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ قیامت کے روز نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے تو سخت درد ناک سزا ہے۔"(23)

شکم پری اور شہوت رانی: شکم پری سے مراد زیادہ کھانا اور یہ پروا نہ کرنا کہ کھانا حلال بھی ہے یا نہیں اور شہوت رانی سے مراد ہر وقت شہوانی جذبات کی تسکین کے لیے ہی کوشاں رہنا ہے خواہ حلال ذریعہ سے ہو یا حرام ذرائع سے یہ ہر دو صفات انتہائی مذموم ہیں۔

(22)مسائل السلوک، ص 125

(23)مسائل السلوک، ص 121

ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب نہیں ہوتا اس لیے کہ ان دونوں خواہشوں کا عادی اس سے بہتر کسی درجے کے بارے میں سوچنے سے بھی قاصر ہوتا ہے۔ اس کا اشارہ اس حکم خداوندی میں ہے **ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ** (الحجر۔ 3)"چھوڑ انہیں، کھائیں، چیں، مزے کریں اور بھلاوے میں ڈالے رکھے ان کو جھوٹی امید عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔"(24)

قساوت اور اس کے اثرات: لغت میں قساوت سے مراد" سخت دلی اور سیاہ دل ہونا ہے۔ صوفیاء کے ہاں اس کو" قبض" کی قسم شمار کیا جاتا ہے۔ کبھی" قبض" معاصی کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ قبض کبھی تو معاصی کے پیدا ہونے کی جگہ بن جاتا ہے اور کبھی اس سے معاصی پیدا ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ قساوت قبض سے پیدا ہونے والا معاصی ہے اس لیے مذموم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قول **فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً** ج(المائدہ۔ 13)" پھر یہ ان کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان کے دل سخت کر دیئے" میں اشارہ ہے کہ ان کے گناہ کرنے کے نتیجے میں قبض ہوا جو قساوت کی شکل میں ظاہر ہوا قساوت کی نحوست سے تورات کے بہت سے مضامین بنی اسرائیل کے حافظے سے ساقط ہو گئے اور معاصی ایسی نحوست ہیں کہ یہ آخرت کے عذاب کے ساتھ ساتھ دنیا کے عذاب کا بھی سبب ہوتے ہیں۔ مثلاً خانہ جنگی دنیا میں عقاب ہے اس طرف اشارہ ہے۔ **وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ** ج(المائدہ 13) میں" جو تعلیم انہیں دی گئی تھی اس کا بڑا حصہ بھول چکے ہیں۔" قساوت کے اثرات کے نقصانات سے اس کے مذموم ہونے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔(25)

غلو فی الزہد: زہد، اللہ اور بندوں ہر دو کو راضی رکھنے کا ذریعہ ہوتا ہے مگر جب حد سے بڑھ جائے تو مذموم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے فرمان **أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ**

(24)مسائل السلوک، ص 523

(25)مسائل السلوک، ص 226

طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ط (المائدہ۔ 96) "تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کردیا گیا جہاں تم ٹھہرو وہاں بھی اسے کھا سکتے ہو اور قافلے کے لیے زاد راہ بھی بنا سکتے ہو۔ البتہ خشکی کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں ہو، تم پر حرام کیا گیا ہے۔" اللہ کے اس حکم سے زہد کی تعدیل ہوتی ہے۔ سمندر کا شکار ہر وقت اور ہر جگہ کھایا جاسکتا ہے اب اس پر زہد کے نام پر عمل نہ کرنا، اسے نہ کھانا یا زاد سفر بنانے سے گریز کرنا غلو فی الزہد ہوگا اور یہ اللہ کی اجازت سے انکار ہے۔ لہٰذا مذموم ہے۔ اسی طرح خشکی کا شکار احرام کھولنے کے بعد بھی استعمال نہ کرنا اور اس کو زہد کے منافی جاننا بھی غلو فی زہد کے تحت آتا ہے لہٰذا قابل مذمت ہے۔[26]

غلو فی الزہد عام طور پر جاہل صوفیاء کا فعل ہے۔ وہ تقشف کی خاطر کئی پاکیزہ چیزوں کے کھانے سے باز رہتے ہیں۔ وہ اس کو نیکی اور پارسائی کی علامت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلو ہے زہد میں اور ایک مذموم حرکت ہے کیونکہ اس طرح وہ اپنے اوپر ان چیزوں کا استعمال حرام کرلیتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر کرم کرتے ہوئے حلال کیا ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ سورہ انعام میں وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ط (الانعام۔ 119)" آخر کیا وجہ ہے کہ تم وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ جن چیزوں کا استعمال حالت اضطرار کے سوا دوسری تمام حالتوں میں اللہ نے حرام کردیا ہے ان کی تفصیل وہ تمہیں بتا چکا ہے۔" آیت زیر نظر میں صاف اشارہ ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو نہ کھانا۔ زہد نہیں بلکہ زہد میں غلو کے تحت آتا ہے اور یہ اللہ کی نافرمانی والی بات ہے۔[27]

کسل اور ریا کی حقیقت: کسل کا لغت میں معنی سستی اور کاہلی اور بے دلی ہے۔ کسل دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک کسل طبعی اور دوسرا کسل اعتقادی۔ کسل طبعی کا تعلق

(26) مسائل السلوک، ص 257

(27) مسائل السلوک، ص 297

انسان کے جسم اور اس کے افعال سے ہوگا یہ قابل ملامت نہیں بلکہ فطری جسمانی بناوٹ اس کا باعث ہوگی۔ کسل اعتقادی اس لیے قابل مذمت ہے کہ عقیدہ اور ایمان اس کا باعث ہوتا ہے جیسے قرآن کریم میں اس کے بارے میں اشارہ ہے۔ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى لا يُرَآءُوْنَ النَّاسَ۔ (النساء۔ 142)" جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسماتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں کسل کی وجہ "ریا" بتائی گئی ہے جو عقیدہ اور ایمان کی خرابی ہے۔ اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ کسل اعتقادی مذموم ہے۔[28]

ریا کی مذمت کا اشارہ سورہ بقرہ کی اس آیت میں بھی پایا جاتا ہے۔ جس میں ایمان والوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس آدمی کی طرح خاک میں نہ ملا دیں كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ (البقرہ۔264) "جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے۔" گویا ریا قابل ملامت اور قابل مذمت چیز ہے۔[29]

کبر کی حقیقت: کبر اکثر گناہوں کی بنیاد ہے اس طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ (البقرہ۔ 87) "جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا، تو تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی ہی کی، کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا" یعنی تکذیب اور قتل کا سبب تمہارا کبر ہی بنا۔[30]

صوفیاء کرام کبر و نخوت کو سخت ناپسند کرتے ہیں اس لیے وہ گھٹیا لباس معمولی قسم کے کھانے اور ادنیٰ درجے کی رہائش کو اختیار کرتے ہیں۔ اس کا اشارہ اللہ کے اس فرمان سے اخذ کرتے ہیں جس کا ترجمہ ہے " جو شخص تم میں سے اتنی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورتوں سے نکاح کرسکے اسے چاہیے کہ تمہاری ان لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرے جو تمہارے قبضے میں ہوں اور مومنہ ہوں۔ اللہ تمہارے ایمانوں کا حال خوب جانتا ہے، تم سب ایک ہی

(28) مسائل السلوک، ص 209

(29) مسائل السلوک، ص 90

(30) مسائل السلوک، ص 28

گروہ کے لوگ ہو" (النساء۔ 25) اس میں اصل الفاظ ہیں **بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ** یعنی تم سب ایک ہی گروہ انسانی کے افراد ہو لہٰذا کبر و نخوت کی کوئی وجہ نہیں۔[31]

کبر و تکبر اللہ کی درگاہ کے منافی ہے اسی لیے متکبر کو درگاہ الٰہی سے دور رہنے کا حکم ہوگا۔ اس مذموم حالت کے ساتھ کسی کا مقبول بننے کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔ **قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ** ۝ (الاعراف۔ 13) " فرمایا ' اچھا تو یہاں سے نیچے اتر ' تجھے حق نہیں ہے کہ یہاں بڑائی کا گھمنڈ کرے نکل جا کہ درحقیقت تو ان لوگوں میں سے ہے جو خود اپنی ذلت چاہتے ہیں" گویا گھمنڈ اور تکبر کرنے والا اپنی بے عزتی کو خود دعوت دیتا ہے اور اسے بارگاہ خداوندی کے قریب رہنے اور ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔[32]

کینہ : کینہ کے لیے عربی زبان میں "غل" کا لفظ آتا ہے۔ اس کے معنی خیانت اور کھوٹا پن ہے۔ مخفی عداوت بھی غل کہلاتی ہے۔ کینہ دو قسم کا ہے طبعی اختیاری اور طبعی غیر اختیاری ان میں طبعی اختیاری کینہ انتہائی مذموم ہے مگر طبعی غیر اختیاری جو بعض دنیوی معاملات کی بدولت دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ دخول جنت سے مانع نہیں ہے۔ یہ اشارات روح المعانی اور مسائل السلوک دونوں میں اس آیت کریمہ کے تحت اخذ کیے گئے ہیں۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ (الاعراف۔ 43)

" ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے جو کدورت ہوگی اسے ہم نکال دیں گے۔" یعنی طبعی غیر اختیاری کدورت کے نقصانات سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بچالے گا اور جنت میں داخل ہونے سے نہیں روکے گا۔ بلکہ زندگی میں لگے ہوئے داغ دھبے دور کردیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو بے داغ زندگی دے کر جنت میں داخل کر دے گا۔

مرید پر احسان جتلانا: دینی مصلحت تقاضا کرتی ہو تو مرید پر احسان جتانا جائز ہے مگر محض

(31) مسائل السلوک ' ص 169

(32) مسائل السلوک ' ص 315

ڈینگ مارنے اور اپنی شیخی بگھارنے کی خاطر احسان جتانا مذموم حرکت ہے۔ قرآن کریم میں ہے **لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى** (البقرہ۔ 264) " اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر باطل نہ کرو۔" اس میں ایسے صدقہ کی مذمت ہے جو افادہ کی غرض سے دیا جائے اور خاص اللہ کے لیے نہ دیا جائے۔ اسی سے یہ اشارہ مسائل السلوک میں مذکور ہوا کہ شیخ کا کسی دنیوی غرض کے لیے اپنے مرید پر احسان جتانا مذموم ہے۔[33]

مجاہدہ میں تشدد برائے عجب : مجاہدہ کرنے میں اس لیے تشدد اور زیادتی کرنا کہ لوگوں پر پیر صاحب کی قوت کا سکہ بیٹھ جائے اور ان کے لیے گھمنڈ اور غرور کا سبب بن جائے ایسا مجاہدہ مذموم ہے۔ اشارہ ہے آیت **يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا** ۝ (النساء۔ 28) " اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے" میں ہے کہ عجب اور گھمنڈ پیدا کرنے والا مجاہدہ مذموم ہے۔[34]

اس آیت کے بعد کی ایک آیت کریمہ میں مجاہدات پر نظر اور عجب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یعنی گھمنڈ اور غرور کی غرض سے کوئی مجاہدہ بروئے کار لانا مذموم ہے۔ اس بات کا اشارہ جس میں نہی کی گئی ہے۔ **نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا** ط "جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے" اور **مِّمَّا اكْتَسَبْنَ** ط " اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے ان کا حصہ" کے بعد **وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ** (النساء۔ 32) " اللہ سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہو" سے اخذ کردہ ہے۔[35]

عیب گیری : منکریں اولیاء کا اللہ کے دوستوں کے اعمال اور حال پر عیب چینی اور عیب گیری کرنا مذموم ہے۔ مسائل السلوک میں یہ اشارات اس آیت کریمہ سے اخذ شدہ ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا

(33) مسائل السلوک ' ص 90

(34) مسائل السلوک ' ص 171

(35) مسائل السلوک ' ص 172

يَجِدُوْنَ اِلَّاجُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ط(التوبہ۔ 79)" جوان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس(راہ خدا میں دینے کے لیے) اس کے سوا کچھ نہیں ہے جو وہ اپنے اوپر مشقت برداشت کرکے دیتے ہیں" اولیاء کے منکر اور عیب چین ایسے لوگوں کے عمل اور حال پر عیب چینی کرتے ہیں مگر یہ ایسے خوش قسمت لوگ ہیں جن کے حق میں ہے **سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ** یعنی اللہ "ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے "گویا اللہ تعالیٰ ان کی حمایت اور منکرین اولیاء کی مخالفت کرتا ہے۔ اس سے عیب چینوں کے عمل کی قباحت اور مذمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔(36)

(36)مسائل السلوک، ص 408

شیخ، حقوق و فرائض اور خوارق عادت

عرفاء اور مشائخ کے مختلف صفاتی اسماء

اکابر: اکابر سے مراد موسیٰؑ ہیں۔ خضر اور موسیٰؑ کی ملاقات سے یہ اشارہ اخذ کیا گیا ہے کہ بعض ایسے افعال جن کا ظاہر خلاف شرع ہوتا ہے اور درحقیقت وہ ایسے نہیں ہوتے اکابر سے سرزد ہو سکتے ہیں۔ یعنی اکابر سے حقیقتاً" تو موسیٰؑ مراد ہیں مگر اشارہ" اس سے مراد کوئی اعلیٰ درجے پر فائز شیخ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ **فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا**○(الکھف۔ 70)"اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھیں جب تک کہ میں خود اس کا آپ سے ذکر نہ کروں۔"اشارہ اس طرف ہے کہ کوئی عارف اور شیخ ایسے افعال سے نہیں بچ سکتا جس سے اللہ کا پیغمبر نہیں بچ سکا۔(1)

اکابر کسی دینی مقصد کے علاوہ اسباب کے لیے درخواست نہیں کرتے۔ وہ اسباب کو استعانت فی الدین کے لیے چاہتے ہیں دنیوی اغراض پورا کرنا ان کا مقصد نہیں ہوتا جیسے موسیٰؑ نے اپنے کنبے کے لوگوں میں سے اپنے بھائی ہارون کو وزیر بنائے جانے کی درخواست کی تاکہ وہ ان کا ہاتھ مضبوط کریں۔ اور ان کے کام میں مدد کریں یعنی اسباب دنیا کی خواہش کی مگر ساتھ ہی اس کا مقصد بتایا **کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْرًا** (طہ۔ 33) "تاکہ ہم خوب

(1)مسائل السلوک، ص 598

تیری پاکی بیان کریں۔" اس سے اشارہ ملتا ہے کہ مشائخ دنیا داروں کے برعکس دین کی سربلندی کے لیے اسباب دنیا کی تمنا اور دعا کیا کرتے ہیں (2)۔

اکابر کی لغزش نفس سے نہیں ہوتی اسی لیے اس پر کوئی گرفت نہ ہو گی مگر اکابر اس پر بھی ندامت ہی محسوس کیا کرتے ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے **وَقَتَلْتَ نَفْسًا** "تو نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا"۔(طٰہٰ۔ 40) اور ساتھ ہی فرمایا کہ "ہم نے تجھے اس پھندے سے نکالا یعنی نہ صرف یہ کہ تجھ سے درگزر کیا بلکہ خود تیری مدد کر کے اس مصیبت سے تیری جان بچائی۔"(3)

اہل اسرار: ایسے مشائخ اور عرفاء جنہوں نے اشاروں اور کنایوں کی ایسی دقیق زبان استعمال کی ہے جس کو سمجھ پانا بہت مشکل ہے جب تک کوئی واقف حال اچھی طرح سمجھا نہ دے اہل اسرار کہلاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بات کی تصدیق کرنا لازمی ہے اور اس کی تفصیلات میں جانے سے پرہیز ہی بہتر ہے۔ اہل اسرار وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے احوال سے ان کا صادق ہونا ظاہر ہوتا ہے مگر ان کی بات ایسے پیرائے میں بیان کی ہوتی ہے جس کو سمجھنا دشوار ہوتا ہے ایسے لوگوں کے کلام پر اعتماد کرنا ضروری ہے اور سلامتی کی خاطر اس کے انکار سے بچنا بہتر ہے۔ اس بات کا اشارہ اس آیت میں ہے۔ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ (الی قوله تعالی) كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا** ج(آل عمران۔ 7) "جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے۔ وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بخلاف اس کے جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے۔ یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں۔" اشارہ اس طرف کیا گیا ہے کہ اہل اسرار کے قول کی مخالفت اور انکار نہ کرنا چاہیے۔ اگر کچھ سمجھ میں نہ آئے تو بھی اس کی تصدیق کرنا بہتر ہے اور تفتیش سلامتی کے منافی ہے (4)۔

(2) مسائل السلوک، ص 619

(3) مسائل السلوک، ص 620

(4) مسائل السلوک، ص 103

اہل اللہ: اہل اللہ کی اصطلاح انبیاء، فرشتوں، جلیل القدر فرشتوں مثلاً جبرئیل اور میکائیل وغیرہ کے ساتھ ساتھ عام اہل ایمان اور صوفیاء و مشائخ حضرات کے لیے استعمال کی گئی ہے۔ مسائل السلوک کے تقریباً چودہ مقامات پر اس اصطلاح کو لایا گیا ہے (5)۔

(البقرہ۔ 98) میں اشارہ ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ دشمنی یا دھوکہ بازی کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا کرنا ہے۔ (6)

(البقرہ۔ 98) "اللہ اس کا دشمن ہے جو فرشتوں اور رسولوں کا دشمن ہے"(7)۔ مکرر قول **مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ** کے جواب میں **نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ** ج(ال عمران۔ 52) سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا ایسا ہے جیسا اللہ کے ساتھ معاملہ کیا جائے (8)۔

پہلے گزری ہوئی آیت (آل عمران۔ 90) میں اشارہ ہے کہ جو شخص ایک دفعہ اہل اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور پھر راستے سے ہٹ کر چلنے لگے تو اس کو اہل طریق کی راہ پر چلنے کی دوبارہ توفیق ملنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ بلکہ اہل طریق سے نفرت اور عداوت کی بدولت وہ دین کے ایک بڑے حصے سے محروم ہو جاتا ہے (9)۔

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ط(المائدہ۔ 15) "" اور بہت سے امور واگذاشت کر دیتے ہیں" سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اہل اللہ محض نفسانی غیض و غضب کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کسی سے دشمنی نہیں رکھتے بلکہ دین کی کسی مصلحت کی خاطر غصہ کا اظہار فرماتے ہیں (10)۔

کسی قوم میں سے نبی کا بنایا جانا، فرمانروائی کا منصب عطا کرنا اور دنیا کی دیگر اقوام کی نسبت زیادہ نعمتیں دیا جانا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اہل اللہ کے خاندان سے ہونے پر شکر کرنا واجب ہے اس لیے کہ ایسے خاندان کے کسی فرد کے لیے دین آسان ہوتا ہے مگر

(5) مسائل السلوک، ص 315

(6) مسائل السلوک، ص 5

(7) مسائل السلوک، ص 31

(8) مسائل السلوک، ص 114

(9) مسائل السلوک، ص 124

(10) مسائل السلوک، ص 227

اس کو فخر و تکبر سے بچ کر رہنا چاہیے یہ اشارہ ہے **يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ** (المائدہ۔ 20) [11] "اے میری قوم تم اللہ کے انعام کو جو کہ تم پر ہوا ہے، یاد کرو"

پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ (المائدہ۔ 33) میں اشارہ ہے کہ اللہ کے رسول اور اہل ایمان سے محاربہ کرنا اللہ سے محاربہ کرنا ہے۔ اسی کا نام ہے اہل اللہ سے محاربہ کرنا [12]

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ط(المائدہ۔ 45) " پھر جو شخص اس کو معاف کردے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہو جاوے گا" میں اہل اللہ کے اخلاق کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں اور انتقام کی آگ میں نہیں جلتے۔[13]

(المائدہ۔ 57) **وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا** ط "اور جب تم نماز کے لیے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں" میں سے یہ اشارہ نکالا گیا ہے کہ اہل اللہ کے طریق سے تمسخر کرنے والوں سے قطع تعلق کرلینا چاہیے۔ اس لیے کہ جو اہل اللہ کا دشمن ہے اللہ اس کا دشمن ہے [14]

پہلے ذکر کردہ آیت (الانعام۔ 26) سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ خاندانی اور فطری محبت کا نفع یا ان کو اپنے قبیلے اور خاندان کا آدمی جان کر ان کی امداد کرنا اس وقت تک اللہ کے ہاں نفع نہیں دیتا جب تک خوب غور و خوض کے بعد ان کے ساتھ عقلی طور پر تعلق اور محبت قائم نہ کی جائے [15]۔

وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ (الانبیاء۔ 109) "اب یہ میں نہیں جانتا کہ وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے قریب ہے یا دور" اس آیت کریمہ سے اہل اللہ کے علم غیب کی نفی ہوتی ہے اور جہلاء کے اپنے پیروں کے بارے میں اعتقاد پر ضرب کاری ہے۔[16]

ارشاد خداوندی **وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا** ج(القصص۔

(11) مسائل السلوک، ص 228
(12) مسائل السلوک، ص 233
(13) مسائل السلوک، ص 240
(14) مسائل السلوک، ص 244
(15) مسائل السلوک، ص 272
(16) مسائل السلوک، ص 651

35) "اور تم دونوں کو ایسی سطوت بخشیں گے کہ وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے" سے اشارہ ملتا ہے کہ خود خالق ارض و سما اہل اللہ کو ایک قسم کی سطوت اور پرہیبت شان عطا فرماتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ عطا کرے اس کا انکار کس کو نفع دے گا [17]

جس مجمع اور بستی مین کوئی اہل اللہ قیام پذیر ہوتا ہے اس کی وجہ سے ان پر عذاب ٹلا رہتا ہے اور جب وہ وہاں سے چلا جاتا ہے تو پھر اس عذاب کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ یہ اشارات ہیں ان آیات کریمہ میں **قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا** ط **قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا** وقفہ ز (العنکبوت۔ 32) "کہا اس میں لوط ہے۔ انہوں نے کہا ہم جانتے ہیں اس میں کون ہے؟" [18]

<u>اہل فنا</u>: اہل فنا کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ دعوے تقدس یعنی اپنے آپ کو پاکیزہ ذات سمجھنے کی غلطی سے مبرا ہوتے ہیں۔ جبکہ بہت سے مشائخ اپنی پاکیزگی کا دم بھرنے کے عادی ہوتے ہیں اس کا اشارہ **اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ** ط۔(النساء۔ 49) میں ہے "کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو اپنی ذات کو پاکیزہ سمجھتے ہیں۔" [19]

<u>اہل کمال</u>: اہل کمال کا یہ دعویٰ کہ اعمال بد کی بنا پر ہم سے مواخذہ نہ ہو گا۔ باطل محض ہے مسائل السلوک میں ایسے دعاوی کو جھوٹ کا پلندہ اور شریعت کے اعتبار سے قابل رد قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کا اہل کمال ہونا ہی محل نظر ہے اور یہ ایک ایسی جھوٹی امید کی طرح ہے جس کی کوئی اصل یا بنیاد نہیں۔ قرآن کریم کی آیت **لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ** ط(النساء۔ 123) "انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر" یعنی محض کمال کا دعویٰ کافی نہیں بلکہ نقصان وہ ہے اور باطل ہے اگر اعمال کے نتائج سے انکار اس بنا پر کیا جائے کہ ہم فلاں کی اولاد یا دامن گرفتہ ہیں [20]

(17) مسائل السلوک، ص 765
(18) مسائل السلوک، ص 784
(19) مسائل السلوک، ص 178
(20) مسائل السلوک، ص 202

حکیم مصلح: اصلاح کرنے والا حکمت و دانائی سے کام لینے کے اہل ہو تو ہر کسی کے ساتھ اس کی خصوصیت کے مطابق سلوک کرے گا۔ لوگوں کے مدارج میں جس طرح کا تفاوت ہو گا وہ اپنے سلوک اور برتاؤ میں اس کو ضرور ذہن میں رکھ کر معاملہ کرے گا۔ قرآن کریم میں ہے **فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ** ط(النساء۔ 25) "اس کے بعد کسی بدچلنی کے مرتکب ہوں تو ان پر اس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو خاندانی عورتوں(محصنات) کے لیے مقرر ہے۔" اس آیت کریمہ سے مصلح کے لیے لازمی قرار دینے کا اشارہ نکالا گیا کہ وہ ہر درجے' مرتبے اور حیثیت کے آدمی یا مرید کے ساتھ اس کی استعداد کے مطابق سلوک کرے گا تو ان کے لیے مفید ہو گا(21)

داعی الی اللہ: اللہ تعالیٰ کے فرمان **هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا** (یوسف۔ 108) "میرا راستہ تو یہ ہے' میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میں خود پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں۔" اس میں اشارہ ہے کہ داعی الی اللہ میں سب سے پہلی ضروری استعداد یہ ہونی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا عارف ہو اور دوسری بات یہ کہ وہ اس حکمت اور دانائی سے کام لینے کے اہل ہو جو ایصال طریق یا بات سمجھانے اور پہنچانے کے لیے ضروری ملکہ ہے (22)

ربانی: سورۃ آل عمران کی اناسیویں آیت میں ہے کہ **كُونُوا رَبَّانِيِّينَ** "ربانی ہو" مسائل السلوک میں ربانیت سے مراد لیا گیا ہے اہل باطن کا طریق' اہل باطن کے علوم و احوال' ان کے احوال خاصہ اور دوسروں پر اپنے طریق کو طاری کرنے کی تصریح۔ اسی جملے کی تفسیر روح المعانی میں یوں ہے۔

ربانی وہ ہے جو فقیہ عالم ہو۔(حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ)

ربانی وہ ہے جو عالم حکیم ہو۔(قتادہ اور سدی)

(22)مسائل السلوک' ص 496

ربانی وہ ہے جو حکیم متقی ہو۔(ابن جبیر)

ربانی وہ ہے جو لوگوں کے امردین کی تدبیر کرتا ہو۔(ابن زید)

ربانی وہ ہے جو علوم کو خاص حضرت حق سے اخذ کرتا ہو۔(شبلی)
اور کسی شے میں غیر حق کی طرف رجوع نہ کرتا ہو۔

ربانی وہ ہے جو اپنے رب پر کسی شے کو ترجیح نہ دیتا ہو۔(سہل)

ربانی وہ ہے جو علماً اور عملاً اخلاق ربانیہ سے موصوف ہو۔(قاسم)(23)

شیخ: بعض مشائخ میں اپنے ذاتی تقدس کی ڈینگیں مارنے کا نقص پایا جاتا ہے اس کا اشارہ(النساء۔ 49) میں پایا جاتا ہے (24)

شیخ کے لیے لازمی ہے کہ مجاہدہ کراتے وقت کمزور اور طاقتور کا لحاظ رکھے کسی کمزور کو طاقت والا مجاہدہ بتانے سے اس کا دل ٹوٹ سکتا ہے۔ اس کا اشارہ سورہ انفال میں ہے۔ **الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا** ط(الانفال۔ 66)

"اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کیا اور اسے معلوم ہوا کہ ابھی تم میں کمزوری ہے"

کسی شیخ کو خطاؤں سے پاک جاننا جبکہ وہ معصوم نہیں ہوتا اور جبکہ کوئی معصوم بھی ایسا نہیں جس سے اجتہادی خطا سرزد نہ ہوتی ہو انتہائی مذموم عقیدہ ہے اور کسی شیخ کے لیے سرغامص کا اعتقاد کہ اس کی غلطی اور معصیت دراصل اور درحقیقت غلطی نہیں ہوتی کوئی پوشیدہ راز ہوتی ہے اور اس میں کوئی خاص الٰہی حکمت ہوتی ہے' انتہائی بڑا اور قبیح غلو ہے۔ اس کا اشارہ اس قول میں ہے۔ **مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ** ط(انفال۔ 67) "کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔" جب معصوم کا یہ حال ہے تو غیر معصوم کے لیے غلطیوں سے مبرا ہونے کا عقیدہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ (25)

(23) مسائل السلوک' ص 122

(24)مسائل السلوک' ص 178

(25)مسائل السلوک' ص 381

صابر: صابر اولیاء اللہ کی صفت ہے اسکا ذکر ہے(آل عمران۔ 17) میں جہاں صبر کی صفت کے ساتھ راستبازی۔ فرمانبرداری' فیاضی اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعاؤں کا ذکر ہے۔ یعنی یہ تمام اولیاء اللہ کی صفات ہیں جو مذکور ہیں۔[26]

صاحب ارشاد: صاحب ارشاد کی لازمی صفت اس کا علم و عمل کے ساتھ متصف ہونا ہے اور اس کا صاحب تصرف یعنی حالات وواقعات یادلوں کو ادھر ادھر پھیرنے کی قوت رکھنا یا صاحب کشف یعنی دلوں کے پوشیدہ بھید ظاہر کرنے کے قابل ہونا یا جو کچھ پردے میں چھپا ہوا ہے اس سے آگاہی رکھنا یا عام انسانوں سے بشری ضرورتوں کے اعتبار سے ممتاز ہونا لازمی نہیں۔ اس معنی کی تائید آیت کے اس اشاری معنی سے ہوتی ہے۔ **وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ اِنِّىۡ مَلَكٌ** (ھود۔ 31) "اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں'نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں"[27]

صاحب حال: صاحب حال اور اہل کمال دونوں کا ذکر گزشتہ صفحات پر اہل کمال کی سرخی کے تحت ہوچکا ہے۔

صادق: لغت میں سچے کو کہتے ہیں۔ یہ اللہ کے دوست کی صفت ہے کہ وہ انتہائی سادگی اور بے تکلفی سے حقیقت کا اقرار کرلیتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح بوجہ خوف یا بوجہ نقص جانئے قتل وغیرہ کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی تاویل میں وقت ضائع کرتا ہے بلکہ صاف صاف اقرار کرلیتا ہے۔ **قَالَ فَعَلۡتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيۡنَ** ط "کہا' اس وقت وہ کام میں نے ناداستگی میں کر دیا تھا"۔ (الشعراء۔ 20) اس آیت سے اللہ کے دوست کی صداقت کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔ کہ وہ لگی لپٹی رکھے بغیر اعتراف حقیقت کرلیتا ہے۔ صادق کا کچھ ذکر صابر کے عنوان کے تحت بھی ہو چکا ہے [28]

(26)مسائل السلوک ' ص 105

(27)مسائل السلوک ' ص 455

(28)مسائل السلوک ' ص 724

صالح: صالح کی جمع صالحین آتی ہے۔ صالحین کے آثار سے برکت کے حصول کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے قول **يَاۡتِيَكُمُ التَّابُوۡتُ فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ** (البقرہ۔ 248) "وہ صندوق تمہیں واپس مل جائے گا۔ جس میں تمہارے لیے سکون قلب کا سامان ہے۔" وہ سامان سکون قلب "**مِّنۡ رَّبِّكُمۡ**" یعنی تمہارے رب کی طرف سے ہے گویا اس کا برکت ہونا یقینی ہے **لاریب** ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی طرف سے ہے۔اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ صالح بزرگوں کے آثار بھی برکت کے حصول کا ذریعہ ہو سکتے ہیں۔[29]

سورہ توبہ کی آیت **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝** (التوبہ۔ 119)۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو" میں اشارہ ہے کہ صالحین کی صحبت اختیار کی جائے۔ ان سے میل جول بڑھایا جائے۔ اوران کی مجلس اور قربت سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ایسی ہی تصریح اس آیت کے تحت روح المعانی از علامہ آلوسی میں بھی ہے۔[30]

صوفی: صوفی کی جمع صوفیاء آتی ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں طریق صوفیاء سے مراد' اسلام' احسان اور حقیقت کا ظاہری اور باطنی مفہوم ہے۔ اسلام ظاہری اور باطنی تابعداری کو کہتے ہیں۔ احسان کی تفسیر وہی ہے جو حدیث شریف میں **ان تعبداللہ کانک تراہ** "کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا کہ تو اس کو (اللہ تعالیٰ) کودیکھ رہا ہے" کے الفاظ سے کی گئی ہے اور حنفیت نام ہے غیر اللہ سے یکسو ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا۔ آیت **وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِيۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا** (النساء۔ 125) " اور ایسے شخص سے اچھا کس کا دین ہو گا جو کہ اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو اوروہ ملت ابراہیم کااتباع کرے۔"میں"**احسن دینا**" سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مجموعہ اسلام' احسان اور حنفیت کو سب سے اچھا طریق کہا گیا ہے اور یہی دراصل صوفیاء کا طریق ہے۔گویا صوفیاء کا طریق ہی سب سے اعلیٰ وارفع طریق ہے[31]

(29)مسائل السلوک ' ص 83

(30)مسائل السلوک ' ص 421

(31)مسائل السلوک ' ص 203

عارف: قرآن کریم کی آیت **وَاِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ (الی قوله تعالیٰ) وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ** ط(البقرہ۔61)" اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک ہی(قسم کے) کھانے پر صبر نہیں کرسکتے (اللہ تعالیٰ کے قول تک) مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے

سے عارف کے لیے یہ اشارات گنوائے گئے ہیں کہ **اولاً** ان لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل کرے جو قضا یعنی اللہ کے طے کردہ امور پر راضی نہیں ہوتے **ثانیاً** " جنہوں نے نعمت پر شکر نہیں کیا **ثالثاً**" بلا پر صبر کا دامن نہیں تھاما بلکہ ناامیدی کی باتیں کیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذلت و رسوائی نے ان کو گھیر لیا **رابعاً**" ان کو اعلیٰ درجے سے گرا کر گھٹیا درجے میں رکھ دیا گیا اس لیے کہ وہ دنیا کی محبت کے پجاری بن گئے تھے اور ان کے قلوب اللہ کے مسکن کے برعکس دنیوی محبت کے ٹھکانے بن گئے۔(32)

اللہ تعالیٰ کے قول **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ** ج(المائدہ۔105) " اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اپنی فکر کرو" **لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَیۡتُمۡ** ط"کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہ راست پر ہو۔" روح المعانی اور مسائل السلوک دونوں ان اشارات پر متفق ہیں کہ مومنین کو کفار وفاسقین کی حالت پر زیادہ کڑھنا نہیں چاہیے۔ بلکہ ان کے برے حالات پر افسوس کرنے اور ان کی دنیوی کامیابیوں کو دیکھ کر حسرت کرنا بھی مناسب نہیں۔ اسی سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ عرفا کی ذمہ داری نیکیوں کی ترغیب دینے اور برائیوں سے منع کرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ ان کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی کے پیچھے لگ پڑیں اور جب تک اس کی اصلاح نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے درپے رہیں۔(33)

عالم: عالم کی جمع علما آتی ہے۔ علما کی طرف اس لیے رجوع کرنا چاہیے کہ ان کے بتائے ہوئے پر عمل کریں گے۔ اگر کوئی علماء کے پاس اس لیے جائے کہ ان کی کسی بات کو

(32)مسائل السلوک' ص 19

(33)مسائل السلوک' ص 260

توڑ موڑ کر یا سیاق وسباق سے الگ کرکے اس طرح بیان کرے گا کہ اس کی کسی غلط بات کے لیے ڈھال کا کام دے ایسے رجوع کو انتہائی مذموم کہا گیا ہے۔ **یَقُوۡلُوۡنَ اِنۡ اُوۡتِیۡتُمۡ هٰذَا فَخُذُوۡهُ وَاِنۡ لَّمۡ تُؤۡتَوۡهُ فَاحۡذَرُوۡا** ط(المائدہ۔41) " اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو مانو نہیں تو نہ مانو " یعنی اشارہ یہ ہے کہ وہ علماء کے پاس کچھ سیکھنے کے لیے نہیں جاتے بلکہ یہ بہانہ تلاش کرتے ہیں کہ ان کی کوئی بات ان کی برائی کی تصدیق کرنے والی مل جائے اور پھر وہ ایک تو اپنا کام نکالیں اور اگر ضرورت پڑے تو علماء کو بدنام کریں (34)

قطب التکوین: صوفیا قطب سے مراد اہل حل و عقد لیتے ہیں اور "کون" تمام موجودات کے مفہوم میں لیتے ہیں لہٰذا اس ترکیب کا معنی ہوا کائنات میں تصرف کرنے والا۔ مسائل السلوک میں قطب التکوین سے مراد ہے۔ صاحب خدمت اور یہ ایسا شخص ہوتا ہے جو اولیاء اللہ میں سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن خاص سے اس کے تکوینی امور کو بدل سکتا ہے یعنی ایسے امور میں تصرف کرتا ہے جن کو بحال رکھنا اللہ کی مشیت نہیں ہوتی سورہ کہف کی آیت **خَرَقَهَا** ط **قَالَ اَخَرَقۡتَهَا لِتُغۡرِقَ اَهۡلَهَا** ج **لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا اِمۡرًا** (الکہف۔71)" اس نے شگاف ڈال دیا' کہا' آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا تاکہ سب کشتی والوں کو ڈبو دے' یہ تو آپ نے ایک سخت حرکت کرڈالی" موسیٰ نے جس حرکت کو کشتی ڈبونے کا باعث سمجھا شگاف ڈالنے والے نے بعد میں اس کی غرض یہ بتائی کہ وہ اس غریب آدمی کی کشتی کو بیگار میں پکڑے جانے سے بچانا چاہتا تھا اس لیے اس نے اس کی شکل میں تصرف کرڈالا۔ اللہ کے دوستوں کی اس صفت کی طرف اس آیہ کریمہ میں اشارہ ہے۔(35)

کامل: کامل سے نبی یا رسول مراد لیا گیا ہے۔ کامل کی جمع کاملین ہے۔ لفظ کامل یا کاملین مسائل السلوک کے تقریباً پندرہ مقامات پر لایا گیا ہے(36)

اللہ تعالیٰ کے قول **حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰی نَصۡرُ**

(34)مسائل السلوک' ص 237

(35)مسائل السلوک' ص 598

(36)مسائل السلوک' ص 68

اللّٰهِ ط (البقرہ۔ 214) " حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی " سے اشارہ ملتا ہے کہ طبی امور مثلاً ڈرنا، بھوک لگنا، تھکنا اور مدد مانگنا وغیرہ انبیاء اور کاملین میں بھی رہتے ہیں[37] یہی بات **وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۙ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ** ط (التوبہ۔ 15) " اور بہت سے مومنوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے قلوب کی جلن مٹا دے گا" سے بھی معلوم ہوتی ہے[38]

سورہ الاعراف میں ہے **وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ** ط (الاعراف۔ 150)۔" اور اپنے بھائی (ہارون) کے سر کے بال پکڑ کر اسے کھینچا"

روح المعانی اور مسائل السلوک دونوں میں اس بات سے یہ اشارہ نکالا گیا کہ موسیٰ اگرچہ کامل تھے مگر پھر بھی ان سے خطائے اجتہادی سرزد ہوئی اور کاملین سے ایسا ہونا ممکن ہے[39]

وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ " اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو" (الاعراف۔ 200) سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ کاملوں کو بھی وسوسہ آسکتا ہے اور اس وسوسے کا علاج اللہ کی پناہ میں آنے سے ہی ہوتا ہے[40]

اللہ تعالیٰ کے کلام **فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ** ○ (ھود۔ 69) " پھر کچھ دیر نہ گذری کہ ابراہیم ایک بھنا ہوا بچھڑا (ان کی ضیافت کے لیے) لے آیا" سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات بعض حکمتیں کاملین پر بھی منکشف نہیں کی جاتیں جیسے ابراہیم اور لوطؑ فرشتوں کو پہچاننے سے قاصر رہے[41]

---

(37) مسائل السلوک، ص 68

(38) مسائل السلوک، ص 390

(39) مسائل السلوک، ص 348

(40) مسائل السلوک، ص 362

(41) مسائل السلوک، ص 464

سورہ رعد میں اللہ کا فرمان ہے **وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً** ط (رعد۔ 38) " تم سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا" اس سے اشارہ ملتا ہے کہ کاملین کے لیے دولت کا حصول یا اہل دنیا سے تعلقات مضر نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ چیزیں اللہ کی دوستی کی راہ میں اس کے لیے رکاوٹ کی باعث بنتی ہیں[42]

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ (طٰہٰ۔ 16) " سو تم کو اس (قیامت) سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پاوے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی (نفسانی) خواہشوں پر چلتا ہے کہیں تم اس (بے فکری کی وجہ سے) تباہ نہ ہو جاؤ" سے اشارہ ملتا ہے کہ تکالیف شرعیہ یعنی شرعی احکام کی بجا آوری کا فرض کاملین سے بھی ساقط نہیں ہوتا انہیں بھی ان کی پابندی اسی طرح کرنی ہے جیسے دیگر اہل ایمان کو بلکہ زیادہ اہتمام کے ساتھ[43]

خُذْهَا وَلَا تَخَفْ " اس کو پکڑلو اور ڈرو نہیں" (طٰہٰ۔21) میں اشارہ ہے کہ امور طبعیہ کاملین میں بھی رہتے ہیں جیسے ابتداء میں ذکر کیا گیا ہے۔[44]

اللہ تعالیٰ کے قول **وَقَتَلْتَ نَفْسًا** (طٰہٰ۔ 40) " اور تم نے (غلطی سے ایک شخص قبطی کو) مار ڈالا " سے یہ اشاری مفہوم نکالا گیا کہ لغزش نفسانی خواہشات کی وجہ سے نہیں ہوتی۔[45]

سورہ النمل میں حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کے قول **وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ** ○ (النمل۔ 15) " اور ان دونوں نے (ادائے شکر کے لیے) کہا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی " سے اشارہ نکالا گیا کہ کاملین پر بھی ہر وقت غلبہ فنا کے آثار طاری نہیں رہتے۔ وہ بعض اوقات اس مقام سے نچلے درجے پر ہوتے ہیں۔ آیت زیر نظر میں

---

(42) مسائل السلوک، ص 508

(43) مسائل السلوک، ص 619

(44) مسائل السلوک، ص 619

دونوں حضرات اللہ کے رسول ہیں فنا کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں مگر ایک وقت آیا کہ انہیں اپنے کمالات کا خیال آگیا اور انہوں نے اس کا ذکر کیا گویا اس وقت ان پر آثار فنا کا غلبہ نہ تھا۔ ورنہ ان کا دھیان ذاتی کمالات کی طرف نہ جاتا (46)

اللہ کے وعدہ کے باوجود موسیٰؑ کی والدہ متردد تھیں **اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ** (القصص۔ 7) " ہم ضرور ان کو پھر تمہارے ہی پاس پہنچا دیں گے" اس سے اشارہ لیا گیا کہ کامل میں بھی امور طبعی کبھی لوٹ آتے ہیں اور وہ ان کے لحاظ سے عمل کرنے لگ جاتا ہے (47)

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ○ "موسیٰ نے (یہ بھی) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار چونکہ آپ نے مجھ پر بڑے بڑے انعامات فرمائے میں سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا" (القصص۔ 16) سے یہ اشارات اخذ کیے گئے۔ **اولاً** یہ کہ کاملین سے بعض طبعی امور مثلاً غصے میں آنا صادر ہو سکتا ہے۔ **ثانیاً** یہ کہ کاملین دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ڈرنے والے ہوتے ہیں اس لیے استغفار سے اپنی لغزش کا ازالہ کرتے رہتے ہیں۔ **ثالثاً** یہ کہ کاملین کی سیاست کاری دوست اور دشمن دونوں کے لیے ہوتی ہے اور ان کے مرتبے اور مقام کے مطابق ہوتی ہے (48)

(القصص۔ 24) میں ہے **فَسَقٰى لَهُمَا** "پس موسیٰؑ نے ان دونوں کے (ریوڑوں) کو پانی پلایا" اس سے اشارمی تفسیر یہ بتائی گئی ہے کہ کاملین خدمت خلق کو عار نہیں سمجھتے (49)

اسی سورہ کی آیت۔ 27 **عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ** "اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو" سے مترشح ہوتا ہے کہ کاملین، نوکری، مزدوری یا اور کسی ذریعہ معاش کو توکل کے منافی نہیں جانتے (50)

---

(45) مسائل السلوک، ص 620

(46) مسائل السلوک، ص 743

(47) مسائل السلوک، ص 758

(48) مسائل السلوک، ص 760

(49) مسائل السلوک، ص 762

(50) مسائل السلوک، ص 763

متوکل: اللہ تعالیٰ نے توکل کرنے والوں کو اپنی نصرت سے نوازنے اور ان کے لیے دشمن کے مقابلے میں کفایت کرنے والا دوست بن جانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس لیے متوکلین کو کسی قسم کے دشمن سے خوف نہ کھانا چاہیے خواہ وہ دشمن انسانوں میں سے کوئی ہو یا شیطان ہو یہ اشاری تفسیر اس آیہ کریمہ کی ہے۔ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ق وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا**○ (النساء۔ 45) " اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور تمہاری حمایت و مددگاری کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔" (51)

محبّ: محبین محب کی جمع آتی ہے۔ محبین کے ساتھ اللہ کی یہ سنت اور عادت جاری ہے کہ جب ان سے کوئی فعل ان کے مقام سے فروتر یا مقام کے معیار کے منافی سرزد ہو جاتا ہے تو ان کو کچھ تکلیفوں اور محرومیوں کے ذریعے ادب سکھایا جاتا ہے۔ اس کی تلخی چکھنے کے بعد دوبارہ ان بندوں پر رحمتوں اور نوازشوں کی بارش شروع کردی جاتی ہے۔ اس طرح ناراضگی کے بعد راضی نامے میں جو مزہ ہے وہ ان لوگوں کے حصے میں آتا ہے۔ اشارات کا ماخذ یہ قول تعالیٰ ہے: **ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ** ط (التوبہ۔ 117) " پھر اللہ نے انہیں معاف کردیا۔" یہ وہ مقام ہے جہاں غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معافی کا ذکر ہے۔ (52)

محقق: اہل باطل جھوٹے دعوے کرتے ہیں کہ میں اپنی مخالفت کرنے والے کا ایسا حال کردوں گا اور اس کی زبان بند کردوں گا مگر محقق ایسا ہوتا ہے۔ **قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ**○ (ھود۔ 33) " نوحؑ نے جواب دیا وہ تو اللہ ہی لائے گا۔ اگر چاہے گا اور تم اتنا بل بوتا نہیں رکھتے کہ اسے روک دو" نوحؑ محقق تھے آپ نے کوئی ڈینگ نہیں ماری، کوئی دعویٰ نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ جس چیز کا تم مطالبہ کر رہے ہو وہ میرے اختیار میں نہیں ہے بلکہ میرے مالک و آقا کے قبضے میں ہے ہاں یہ بتادوں کہ جب اس نے

---

(51) مسائل السلوک، ص 177

(52) مسائل السلوک، ص 421

تم پر وہ آفت لانے کا فیصلہ کرلیا تو پھر وہ کسی کے روکے رک نہ سکے گی (53)

معصوم: معصوم سے مراد اللہ کا نبی ہے۔ نبی کے علاوہ ہر شخص غیر معصوم ہوتا ہے سورہ الانفال کی آیت۔ 66 اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ معصوم یعنی نبی سے اجتہادی خطا کا سرزد ہونا ممکن ہے اس لیے کسی غیر نبی اور غیر معصوم کا خطا سے مبرا ہونے کا دعویٰ بالکل باطل ہے۔ کوئی غیر معصوم اس منصب پر فائز نہیں ہو سکتا کہ اس سے کوئی خطا سرزد نہ ہو یا اس کی بظاہر خطا در حقیقت صواب ہو اور بظاہر ایسی نظر آتی ہو یہ نظریہ پہلے سے بھی زیادہ باطل ہے (54)

مقبول: مقبول کی جمع مقبولین ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی اولاد میں سے ہونا یا مقبولین کی طرف منسوب ہونا کسی کے لیے نافع نہیں جب تک صحیح طریقے سے ایمان نہ لایا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اعمال صالح کا پابند نہ ہو ۔ اس بات پر آیت کریمہ **وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا** (الیٰ قولہ تعالیٰ) **وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ** ○ (البقرہ۔ 48) " اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے کام نہ آئے گا......اور نہ مجرموں کو کہیں سے مدد مل سکے گی" دلالت کرتی ہے (55)

مسائل السلوک میں ہے کہ مقبولین کی مصیبت حقیقی مصیبت نہیں ہوتی اگرچہ اس کی شکل وصورت مصیبت جیسی ہی ہوتی ہے۔ یعنی مقبولین کو جو کچھ تکالیف یا نقصانات کی شکل میں پیش آتا ہے وہ ان کے مدراج بلند کرنے کا بہانہ اور ذریعہ ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے وہ اپنے خالق حقیقی کا زیادہ قرب حاصل کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ ایسی مصیبتیں جن کا نہ دنیا میں کوئی اجر ملے گا اور نہ ہی آخرت میں فائدہ مند ثابت ہوں گی وہ ایسے لوگوں کی مصیبتیں ہوں گی جن کو **ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** (آل عمران۔ 117) " جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے" کہا گیا ہے (56)

(53) مسائل السلوک ' ص 456

(54) مسائل السلوک ' ص 381

(55) مسائل السلوک ' ص 16

(56) مسائل السلوک ' ص 131

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ " جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی" (النساء۔ 80) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مقبول مقرب کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا ایسا ہے جیسا حق تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے۔ یعنی جس کو یہ پسند ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی غلط رویہ اختیار کرنے کا جرم اس سے سرزد نہ ہو اسے اللہ کے مقبول بندوں کے ساتھ بھی رویہ اختیار کرنے میں پوری پوری احتیاط برتنی چاہیے (57)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد **قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ** (الاعراف۔ 188) " اے محمدؐ ' ان سے کہو کہ" میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے ہوتا ہے ۔ اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لیے حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا ۔ میں تو محض ایک خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کے لیے جو میری بات مانیں" میں اشارہ ہے کہ مقبولین میں ایسی مستقل قوت نہیں ہوتی جس کے ذریعے وہ اپنے نفع پر قادر ہوں اور اپنی ذات سے نقصانات کو ہٹا سکیں۔ ان کے قبضہ قدرت میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات کو نقصانات سے دور رکھ سکیں جتنا چاہیں اپنی مرضی سے فائدہ سمیٹ سکیں اور یہ حقیقت بھی اتنی ہی واضح ہے کہ مقبولین کو ایسا علم بھی حاصل نہیں جو ہر چیز کو محیط ہو اور وہ ہر جگہ اور ہر وقت کی خبر رکھتے ہوں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جاہل مریدوں کا عقیدہ جو وہ اپنے پیروں کی قوت اور علم کے بارے میں رکھتے ہیں کس قدر غلط ہے (58)

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (التوبہ۔ 43)" اے نبیؐ ' اللہ تمہیں معاف کرے تم نے کیوں انہیں رخصت دے دی " اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا باطن میں مقبولین کے ساتھ ظاہر سے مختلف معاملہ ہوتا ہے۔ مثلاً ظاہر میں نظر آتا ہے کہ ان پر

(57) مسائل السلوک ' ص 167

(58) مسائل السلوک ' ص 359

عتاب کیا جا رہا ہے مگر باطن میں ان پر مہربانیوں کی بارش کر رہے ہوتے ہیں اور ایسا کرنا اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ مقبولین وحشت سے بچ جائیں۔(59)

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ (یوسف۔ 84) " پھر وہ ان سے منہ پھیر کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ "ہائے یوسف " اس آیت سے اشارہ ملتا ہے کہ فطری اور طبعی محبت اور اللہ تعالیٰ کی محبت ایک جگہ جمع ہو سکتی ہیں اور یہ محبت ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا سے غافل نہیں کرتی (60)

سورہ انبیا آیت وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (الانبیاء ۔ 107) " اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کے لیے " اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مقبولین کی برکتیں بلا ارادہ اور قصد تمام اہل جہان کو پہنچتی ہیں ۔ بالکل اسی طرح جیسے سورج کی شعاعیں ہر جگہ پہنچ جاتی ہیں اور سورج کے علم یا ارادے کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔(61)

سورۃ عنکبوت کی آیت اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ○ (العنکبوت۔ 32) "بجز ان کی بی بی کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہو گی "

اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایمان کے بغیر مقبولین کے ساتھ تعلق ہونا ذرہ بھر مفید نہیں ہو سکتا (62)

نبی: نبی کی جمع انبیاء آتی ہے۔ نبی گناہوں سے پاک ہوتا ہے' پاکدامن ہوتا ہے اور کفر سے رکا ہوتا ہے۔ یعنی کفر اختیار کرنے پر قادر نہیں ہوتا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا خوف اس کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے اور وہ اللہ کا شکر گزار بندہ بننے کی خاطر استغفار کرتا رہتا ہے۔

---

(59)مسائل السلوک ' ص 399

(60)مسائل السلوک ' ص 492

(61)مسائل السلوک ' ص 650

(62)مسائل السلوک ' ص 784

اس بات کے اشارے بھی ملتے ہیں کہ اللہ کے نبی اللہ سے ملاقات کے شوق میں موت کی تمنا بھی کرتے ہیں۔ ان باتوں پر دلالت کرتی ہے آیت تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا (یوسف۔ 101) " میرا خاتمہ اسلام پر کر۔" (63)

اللہ تعالیٰ کی ذات سے انبیاء علیہم السلام کے بے خوف نہ ہونے کی دلالت اس آیت سے بھی ہوتی ہے وَاجْنُبْنِىْ وَبَنِىَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم۔ 35) " مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا" انبیاء اپنے حال و کمال پر ناز نہیں کرتے بلکہ اللہ سے ہر وقت دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ انہیں اپنی زیر سرپرستی اور زیر حفاظت رکھے (64)

ولی : ولی کی جمع اولیاء آتی ہے۔ کسی ولی کی علامات میں سے ایک علامت حب موت بھی ہے۔ جس کا اشارہ آیت قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (البقرہ۔ 94) " ان سے کہو کہ اگر واقعی اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لیے مخصوص ہے تب تو تمہیں چاہیے کہ موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو" میں ملتا ہے (65)

اللہ کا قول تِلْكَ الرُّسُلُ (البقرہ۔ 253) "یہ رسول" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محض رائے سے کسی ولی کو کسی دوسرے ولی پر ترجیح دینا ناجائز ہے انسان کا کام صرف ان کا اور ان کے واقعات کا ذکر کردینا ہے۔ جیسا آیت مذکورہ بالا۔ 253 کے اگلے حصے میں فرمایا گیا ہے (66)

سورۃ بقرہ کی آیت لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف (البقرہ ۔ 285) " ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے" پر قیاس کرکے یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ کسی ولی کا اقرار اور کسی دوسرے کا انکار جائز نہیں ہے نہ ہی ان میں تفریق کرنا درست ہے (67)

---

(63)مسائل السلوک ' ص 495

(64)مسائل السلوک ' ص 519

(65)مسائل السلوک ' ص 30

(66)مسائل السلوک ' ص 85

(67)مسائل السلوک ' ص 99

ہم عصریت ایک بیماری ہے۔ جہلا کا وطیرہ ہے کہ اپنے ہم عصر اولیاء اللہ کے ساتھ منافرت کا اظہار کرتے ہیں۔ نادان لوگوں کی اس عادت کی دلالت اس آیہ کریمہ سے ہوتی ہے **اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ (الٰی قولہ تعالٰی) تُرْحَمُوْنَ**○ (الاعراف۔ 63) "کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس خود تمہاری اپنی قوم کے ایک آدمی کے ذریعے سے تمہارے رب کی یاد دہانی آئی .... اور تم پر رحم کیا جائے"۔ (68)

اولیاء اللہ کو غرور و تکبر کرنے اور دکھاوا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ اللہ کے دشمنوں کی عادات ہیں اور اولیاء اللہ کو اللہ کے دشمنوں کی مشابہت زیب نہیں دیتی۔ یہ اشارات اللہ کے قول **وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ** (الانفال۔ 47) "اور ان لوگوں کے سے رنگ ڈھنگ نہ اختیار کرو جو اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے" سے ماخوذ ہیں۔ (69)

کسی کے مادرزاد ولی ہونے کا اشارہ **وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا** لا (مریم۔ 12) "ہم نے اسے بچپن ہی میں "حکم" سے نوازا۔ میں سے اخذ شدہ ہے حکم سے مراد قوت فیصلہ، قوت اجتہاد، تفقہ فی الدین اور معاملات میں صحیح رائے قائم کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اللہ کی طرف سے جس کو یہ چیزیں ملتی ہیں ولی اللہ ہوتا ہے (70)

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے **اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ**○ (المومنون۔ 109)

"تم وہی لوگ تو ہو کہ میرے کچھ بندے جب کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار، ہم ایمان لائے، ہمیں معاف کردے، ہم پر رحم کر تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے" سے اولیاء اللہ کی شان کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ ان کی مدد اور طرف داری کس طرح کرتا ہے۔ اس حکم خداوندی کے ساتھ والی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے دوستوں کے ساتھ عداوت کا نتیجہ نار دوزخ کی صورت میں ان کو ملا۔ (71) لہٰذا اللہ کے دوستوں کے معاملہ میں احتیاط لازمی ہے۔

(68) مسائل السلوک، ص 328
(69) مسائل السلوک، ص 376
(70) مسائل السلوک، ص 606
(71) مسائل السلوک، ص 684

شیخ اور اس کے حقوق و فرائض

شیخ کامل کی تلاش: شیخ کامل کی تلاش میں سخت محنت اور کوشش کرنا لازمی ہے صرف یہ خیال رکھنا ہوگا کہ اس تلاش و جستجو کے کام میں کوئی واجب حق ضائع نہ ہو۔ یعنی اگر کوئی حق اللہ یا حق العباد اس تلاش کے کام میں ادا کرنے سے رہا جا رہا ہو تو پھر اس حق کی ادائیگی کا فرض پہلے ادا کیا جائے گا اور اس کے بعد شیخ کامل کی تلاش و جستجو میں سعی بلیغ کی جائے گی۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔ **وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا** (الکھف۔ 60) "جب موسیٰؑ نے اپنے خادم سے کہا تھا کہ میں اپنا سفر ختم نہ کروں گا جب تک کہ دونوں دریاؤں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ میں ایک زمانہ دراز تک چلتا ہی رہوں گا۔" یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شیخ کامل کی تلاش کچھ حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے بہت اہم فرض ہے۔ (1)

عن ابی ہریرہؓ **قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المرء علی دین خلیلہ فلینظر احد کم من یخالل** (ابوداؤد، ترمذی) " ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس ہر کسی کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوست دوستی کرتا ہے۔"

اس میں شیخ کے اختیار کرنے میں احتیاط کا ذکر ہے وجہ یہ ہے کہ معمولی دوستی سے پیر کی دوستی زیادہ تاثیر رکھتی ہے۔ یہ بات مشاہدے میں آچکی ہے کہ پیر کے عقائد۔ اعمال اور اخلاق کا مرید پر بہت اثر ہوتا ہے۔ اگر پیر کی حالت خراب ہوگی تو مرید کا گمراہ ہو جانا لازما"

(1) مسائل السلوک، ص 596

ہوگا اس لیے تلاش پیر میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔(اشرف علی۔ التکشف ص ۵۵)

شیخ کی شان: تبلیغ اور نصیحت کا کام کرتے وقت شیخ کی شان یہ ہے کہ وہ ایک تو سالک اور مرید کے حال پر نظر رکھ کر اس کو سمجھائے اور دوسرے اس کی بہتری کو بھی نظر انداز نہ کرے۔بعض حکماء' حکمت اور مصلحت کی کمی کی وجہ سے ایسی سختی کر بیٹھتے ہیں جس سے مخاطب کا عناد اور مخالفت بڑھ جاتی ہے اور کبھی انتہائی خرابی کا نتیجہ ان کو گناہ کبیرہ میں دھکیل دیتا ہے۔ شیخ کے لیے مناسب طرز عمل کا اشارہ ہے اس آیت میں **فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰكَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ** ○(الانعام۔ 76) " چنانچہ جب رات اس پر طاری ہوئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا۔ کہا یہ میرا رب ہے۔ مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولا ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں" اس آیت میں ربوبیت کواکب کابطلان کیا گیا ہے اور نرمی سے کیا گیا ہے مگر ربوبیت اصنام میں آپؑ نے فرمایا تھا **اِنِّىْ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ**(الانعام۔ ۷۸) کتنا سخت اور پر خشونت انداز ہے اور بتوں کی ربوبیت کو باطل قرار دینے کے لیے اسی کی ضرورت بھی تھی۔[2]

مصارف خیر کے لیے چندہ وغیرہ لینا شیخ کے شایان شان نہیں۔ نیکی کے کام اللہ کی کفالت پر موقوف ہیں لوگوں سے چندہ مانگنا ضروری نہیں۔لوگوں میں بخل و حرص کا دور دورہ ہے۔ حب دنیا کا شبہ لوگوں کو شیخ سے بدظن کرسکتا ہے اور ایک بڑے نقصان کا اندیشہ ہے۔ للذا اللہ تعالیٰ کے حکم **وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا** ط(ھود۔ 29) "اور اے برادران قوم ! میں اس کام پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا۔" اس بات کے لیے اشارہ ہے کہ مال و دولت کی محبت لوگوں کو راہ راست سے دور رکھنے کا سب سے قوی باعث ہے۔ اس لیے ان سے دولت کا مطالبہ کرنا غیر مناسب ثابت ہوگا[3]

روح المعانی اور مسائل السلوک دونوں آیت کریمہ **وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً**(

---

(2)مسائل السلوک ' ص 285

(3)مسائل السلوک ' ص 455

بنی اسرائیل۔ 16) "جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں" سے یہ اشارہ بتاتے ہیں کہ شیخ کی یہ شان ہے کہ جب کسی قلب کو بگاڑنا لازمی ہو جاتا ہے۔ تو وہ اس پر نفس اور شیطان کے مطالبات اور خواہشات کو طاری کردیتا ہے۔ پھر وہ شہوانی جذبات کا اسیر ہو جاتا ہے۔ اور جب دنیا کا کتا بن جاتا ہے۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اس قلب کا طبعی اور فطری رجحان برائی کے راستے کی طرف ہو جاتا ہے اور پھر تنگ آکر شیخ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اب گندے کیڑے کو مزید گندگی کے ماحول میں رکھ کر نابود کر دیا جائے۔[4]

اہلیت مشیخیت: سلبی انداز اہلیت کے تحت کسی کا گھڑ گھڑ کر خواب بیان کرنا' کسی وارد یا جھوٹے کشف کا دعویٰ کرنا' اپنے آپ کا کسی کمال کے درجے پر فائز ہونے کی ڈینگ مارنا' اپنے فنافی اللہ ہونے پر گھمنڈ کرنا اور اپنے گھڑے ہوئے جھوٹے خیالات اور وہموں کو غیبی قبض کہہ کر اپنے شیخ کامل ہونے کا اظہار کرنا مشیخیت کے لیے نااہل ہونے کی دلیل ہیں۔اس سلبی انداز پر دلالت کرتی ہے۔ آیت **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْقَالَ اُوْحِىَ اِلَىَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَىْءٌ** (الانعام۔ 93) "اور اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان گھڑے یا کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے درآں حالے کہ اس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو۔" اس آیت میں اہلیت کے سلبی پہلو بیان کیے گئے ہیں یعنی جس شخص میں یہ باتیں پائی جائیں مشیخیت کا اس سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہو سکتا[5]

اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَايُوْحٰٓى اِلَىَّ (الاعراف۔ 203) " میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب نے میری طرف بھیجی ہے " وحی سے اتباع و مشیخیت کی اہلیت کی علامت مقرر کرنے پر دلالت کرتی ہے۔اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ امور غیبیہ غیر اختیاری ہوتے ہیں اور وہ کسی شیخ کی اہلیت ظاہر نہیں کرتے[6]

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (الی قوله تعالیٰ) رَءُوْفٌ

---

(4)مسائل السلوک ' ص 564

(5)مسائل السلوک ' ص 290

(6)مسائل السلوک ' ص 362

رَّحِيۡمٌ ○" دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے .... شفیق و رحیم ہے۔" (التوبہ 128) میں واضح بیان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا اس سے یہ اشارہ سمجھا گیا ہے کہ شیخ چونکہ نائب ہوتا ہے آپؐ کا اس لیے یہ صفات اس کی اہلیت ثابت کرنے کے لیے لازمی ہیں (7)

شیخ کی توجہ مرید کے حالات کو درست کرنے کا اکسیر نسخہ ہے۔ خاص کر دینی معاملات میں شیخ کا پورہ توجہ دینا بہت مفید ہو سکتا ہے۔ مرید کو راہ ہدایت نصیب ہو سکتی ہے اور اس کی آخروی زندگی سنور سکتی ہے۔ شیخ کہلوانے والے کو ایسی توجہ کا مالک ہونا لازمی ہے۔ اس توجہ کی اہمیت پر اقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ اَوِاطۡرَحُوۡهُ اَرۡضًا يَّخۡلُ لَـكُمۡ وَجۡهُ اَبِيۡكُمۡ وَتَكُوۡنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ قَوۡمًا صٰلِحِيۡنَ (یوسف۔ 9) " چلو یوسفؑ کو قتل کردو یا اسے کہیں پھینک دو تاکہ تمہارے والد کی توجہ صرف تمہاری ہی طرف ہو جائے، یہ کام کرلینے کے بعد پھر نیک بن رہنا "میں اشارہ ہے (8)

آیت کریمہ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا (مریم۔ 96) "یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں عنقریب رحمان ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کردے گا" دلالت کرتی ہے کہ اہل ایمان کے دلوں میں محبت ہونا شیخیت کی اہلیت کی دلیل ہے۔ یعنی ایسے قلوب جو حق تعالیٰ کی محبت کا مرکز ہوں گے وہ صلحاء سے ضرور محبت کریں گے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بد ظن لوگوں کا صلحا سے بغض رکھنا اس اہلیت کو کچھ نقصان نہیں پہنچاتا (9)

اندھی تقلید اور بدعات و رسومات میں جن کو گمراہی کے مظاہر جانا جاتا ہے۔ شیخیت کی اہلیت نہیں بلکہ اس اہلیت کی نفی کی دلیل ہیں۔ وَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا

(7) مسائل السلوک، ص 423

(8) مسائل السلوک، ص 476

(9) مسائل السلوک، ص 616

وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِيۡلَا ○ (الاحزاب۔ 67) " اور کہیں گے" اے رب ہمارے، ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں راہ راست سے بے راہ کردیا۔" آیت زیر نظر اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ بدعتیں اور گندی رسمیں شیخیت کے نہیں بلکہ گمراہی اور ضلالت کے ذرائع ہیں (10)

(سورہ حم سجدہ کی آیت۔ 33) وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا "اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا" شیخ کے لیے ایمان کے مطابق عمل کو لازم ٹھہراتی ہے۔ جس میں قول اور فعل کی مطابقت نہیں وہ اہلیت شیخیت سے عاری ہے۔ (11)

شیخ کا مقام: شیخ کے مقابلے میں نبی کا مقام بہت ہی بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض باتوں کو اپنے انبیاء سے پوشیدہ رکھتے ہیں اور انہیں حقیقت سے آگاہ نہیں کرتے۔ کسی شیخ کے لیے ایسا عقیدہ رکھنا کہ اس کو سب کچھ صحیح صحیح معلوم ہو جاتا ہے، اس کا کشف حقیقت ہوتا ہے اور اس کے خواب روز روشن کی طرح سچے ہوتے ہیں کسی نبی کا مقام بھی نہیں چہ جائیکہ کہ کسی ایسے شیخ کا مقام ہو جو بہرحال نبی سے فروتر مقام پر فائز ہے۔ اور نبی کے نائب کی حیثیت رکھتا ہے۔ سورۃ الانفال آیت۔ 43 وَاِذۡ يُرِيۡكُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَيۡتُمۡ فِىۡۤ اَعۡيُنِكُمۡ قَلِيۡلًا (الی آخرہ) " اور یاد کروجب کہ مقابلے کے وقت خدا نے تم لوگوں کی نگاہوں میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا اور ان کی نگاہوں میں تمہیں کم کرکے پیش کیا، تاکہ جو بات ہونی تھی اسے اللہ ظہور میں لے آئے۔" مذکورہ معنوں پر دلالت کرتی ہے (12)

کسی شیخ کا یہ مقام نہیں کہ وہ نصوص کے مقابلے میں بدعتیں ایجاد کرے اور لوگوں کو ان کی تقلید کے لیے کہے۔ ایسے معاملات میں جو نص کے برعکس ہوں شیخ کی بات کے ساتھ

(10) مسائل السلوک، ص 835

(11) مسائل السلوک، ص 928

(12) مسائل السلوک، ص 375

چلتے رہنا مذموم حرکت ہے اور ہدایت کی راہ سے انحراف ہے۔ اس کا اشارہ ہے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ - 31) " انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے۔" گویا شیخ کا مقام یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہو اور مریدوں کو بھی اس پر چلنے کی تلقین کرے (13)

امام مالکؒ کی روایت کی ہوئی معاذ بن جبلؓ کی حدیث سے جماعت صوفیہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں مذکورہ صفات ان ہی میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی پیر و مرید میں محبت ہوتی ہے۔ پیر بھائیوں میں الفت ہوتی ہے۔ دوسرے بزرگوں سے اچھے تعلقات، جان و مال سے دریغ نہیں کرتے اور دور دراز سے زیارت کے لیے آتے ہیں۔ ان میں بغیر کسی دنیوی تعلق کے یہ باتیں ہوتی ہیں۔ (التکشف - ص 269)

شیخ اور تکالیف شرعیہ: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ○ (الحجر - 99) "اور اس آخری گھڑی تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہو جس کا آنا یقینی ہے۔" یقین سے مراد موت بھی لی گئی ہے۔ اس آیت کریمہ کی اشارتی تفسیر یہ ہے کہ سلوک میں کوئی مقام اور مرتبہ ایسا نہیں جس پر پہنچ کر سالک کے ذمے سے شریعت کے احکام پر عمل کرنا لازمی نہ رہے ایسا رتبہ کسی نبی اور پیغمبر کو بھی حاصل نہیں چہ جائیکہ کوئی کم حیثیت کا شیخ اس مقام پر فائز سمجھا جائے۔ ایسا اعتقاد الحاد کے مترادف ہے۔ (14)

تصوّر شیخ: غالی اور جاہل صوفیا کا عقیدہ یہ ہے کہ شیخ کے خیال کا دامن کسی حال میں بھی نہ چھوٹنا چاہیے۔ رات ہو یا دن، آبادی ہو یا جنگل، سفر ہو یا حضر، خلوت ہو یا جلوت، مصروفیت ہو یا بے کاری، نیند ہو یا بیداری ہر حال میں سالک کا دھیان اپنے شیخ کی طرف رہنا چاہیے۔ جوں ہی شیخ کا تصور مدھم ہو فوراً اس کو تازہ کرلینا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی ذات شیخ کی صورت میں ہوتی ہے۔ شیخ کا تصور گویا خداوند قدوس کا تصور ہے۔ یا

(13) مسائل السلوک، ص 395

(14) مسائل السلوک، ص 532

شیخ میں خدا موجود ہے۔ اس جاہلانہ تصور کو آیت قرآن مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ○ (الانبیاء - 51) "یہ مورتیں کیسی ہیں جن کے تم لوگ گرویدہ ہو رہے ہو" کی دلالت سے تصور شیخ کے جاہلانہ تصور کو باطل اور مذموم کہا گیا ہے۔ آیت کریمہ کے دو الفاظ "تماثیل" اور "عاکف" سے بہ دلائل ثابت کیا گیا ہے کہ "اصنام" "تماثیل" کا مترادف نہیں لہٰذا اس سے مراد بت نہیں بلکہ شیخ لیا ہے اور عکوف سے مراد پرستش یا عبادت نہیں بلکہ تصور ہے۔ اس طرح اس آیت کا اشارہ تصور شیخ کی طرف ہے اور یہ اشارات اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں کہ دوسری محبوب اور پسندیدہ چیزوں کی طرح اگر کبھی شیخ کا خیال آجائے تو اس میں کوئی برائی نہیں مگر بالالتزام اس کی طرف دھیان رکھنے کی کوشش کرنا اور اس کے خیال کے غائب ہونے پر اس کے استحضار کے لیے اور ابقا کے لیے اہتمام کرنا سخت مذموم ہے (15)

مسلم میں ابوہریرہ کی حدیث ہے جس میں آنحضورؐ نے جبریل کو کسی سے محبت کرنے اور کسی دوسرے سے بغض رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا چاہتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ کسی دنیوی نفع اور نقصان کے بغیر اور کسی سبب اور تعلق کے بغیر لوگ جس کے بارے میں نیک گمان رکھتے ہوں۔ اس کو محبوب اور مقبول جاننا چاہیے اور ایسے ہی حالات میں کسی سے لوگوں کا نفرت کرنا اس کے غیر مقبول ہونے کی علامت ہے۔ (التکشف - 269)

غائب کی طرف حاضر کی مانند خیالی طور پر نظر کرنا تصور شیخ ہے اور یہ بات متفق علیہ حدیث سے ثابت ہے جس کو ابن مسعودؓ نے روایت کیا ہے۔ کہ میں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں۔ (ص 416 از التکشف) نیز پیر کی تصویر رکھنا حرام ہے۔ ایضاً (ص ۳۸۹)

شیخ کے حقوق

ادب و احترام اور اس کی حدود: یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا (البقرہ -

(15) مسائل السلوک، ص 643

104) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو راعنا نہ کہہ کرو "دلالت کرتی ہے کہ جس بات یا کام میں شیخ کے ادب میں خلل پڑنے کا شبہ ہو جائے اس امر کو سرانجام دینے سے باز رہنا چاہیے[16]

شیخ غیر معصوم ہوتا ہے اس کے لیے خطا پر قادر نہ ہونے کا عقیدہ بالکل باطل ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا کہ اس کی بظاہر معصیت باطن میں صواب کا درجہ رکھتی ہے۔ انتہائی قبیح عقیدہ ہے۔ یہ اشارات انفال۔ 66 **اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا** ط "اچھا اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کیا اور اسے معلوم ہوا کہ ابھی تم میں کمزوری ہے" سے اخذ کردہ ہیں۔ (17)

مرید اپنے شیخ کے کلام کے ساتھ بے رغبتی اختیار کرے تو شیخ کا دل اس سے متنفر ہو جاتا ہے مگر یہ بات شیخ کو ذہن میں رکھنی ہوتی ہے کہ اس کے راہ ہدایت کی تلقین کا جب تک نفع پہنچنے کا احتمال ہوگا شیخ کے لیے مرید کے ساتھ ترک کلام جائز نہ ہوگا۔ یعنی ایسے مرید کو رشد وہدایت کی تلقین کرنا لازمی ہوگا۔[18] یعنی ترک کلام شیخ کا حق تو ہے مگر اس کے لیے مناسب موقع وہ ہے جب مرید سے بالکل مایوس ہو جائے۔

نسائی نے حضرت زید بن ثابت سے حدیث بیان کی ہے کہ آنحضورؐ نے نمازوں کے بعد سبحان اللہ وغیرہ پڑھنے کے بارے میں حکم دیا۔ ایک انصاری نے کسی شخص کو کہتے خواب میں سنا جو پچیس پچیس باران کلمات کو دہرانے کے لیے اور ان کلمات میں **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ** کو شامل کرنے کو کہتا ہے۔ صبح انہوں نے رسول اللہ سے ذکر کیا، آپؐ نے فرمایا! یوں ہی کرلو، صوفیاء کہتے ہیں کہ حدیث ادب شیخ پر دلالت کرتی ہے۔ مرید اپنے شیخ سے پوچھے بغیر عمل نہ کرے اور یہ گمان بھی نہ کرے کہ مجھ کو شیخ سے زیادہ انکشاف ہو گیا ہے بلکہ اس کو شیخ کا فیض جانے اور یہ یقین رکھے کہ اس کی حقیقت شیخ مجھ سے زیادہ جان سکتا ہے لہٰذا وہ جو حکم دے اس پر عمل کرے۔ (**التکشف** ص 312)

---

(16) مسائل السلوک، ص 33

(17) مسائل السلوک، ص 381

تقلید اور اتباع: تمام مشائخ کے ساتھ اچھا اعتقاد رکھا جائے گا۔ جیسا اپنے شیخ کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ مگر پیروی (اتباع) صرف اپنے شیخ کی جائے گی۔ اور مشائخ سے مراد یہاں صرف مشائخ اہل حق ہیں۔ یہ اشارات ہیں **وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ** ج (البقرہ۔ 4) "جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں"(19)

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ○(البقرہ۔ 170) "اچھا اگر ان کے باپ دادا نے عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو اور راہ راست نہ پائی ہو" میں دلالت ہے کہ شیخ چونکہ صاحب عقل ہوتا ہے اور ہدایت کی راہ دکھاتا ہے اس لیے اس کی اتباع کرنا بلاشک و ریب جائز ہے۔ جس میں عقل اور ہدایت ہی موجود نہ ہو وہ شیخ کہلائے جانے کا مستحق ہی نہیں۔(20)

اللہ تعالٰی کا محبوب بننے کے لیے اس کے محب کی اتباع لازمی ہے۔ لہٰذا اشارہ معلوم ہوا آیت **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰہُ** (آل عمران۔ 31) "اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ "اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو" سے کہ شیخ کی اتباع لازمی ہے۔(21)

سورۃ الانعام کی آیات 109 تا 111 **وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ (الی قولہ تعالٰی) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ**○ "یہ لوگ کڑی کڑی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ہمارے سامنے آ جائے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے.................. مگر اکثر لوگ نادانی کی باتیں کرتے ہیں" میں اس بات کی دلالت ہے کہ خوارق طلب کرنا ہدایت کا موجب نہیں بنتا بلکہ ہدایت کے حصول کے لیے اللہ کے واضح اور بنیادی احکام کی طرف متوجہ ہونا

(18) مسائل السلوک، ص 451

(19) مسائل السلوک، ص 3

(20) مسائل السلوک، ص 53

(21) مسائل السلوک، ص 109

ضروری ہے۔ شیخ کے انتخاب کے وقت اس کے علمی کمالات اور عمل صالح کو پرکھنا چاہیے محض کرامات کی شہرت پر اتباع لازم نہیں ہے اور نہ ہی ہدایت کی راہ پانے میں یہ کچھ مدد گار ہیں (22)

سورۃ النحل میں **فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ** (النحل۔ 43) "اہل ذکر سے پوچھ لو" اس سے اشارہ اخذ کیا گیا کہ شیخ کامل کی تقلید لازمی ہے۔ جو لوگ جانتے نہیں انہیں رہنمائی کے لیے شیخ کی ضرورت ہے (23)

بخاری اور ابوداؤد میں عروہ بن زبیر کی مسور بن مخرمہ اور مروان سے ایک طویل حدیث بسلسلہ صلح حدیبیہ بیان کی گئی ہے۔ اس صلح کی شرائط عمرؓ کو ناگوار گزریں۔ آپ غصے کے عالم میں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

چند سوالات کیے جن کے جوابات آنحضورؐ نے ارشاد فرمائے' پھر ابوبکرؓ کی خدمت میں گئے وہاں وہی سوالات دہرائے آپ نے بھی ویسے ہی جوابات ارشاد فرمائے یہ حکایت اس حدیث کے آخر میں بیان ہوئی ہے۔ اس کو تصوف کی اصطلاح فنائی الشیخ کی دلیل بتایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلب صدیقی قلب نبوی سے متصل تھا اسی مماثلت اور ایصال کو صوفیاء فنائی الشیخ کی کیفیت کہتے ہیں۔ (التکشف از اشرف علی تھانوی' ص 347، 348)

حضرت انسؓ سے مسلم میں حدیث ہے جس میں زنا کے جرم میں ایک شخص کو قتل کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو دیا۔ وہ آدمی مقطوع الذکر نکلا اور علیؓ قتل سے رک گئے۔ آپؐ نے فرمایا "سامنے والا ایسی چیز کو دیکھ سکتا ہے جس کو دور والا نہیں دیکھ سکتا اس سے شیخ کے حکم پر عمل کرنے کی حد کا پتہ چلتا ہے۔ (ص۔ 305۔ التکشف)

شیخ کو مرید سے نفع پہنچ سکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے بخاری مسلم' ابو داؤد میں حدیث ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کو چند آیات یاد دلا دیں جنہیں آپ بھول گئے تھے۔ (التکشف۔ ص 293)

(22) مسائل السلوک' ص 294
(23) مسائل السلوک' ص 540

ملاقات اور صحبت: اللہ تعالیٰ کا قول **وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ** ۝ (البقرہ۔ 151) "اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس کیے جانے کے بعد سیر الی اللہ کی منزل طے ہو جاتی ہے اور اس کے بعد سیر فی اللہ کی منزل شروع ہو جاتی ہے اور یہ منزل صحبت پر موقوف ہے اور اس میں ترقی کے مدارج ختم ہونے کو نہیں آتے۔ وہ لاتعداد اور لامحدود ہیں۔ (24)

خدمت: **فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** ۝ (النور۔ 62) "جسے تم چاہو اجازت دے دیا کرو اور ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت کیا کرو۔ اللہ یقیناً غفور رحیم ہے۔" اس آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ شیخ کی خدمت سے چلا جانا خواہ وہ شیخ کی اجازت سے ہی کیوں نہ ہو نقصان کا باعث ہے۔ شیخ کی خدمت میں رہنے کے فوائد دنیوی معاملات کو سلجھانے کے لیے صحبت سے اٹھ جانے کی نسبت کہیں زیادہ ہیں اس لیے صحبت اور خدمت سے چلا جانا نقصان کا باعث تو ہوگا خواہ اجازت ہی سے ہو (25)

شیخ کے اہل و عیال سے سلوک: شیخ کے اہل و عیال کے ساتھ خصوصی ادب و احترام کا سلوک کرنا لازمی امر ہے۔ ان کو تکالیف اور دکھ دینا دوسروں کو تنگ کرنے سے زیادہ برا ہے۔ اس بات کا اشارہ ... **وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِھٰذَا ڰ سُبْحٰنَكَ ھٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ** ۝ (النور۔ 16) "کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ "ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا' سبحان اللہ یہ تو ایک بہتان عظیم ہے۔" میں ہے (26)

(24) مسائل السلوک' ص 48
(25) مسائل السلوک' ص 708
(26) مسائل السلوک' ص 690

سورۃ الشوریٰ میں **قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ط** (الشوریٰ ۔ 23) " کہہ دو کہ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طلب نہیں ہوں ۔ البتہ قرابت کی محبت ضرور چاہتا ہوں۔" روح المعانی میں اسی آیت کی اشاری تفسیر میں علامہ آلوسیؒ بیان فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میرے اہل بیت اور اہل قرابت سے محبت کرو تو اس سے اس بات پر دلالت ہوئی کہ شیخ کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس کے خاندان اور عزیز و اقارب سے محبت کرنا بھی لازمی ہوا ۔ اصول تو یہی ہے کہ جب شیخ سے محبت ہوگی تو اس کے اہل خاندان سے بھی ہوگی[27]

شیخ کے اصحاب سے سلوک: شیخ اپنے اصحاب کی درجہ بندی کر سکتا ہے تاکہ ہر درجے اور معیار کے لوگوں کے ساتھ ان کے شایان شان سلوک کیا جا سکے مگر اصحاب شیخ اس بات کا حق نہیں رکھتے کہ وہ شیخ کو مشورہ دے کر لوگوں کو مختلف مدارج میں تقسیم کرائیں ۔اس معنی پر دلالت کرتی ہے آیت **يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ لا وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط** (المجادلہ ۔ 11) " تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے ' اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا " گویا درجے تو ایمان اور علم کی بنیاد پر قائم ہوں گے اور اس کا فیصلہ شیخ خود کرے گا[28]

شیخ کی اولاد: انسان کی فلاح اور آخروی کامیابی کا دارومدار نیک اعمال پر ہے ۔ نسب کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ۔ محض پدرم سلطان بود کہنا عمل کی دنیا میں کچھ بھی وزن نہیں رکھتا۔ خاص کر مشائخ کی نالائق اور گندے اخلاق والی اولاد کو اپنے بزرگوں سے نسبت کچھ بھی فائدے نہ دے گی ۔ یہ اشاری تفسیر ہے ۔ **وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ (الٰی قولہ) بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ** (البقرۃ۔111۔112) " اور یہود نصاریٰ (یوں) کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پاوے گا .... ضرور (دوسرے لوگ بھی جاویں گے) جو کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے " کی اور اس میں رد ہے ایسے دعویداروں کی بات کا ان الفاظ میں کہ یہ ان

(27): مسائل السلوک ' ص 937

(28): مسائل السلوک ' ص 1046

کی جھوٹی امیدیں ہیں بے سروپا جن کا انہیں فائدہ نہیں ہو گا۔[29]

بعض محسنین کو جزا کے طور پر نیک اولاد عطا فرمائی جاتی ہے جیسے ابراہیمؑ کہ ان کی اولاد میں کئی انبیاء پیدا کیے ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کی اولاد میں ان کی نیکی سرایت کرجاتی ہے اور اس میں دوسروں سے زیادہ نیکی کی صلاحیت ہوتی ہے۔ مگر اس بات کے امکان کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا کہ کسی محسن کی اولاد کسی معارض کی وجہ سے نیکی کی راہ سے ہٹ جائے ۔یہ اشارات **وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ لا ○** "اس طرح ہم نیکو کاروں کو ان کی نیکی کا بدلہ دیتے ہیں ۔" (الانعام ۔ 84) اور جس نعمت کا اس سے پہلے یا بعد میں ذکر ہوا ہے وہ نیک اور صالح اولاد کی نعمت ہے۔[30]

حضرت عائشہؓ طویل حدیث میں بیان فرماتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب تک فاطمہؓ زندہ رہیں حضرت علیؓ کی وجاہت لوگوں میں زیادہ رہی اور ان کی وفات کے بعد کم ہو گئی۔(بخاری و مسلم)

اس میں دلالت ہے مشائخ کے طریق پر کہ بزرگوں کے منتسبین کو محض انتساب کی وجہ سے معظم جانتے ہیں اور یہ بات صحابہؓ سے بھی ثابت ہے ۔(التکشف ص ۔ 308)

اپنا سلسلہ قائم رکھنا: بعض مشائخ اپنا سلسلہ قائم رکھنے کی تمنا کرتے ہیں۔ ایسی تمنا کرنا کہ ان کا نیکیوں کو پھیلانے کا کاروبار چلتا رہے ۔ انتہائی محمود خواہش ہے ۔ اس پر دلالت کرتی ہے "آیت **رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط** (البقرہ۔ 129) " اے رب ' ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھائیو ' جو انہیں تیری آیات سنائے ' ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوار دے ۔" ایسی تمنا گویا ایک شیخ کا حق ہے ۔[31]

(29): مسائل السلوک ' ص 35

(30): مسائل السلوک ' ص 288

(31): مسائل السلوک ' ص 41

شیخ کے فرائض:

سالک کی نگرانی اور اصلاح: شیخ کو حق حاصل ہے کہ دوسرے کسی شیخ کے جو فوت ہو گیا ہو یا کہیں دور چلا گیا ہو کے مرید کی تربیت کرے اور اس تربیت میں اس پر لازم ہوگا کہ اصولوں کے اعتبار سے تو پہلے شیخ کی مطابقت کرے گا۔ مگر فروعات میں تبدیلی کرنے کا اس کو اختیار ہوگا۔

فروع میں پہلا مرید کی ضرورت اور اس کے تقاضوں کے مطابق کی جائے گی۔ یہ اشاری مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کا **وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ** (آل عمران ـ 50) "اور میں اسی طور پر آیا ہوں کہ تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے تھی یعنی تورات کی اور اس لیے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے واسطے بعض ایسی چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس دلیل (نبوت) لے کر آیا ہوں تمہارے پروردگار کی جانب سے حاصل یہ کہ تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو" (32)

سالک کی اصلاح اور تربیت میں اس قاعدہ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ پہلے اوامر پر عمل کرایا جائے اور اس کے بعد نہی کا حکم دیا جائے صوفیاء کی اصطلاح میں پہلے تحلیہ سے کام لیا جائے یعنی سالک کو صدیقین اور صلحاء کے اقوال ' اعمال اور افعال اس قدر سکھائے جائیں کہ اس کی روحانیت محامد و فضائل سے پرنور ہوجائے اور اس کے بعد سالک کو اشغال مانع سے روکا جائے۔ اس طریقے پر دلالت کرتی ہے قرآن کی آیت **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** (المائدہ ـ 2) "اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو۔" (33)

---

(32): مسائل السلوک ' ص 114

(33): مسائل السلوک ' ص 220

مکرر لائی گئی سورہ الانفال کی آیت **الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا** (الانفال ـ 66) اشارہ کرتی ہے کہ کسی ضعیف سالک اور مرید کو سخت قسم کا مجاہدہ نہ بتایا جائے ورنہ وہ بددل اور دل شکستہ ہو کر بھاگ سکتا ہے۔ (34)

شیخ پر لازم ہے کہ طالب اور مرید کے رجحان پر نظر رکھے اور اگر کوئی طالب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو تو اس کو دور نہ بھگانا چاہیے بلکہ اس کو اپنے قریب کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ ایسے مرید کی طرف اللہ تعالیٰ بھی متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ اشارہ ہے قول تعالیٰ کا **وَيَا قَوْمِ مَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِن طَرَدتُّهُمْ** (ھود ـ 30) "اور اے قوم" اگر میں ان لوگوں کو دھتکار دوں تو خدا کی پکڑ سے کون مجھے بچانے آئے گا۔" (35)

شیخ پر لازم ہے کہ اصلاح کی کوشش کرے اور کوشش کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسہ بھی کرے۔ نہ توکل کی وجہ سے سعی و کوشش کو ترک کرے اور نہ ہی صرف سعی و کوشش پر قناعت کرے گویا دونوں چیزیں اصلاح کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اس پر دلالت کرتا ہے اللہ کا قول **إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ** (ھود ـ 88) "میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک بھی میرا بس چلے۔" (36)

مرید کی تربیت کرتے ہوئے اس کو محض چند ملفوظات بتا دینا اور طریق کو اس سے چھپائے رکھنا مذموم حرکت ہے۔ شیخ پر لازم ہے کہ سالک پر پورا طریق واضح کرے اور اس کو اصل نعمت سے محروم نہ رکھے 'یا زیادہ دیر تک محروم نہ رکھے۔ یہ اشارہ ہے اللہ کے اس قول میں **قُل لَّوْ أَنتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنفَاقِ** (بنی اسرائیل ـ 100) "آپ فرمادیجئے کہ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت (یعنی نبوت) کے خزانوں (یعنی کمالات) کے مختار ہوتے تو اس صورت میں تم (اس کے) خرچ کرنے کے اندیشہ سے ضرور ہاتھ روک لیتے۔" (37)

---

(34): مسائل السلوک ' ص 381

(35): مسائل السلوک ' ص 455

(36): مسائل السلوک ' ص 468

(37): مسائل السلوک ' ص 581

اللہ تعالیٰ کے قول **وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ** ج (الکھف ـ 28) " اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو ۔" سے اشارہ ملتا ہے کہ پیر کو مرید سے توجہ نہ ہٹانا چاہیے اور کسی حالت میں بھی اکتاہٹ کا مظاہرہ نہ کرنا چاہیے (38)

مرید اور سالک کے باطن میں تصرف کرنا ایک قسم کا جبر ہے ۔ اس لیے تربیت اور اصلاح میں اس طریقے کو پسند نہیں کیا جاتا ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ لوگوں کو ایمان لانے کی طرف مجبور کرکے نہ لایا جائے ۔ روح المعانی میں علامہ آلوسی نے بھی اس آیت کریمہ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ **قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ** (الفرقان۔77) " آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پرواہ نہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کروگے۔" اس پر مزید دلالت کرتا ہے اللہ کا قول **اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ اٰيَةً** (الشعراء ـ ۴) "اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل کرسکتے ہیں " (39) گویا زبردستی اصلاح کرنا ناپسندیدہ اور مذموم حرکت ہے ۔

تربیت و اصلاح کا کام حکمت کا متقاضی ہے ۔ اس کے لیے شیوخ کو نرمی اور تواضع کے ہتھیاروں سے لیس رہنا چاہیے ۔ مخلص مریدوں کے لیے یہ انداز انتہائی موثر ہوتا ہے کہ انہیں خوش رکھ کران کی اصلاح کا کام کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے قول **وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** ج (الشعراء ـ 215) "اور ان لوگوں کے ساتھ (تو مشفقانہ " فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ چلیں" میں اسی بات کا اشارہ ہے ۔ اس سے اگلی آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص طریق کا مخالف ہو اس کی پرواہ نہ کرنا چاہیے یا اس سے برات کا اظہار کرنا ضروری ہے اور سائل کو بتا بھی دینا چاہیے کہ شیخ نے اس سے تعلق منقطع کرلیا ہے ۔ **فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ**۝(الشعراء۔ 216)" اگر یہ لوگ آپ کا کہا نہ مانیں تو کہہ دیجیے میں تمہارے افعال سے بے زار ہوں" الشعراء۔ 219 میں اشارہ ہے کہ مرید کے لیے ضروری امور کی

(38): مسائل السلوک ، ص 590

(39): مسائل السلوک ، ص 722

نگرانی شیخ کا فرض ہے ۔ **وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ** "اور نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا ہے " (40)

کسی کو ہدایت دینا شیخ کے قبضہ قدرت میں نہیں ۔ اگر کوئی اس جاہلانہ خیال کا قائل ہے تو یہ اس کی نادانی ہے ۔ اس پر دلالت کرتی ہے ۔ **اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ** (النمل ـ 80)" آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں خصوصاً وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں " (41)

سالک کو ہدایت دینا شیخ کے بس کی بات نہیں ۔ ایسا گمان کرنا جاہلانہ سوچ کا نتیجہ ہے کہ شیخ کامل کسی کو اپنے اختیار سے اللہ سے ملا سکتا ہے ۔ اس پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرآن کی یہ آیت **اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ** ج (القصص۔ 56)" آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کردیتا ہے " (42)

بعض مشائخ ایک صالح عمل کی تاکید کرتے ہیں اور اس سے ان کی غرض محض ثواب نہیں ہوتی بلکہ دوسرے عمل کی اصلاح ہوتی ہے ۔ یہ بات حکمت سے تعلق رکھتی ہے ۔ اس کا اشارہ اللہ کے قول **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا** لا (الاحزاب ـ 70) " اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو" میں ہے (43)

(سورہ یٰسین ـ ۱۱) **اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ** " پس آپ تو ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور خدا سے بے دیکھے ڈرے " میں اشارہ ہے کہ تربیت سے کوئی مرید اتنا ہی فائدہ اٹھاتا ہے جتنی اس میں استعداد ہوتی ہے ۔ شیخ اس میں اضافہ یا کمی کرنے پر قادر نہیں ہے ۔اسی سورۃ کی (آیت ـ ۱۴) "**اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ**

(40): مسائل السلوک ، ص 739

(41): مسائل السلوک ، ص 754

(42): مسائل السلوک ، ص 749

(43): مسائل السلوک ، ص 836

اثْنَیْنِ " یعنی جبکہ ہم نے ان کے پاس (اول) "کو بھیجا" میں اشارہ ملتا ہے کہ شیوخ اپنے مریدوں کو اصلاح اور تربیت کے لیے دوسرے ممالک میں تبلیغ کی غرض سے بھیج دیتے ہیں(44)

مرید کو کسی دوسرے شیخ کے پاس بھیج دینا: **عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الارواح جنود مجندۃ ما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف** ۔(مسلم 'ابوداود ۔ بخاری / عن عائشہ") "ابو ہریرہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روحیں لشکروں کی مانند اکٹھی تھیں جو ایک دوسرے کو جانتی تھیں الفت کرنے لگیں اور جو نہ جانتی تھیں اختلاف کرنے لگیں۔"

حدیث دلالت کرتی ہے کہ فیض باطنی کے لیے پیر و مرید کی باہمی مناسبت فطری شرط ہے ۔ عادۃ نفع کا تعلق الفت سے اور الفت کا عالم ارواح کے تعارف کی فطری مناسبت سے ہے ۔اسی لیے بعض مشائخ جو صاحب کشف ہوتے ہیں یا جنہیں قوی ظن کی مدد سے اپنے سے مناسب کا فقدان اور کسی دوسرے سے مناسبت کا امکان نظر آتا ہے ۔ مرید اور طالب کو اس کے پاس بھیج دیتے ہیں ۔ (التکشف ص 328' 329)

مرید کی سزا: اس کو اپنے سے جدا کرنے یا اس سے قطع تعلق کرنے میں جلدی کرنا خلاف حکمت ہے اور تربیت اور اصلاح کے کام میں کوتاہی کے مترادف ہے۔ علاوہ ازیں جس کام کی مختلف حالتوں میں مختلف قسم کے مصالح پوشیدہ ہوں ان کا فیصلہ جلد بازی میں نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہرپہلو پر خوب غور وخوض لازمی ہے ۔اس پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ کا فرمان **لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا** (الطلاق ۔1)
"تم نہیں جانتے 'شاید اس کے بعد اللہ (موافقت) کی کوئی صورت پیدا کر دے۔" (45)

سالک کوعلوم معاملہ سکھانا: علوم کی دوقسمیں ہیں ۔علوم معاملہ اور علوم مکاشفہ شیخ کافرض ہے کہ باہمی ربط و تعلق والے علوم جو انسانوں اور انسانی زندگی سے متعلق ہیں وہ

(44): مسائل السلوک ' ص 861

(45): مسائل السلوک ' ص 1045

کسی سے نہ چھپائے مرید ہو یا نہ ہو باہمی تعلقات کا علم سب پر واضح کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ان ہی علوم کو **مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ** سمجھا جاتا ہے اوران پر پوری انسانی زندگی کی درستگی کا انحصار ہے ۔البتہ کشفی علوم ہر کہ ومہ کی ضرورت کے نہیں ۔ اور وہ نازل کردہ بھی نہیں ۔ اور بعض اوقات ان کا اظہار بجائے نفع کے نقصان کا باعث ہو جاتا ہے ۔ اس لیے کہ کشف ہر شخص کی اپنی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ اس پر دلالت کرتا ہے ۔ اللہ کا قول **اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ** (البقرہ ۔159) " جو لوگ اخفا کرتے ہیں ان مضامین کا جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ (اپنی ذات میں) واضح ہیں اور (دوسروں) کو ہادی ہیں بعد اس کے کہ ہم ان کو کتاب الٰہی (تورات و انجیل) میں عام لوگوں پر ظاہر کر چکے ہیں" (46)

وسوسوں کے آنے سے معرفت خداوندی کے حصول میں کامیابی کے مقصد سے مایوس نہ ہونا چاہیے ۔ طریق کی راہ میں سالک کو ایسے خطرات پیش آتے رہتے ہیں ۔ شیخ کا کام اس پرخطر موقع پر دل بندھانا ہوتا ہے اور جو شیخ الٹا مقصد سے مایوس اور ناامید کرنے والا ہو وہ تو شیخ کہلانے کا حق ہی نہیں رکھتا۔ یہ اشارات **وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْهًا وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ** ۔(آل عمران ۔ 83)" حالانکہ آسمان زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اللہ ہی کی تابع فرمان (مسلم) ہیں اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے ۔" سے اخذ کردہ ہیں (47)

شیخ پر لازم ہے کہ مرید کو سخت قسم کا مجاہدہ کرنے کا حکم نہ دے تاکہ وہ کہیں طریق سے ہی بھاگ نہ جائے علاوہ ازیں اس سے یہ خطرہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ ایسا مجاہدہ قوت کے دعوے کی خاطر کرایا جائے اور اس سے غرور اور کبر پیدا ہوجائے اور مذموم بن جائے اس پردلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا قول **یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ**

(46): مسائل السلوک ' ص 50

(47): مسائل السلوک ' ص 123

الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا○(النساء۔28) " اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے "(48)

مباح کا حکم ہے کہ خواہ اس کو اختیار کیا جائے یا ترک کیا جائے جائز ہے مگر کسی مباح کو اس طرح چھوڑ دینا جیسے حرام کو ترک کرتے ہیں ناجائز ہے اور اس کا تدارک اس مباح کو اختیار کر کے کیا جائے گا۔اس کا اشارہ ہے **وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا** ط(مائدہ۔2) " جب احرام کی حالت ختم ہو جائے تو شکار تم کرسکتے ہو " میں شیخ پر لازم ہے کہ خفیف اور معمولی باتوں کا نوٹس نہ لے 'ان سے صرف نظر اور درگزر کرے مگر ایسے سالک کو ضرور تنبیہہ کرنا چاہیے جو غلطی کا ارتکاب جان بوجھ کر اس وجہ سے کرے کہ وہ چھوٹی غلطی ہے۔یہ تفسیری اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے قول کا **سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ** ط (المائدہ۔42) " یہ جھوٹ سننے والے اور حرام کا مال کھانے والے ہیں" یہ جھوٹ سننے والے اور حرام کے مال کھانے والے ہیں (49)

خلیفہ بنانا: شیخ اپنا خلیفہ بناتے وقت جن امور کا خاص خیال رکھتے ہیں ان میں علم و فہم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے وہ بد عملی کے سدباب کی خاطر اعمال میں سخت محنت و کوشش کو بھی لازمی قرار دیتے ہیں۔یہ اشارہ اخذ شدہ ہے اللہ کے اس قول سے **وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً** ط(البقرہ۔30) " اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ بے شک میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں" (50)

حضرت عائشہؓ سے حضرت عمرؓ کے ایک خطبے کا مضمون منقول ہے جسے مالک نے روایت کیا ہے جس میں عمرؓ کے خلیفہ بنائے جانے کا حکم حضرت ابوبکرؓ پر القا ہوا۔اس سے اشارہ ملتا ہے کہ بعض اولیاء صاحب الہام ہوتے ہین اور یہ بھی کہ محض رسم کے طور پر حفظ سلسلہ کے لیے کسی کو خلیفہ بنا دینا باطل ہے۔عمرؓ کے خطبے کے اگلے الفاظ کے پیش نظر اس

(48):مسائل السلوک 'ص 219

(49):مسائل السلوک 'ص 237

(50):مسائل السلوک 'ص 6

رسم کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔(الکشف۔ص 309)

دستار بندی کا موجودہ طریقہ دنیوی اختصاص کی بنا پر ہوتا ہے۔لہٰذا مذموم ہے۔(الکشف ص۔308) یہ طالبین کی حق تلفی ہے اور فساد پھیلانے کے مترادف ہے۔

خلیفہ ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو اللہ کے سوا کسی دوسرے سے لو لگانے والا نہ ہو اور شہوانی خواہشات اس کی خودی کے تابع ہوں۔اس پر دلالت کرتی ہے۔آیت **رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً** ج(آل عمران۔38) " پروردگار! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر" (51)

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا(النساء۔5)

" اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیام زندگی کا ذریعہ بنایا ہے 'نادان لوگوں کے حوالہ نہ کرو " سے یہ قائدہ اخذ کیا گیا ہے کہ احوال ہوں یا مناصب ان کی ذمہ داری اہل لوگوں کو سپرد کردی جائے اسی سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ خلیفہ کو طالبین اور مریدوں کی تعلیم و تربیت کے اہل ہونا چاہیے۔لہٰذا اس کے انتخاب میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے (52)

سورہ ابراہیم میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ شیخ کے خلفاء کو شیخ کے زیادہ قریب ہونا لازمی ہے۔یعنی صرف وہ لوگ خلفیہ بنائے جائیں جو اول مخاطب ہوں اور شیخ کو ان سے دیگر مستفیدین سے زیادہ نسبت ہو۔**وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ** ط(ابراہیم۔۴)" ہم نے اپنا پیغام دینے کے لیے جب کبھی کوئی رسول بھیجا ہے 'اس نے اپنی قوم ہی کی زبان میں پیغام دیا ہے تاکہ وہ انہیں اچھی طرح کھول کر بات سمجھائے" اس پر دلالت کرتی ہے۔(53)

سائل کی طرف توجہ اور دعا: شیخ کی دعا کا قبول کیا جانا ضروری نہیں ہے۔کسی شخص

(51):مسائل السلوک 'ص 111

(52):مسائل السلوک 'ص 1058

(53):مسائل السلوک 'ص 511

کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے اہل غلو کا عقیدہ ہے اور سراسر غلط ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کا تخلف بھی ممکن ہے تو اور کسی کی کیا مجال ہے کہ اس کا ممکن نہ ہو ۔ اللہ تعالیٰ کا قول **وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ** ط(الانعام ۔ 35) " تاہم اگر ان لوگوں کی بے رخی تم سے برداشت نہیں ہوتی تو اگر تم میں کوئی زور ہے تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈو یا آسمان میں سیڑھی لگاؤ اور ان کے پاس کوئی نشانی لانے کی کوشش کرو" اس قول کی صداق پر دلالت کرتا ہے (54)۔

ایسا امر جس کے مفسد ہونے یا جس کے صواب اور غیر صواب ہونے کا علم نہ ہو اس کے لیے دعا کرنے کی ممانعت ہے کسی شیخ کا یہ عمل کہ ہر معاملے کے لیے دعا کرنے کے لیے تیار ہو جائے غلط ہے ۔ اس بات کی طرف اللہ کے قول **فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ** ط (ھود ۔46) "لہٰذا تو اس بات کی مجھ سے درخواست نہ کر جس کی حقیقت تو نہیں جانتا" میں یہ اشارہ ہے (55)۔

اختیارات

اعراض کرنے والوں سے رویہ: شیخ کو ایسے شخص کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے جو خود شیخ کی طرف رجحان نہ رکھے۔ کیونکہ شیخ کا فرض تبلیغ کا حق ادا کرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے ۔ اس پر آیت **فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ** ط(النور ۔ 54)" لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو ۔ تو خوب سمجھ لو کہ رسولؐ پر جس فرض کا بار رکھا گیا ہے اس کا ذمہ دار وہ ہے ۔ اور تم پر جس فرض کا دباؤ ڈالا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم ہو۔" پوری طرح دلالت کرتی ہے (56)۔

(54): مسائل السلوک ' ص 274

(55): مسائل السلوک ' ص 459

(56): مسائل السلوک ' ص 703

شیخ کا سزا دینے کا طریقہ اور حق: بعض غلطیوں سے صرف نظر کرنا مرید کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے ۔ مشائخ کا بعض غلطیوں سے درگزر نہ کرنا ۔ **وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ** (النور ۔2) " اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو " سے اشارتاً ماخوذ ہے۔

(النور ۔ 2) کے آخری جملے **وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ**۝" اور ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہے "سے اشارہ ملتا ہے کہ جب مرید کی تادیب اس کے نفس کو توڑنے کے لیے مقصود ہو تو وہ مریدوں کے مجمع میں ہونی چاہیے تاکہ اس کا گھمنڈ ٹوٹ جائے اور دوسروں کو عبرت حاصل ہو (57)۔

مشائخ کی عادت ہے کہ بعض گناہوں کو معاف کر دینے کے بعد بھی مرید کو اپنے پاس نہیں رکھتے کسی مناسبت والی جگہ بھیج دیتے ہیں تاکہ اس کامل کے زیر سایہ رہ کر وہ فائدہ اٹھا سکے اور بوقت ضرورت اس سالک کو مفید مشورے دیتے رہتے ہیں اس پر (سورہ نورؔ 4) کا جملہ **وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا** ج" اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو " دلالت کرتا ہے (58)۔

شیخ کامل بعض اوقات کسی مرید کو ایک عمل کرنے کو کہتا ہے اور اس کا مقصد کسی دوسرے عمل کے نتیجے کا حصول ہوتا ہے یا اس عمل کے نتیجے میں ایک دوسرا عمل وجود میں آتا ہے یہی دوسرا عمل دراصل مقصود ہوتا ہے۔ مرید بعض اوقات اس منطق کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے اور اپنی مرضی سے اپنی رائے پر عمل پیرا ہوتا ہے گویا وہ شیخ کی مطابقت نہیں کرتا بلکہ خود اس کی جگہ متمکن ہونے کی کوشش کرتا ہے ۔اس پر شیخ جائز طور پر ناراض ہوتا ہے ۔ شیخ کے اس رویہ کا اشارہ **بل كانوا يعبدون الجن** ج(سبا۔ 41) " دراصل یہ ہماری نہیں بلکہ جنوں کی عبادت کرتے تھے" میں ملتا ہے (59)۔

(57): مسائل السلوک ' ص 687

(58): مسائل السلوک ' ص 688

(59): مسائل السلوک ' ص 847

یہی بات (ص ۔ 15) میں بھی کہی گئی ہے (60)

مشائخ کے نزدیک اللہ کی رضا کی طلب کے لیے رہبانیت اختیار کرنا جائز ہے مگر اس رہبانیت کے عمل کو اس مقصد کے علاوہ استعمال کرنا قابل مذمت ہے گویا رہبانیت کی رعایت کرنے مین کوتاہی مذموم حرکت ہے ۔ یہ تفسیری اشارہ ۔ (حدید ۔ 27) **فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا** "اور پھر اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اسے ادا نہ کیا" میں ہے (61)۔

شیخ کو مرید کی تکمیل میں بہت دخل ہے اس کا اشارہ (ابراہیم ۔ 5) میں ہے **اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ...... آلایہ** "کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لا............ آخر تک (62)

شیخ اور فیض پہنچانا: مسلم اور ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آیت **اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ** الخ (القصص ۔ 56) "تم ہدایت نہیں دے سکتے "رسول اللہ کے معاملے میں نازل ہوئی ہے کہ آپ اپنے چچا ابو طالب کو اسلام کی ترغیب دے رہے تھے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ نفع دینی ہو یا دنیوی ہو آنحضورؐ کے اختیار میں نہ ہے ۔ دوسروں میں تو ایسی صلاحیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اہل اللہ کو ساری خدائی کا مالک سمجھنے والے سخت غلطی پر ہیں۔ (الکشف ۔ ص286)

شیخ کی موت: **وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا** ط "کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا ۔ موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے ۔" (آل عمران ۔ 144) میں اشارہ ہے کہ پیر اور شیخ کی موت پر افسوس ہونا تو قدرتی امر ہے ۔ مگر اس پر شدید غم کا اظہار اور یہ سمجھنا کہ اب کوئی دین کا حامی اور ناصر نہیں رہا انتہائی غلط باتیں ہیں یہ اشارہ اللہ تعالی کے ذات کی ناشکری کی دلیل ہے ، لہٰذا مذموم ہے (63)

(60): مسائل السلوک ، ص 884

(61): مسائل السلوک ، ص 1042

(62): مسائل السلوک ، ص 512

(63): مسائل السلوک ، ص 138

تنبیہ برائے شیخ وسالک: شیخ اور سالک دونوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ منتہی کامل بھی شیطان کے مکر سے مامون نہیں جیسے آدمؑ کامل تھے اور شیطان کے مکر کا شکار ہوئے اس لیے انہیں ہر وقت اور ہر لمحہ ہوشیار رہنا چاہیے یہ اشارہ ہے اللہ کے قول **وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ** (البقرۃ ۔ 35) "مگر اس درخت کا رخ نہ کرنا" میں (64)

آل عمران ۔ 80) دلالت کرتی ہے کہ شیخ کی تعظیم میں غلو کرنا جائز نہیں خواہ وہ زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو (65)

شیخ کے لیے لازم ہے کہ اپنے سے اعلیٰ درجہ والے سے یا کمتر درجے پر فائز کسی شخص سے عار محسوس نہ کرے اور نہ ہی اپنے درجے کے مساوی والے سے استنکاف کیا جائے اس پر (آل عمران ۔ 81) دلالت کرتی ہے (66)

کسی شیخ کا تقدس کا دعویٰ لغو اور بے بنیاد ہے اور اہل فنا کے علاوہ دوسروں کا اس سے بچنا مشکل ہے ۔ یہ تفسیری اشارہ ہے (النساء ۔ 49) میں (67)

جملہ **وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ** ط (النساء ۔106) اور (النساء ۔110) "اور اللہ سے درگزر کی درخواست کرو" اس بات پر دلالت کرتی ہیں کی شرعی امور کی انجام دہی کسی کے ذمے سے ساقط نہیں ہوتی اور یہ بھی کہ کسی کو اپنے علم یا عمل پر مغرور نہیں ہونا چاہیے (68)

جاہل مریدوں سے نذرانے لینا اور نفع کے فوت ہو جانے کے خوف سے حق کو چھپانا مذموم حرکت ہے ۔ اس پر **یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا (الی قولہ تعالیٰ) وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** ط (التوبہ ۔ 34) "اے ایمان لانے والو ! ان اہل کتاب کے اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں " دلالت کرتی ہے (69)

(64): مسائل السلوک ، ص 14

(65): مسائل السلوک ، ص 122

(66): مسائل السلوک ، ص 122

(67): مسائل السلوک ، ص 178

(68): مسائل السلوک ، ص 199

(69): مسائل السلوک ، ص 396

مشائخ اور خوارق عادت

خارق عادت کیا ہیں: خوارق کے اثبات پر دلالت کرنے والی آیت کریمہ ہے **فَأَلْقٰهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى** (طٰہٰ۔ 20) "اس نے پھینک دیا اور یکایک وہ ایک سانپ تھی جو دوڑ رہا تھا۔" موسیٰؑ کی لاٹھی جس کی مدد سے آپ بکریوں کے لیے پتے جھاڑتے تھے اور دوسرے بھی کئی کام لیتے تھے ایسا دوڑتا ہوا سانپ بن گئی جس سے آپ ڈرنے لگ گئے۔ حالانکہ عادتاً ایسا نہیں ہوا کرتا اور یہ کیفیت خوارق عادت تھی۔ (1)

سورۃ الشعراء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فَأَوْحَيْنَا إِلٰى مُوسٰى أَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ** (الشعراء۔ 63) "ہم نے موسیٰؑ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ مار اپنا عصا سمندر پر۔ یکایک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا" موسیٰؑ کے عصا مارنے سے پانی پھٹ گیا اور عظیم الشان اونچے پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ بنی اسرائیل تمام کے تمام درمیان میں سے گزر گئے اور راستے خشک کر دیئے گئے یہ سب کچھ خوارق عادت ہے۔ اس سے نبی کی عظمت واضح کرنا مقصود ہوتا ہے اور جب اللہ کے کسی ولی سے کوئی خوارق ظاہر ہوتا ہے تو اس کو کرامت اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ کے اس دوست کی دوستی رب کا ثبوت ہوتا ہے۔ (2)

۱۔ **خارق عادت کا ثبوت:** (سورہ طٰہٰ۔ 20) اور سورہ الشعراء۔63) دونوں آیات خوارق کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں ان کی تفصیلات ابھی اوپر بیان کی گئی ہیں۔

سورہ آل عمران کی آیت کا حصہ ہے۔ **يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ** ۚ (آل

(1) مسائل السلوک، ص 618

(2) مسائل السلوک، ص 728

عمران۔13) "دیکھنے والے بچشم سر دیکھ رہے تھے کہ کافر گروہ مومن گروہ سے دوچند ہے۔" حقیقت میں دونوں فوجوں میں تعداد کا فرق سہ چند تھا یعنی ایک اور تین کی نسبت تھی مگر سرسری نگاہ سے وہ ایک اور دو کی نسبت نظر آتی تھی۔ ایسا دکھانے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ مسلمان بددل نہ ہوں۔ اور کفار پر رعب طاری رہے۔ اس آیت میں سہ چند کو دوچند دکھانا خوارق عادت ہے۔ (3)

شیخ کے کمال کا معیار خوارق نہیں ہیں۔ اس بات کا ثبوت **لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا** "کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتا بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہتا اور (نہ ماننے والوں کو) دھمکاتا" (الفرقان۔ 7) میں ملتا ہے اسی جملے سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ خوارق کے بغیر بھی اللہ کے دوست اونچے مقام پر فائز ہوا کرتے ہیں اور خوارق عادت کوئی کرامت نہ دکھانا یا نہ دکھا سکنا ان کی شان کو ذرہ بھر بھی کم نہیں کرتا (4)۔ اس آیت میں خوارق کے گویا سلبی پہلو کا ذکر ہے۔

خوارق کے ثبوت پر سورہ سبا کی آیت۔ 10 کا آخری حصہ **وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ** "ہم نے لوہے کو اس کے لیے نرم کردیا" دلالت کرتا ہے۔ مسائل السلوک میں آیت کے ٹکڑے کی اشاری تفسیر ان معنوں میں کی گئی جیسے لوہا ان (داؤدؑ) کے ہاتھ میں موم کی طرح ہو جاتا تھا اور وہ جس طرح چاہتے اس سے چیزیں بناتے رہتے تھے۔ اسی لیے اس جملے کو خوارق کے ثبوت کے طور پر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی شیخ کامل سے خوارق کا مظاہرہ ممکن ہے (5)

معجزہ اور کشف و کرامت: معجزہ اور کشف و کرامت کا کوئی واضح فرق تو بیان نہیں کیا مگر سورہ انعام کی آیت **إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ** (الانعام۔ 116) "وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں" سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ احکام کے باب

(3) مسائل السلوک، ص 103

(4) مسائل السلوک، ص 710

(5) مسائل السلوک، ص 841

میں یعنی اوامرونواہی کے لیے کسی کے کشف و الہام کی کوئی شرعی حیثیت نہیں مانی جاسکتی اور ان پر پورا پورا یقین کرلینا تو سرے سے ہی باطل ہے اور یہاں کشف و کرامت یا کشف والہام سے مراد کسی شیخ کے کشف و کرامت سے ہے ورنہ نبی کا معجزہ تو برحق ہوتا ہے۔ (6)

ہر نبی صاحب خوارق ہوتا ہے مگر ہر ولی اللہ کا صاحب خوارق ہونا لازمی نہیں۔ نبی سے خوارق کا طلب کرنا یا مطالبہ کرنا کہ خوارق کا مشاہدہ کرایا جائے ممنوع ہے تو کسی ولی اللہ سے اس کا مطالبہ بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ان میں تو کسی کا صاحب خوارق ہونا یقینی بھی نہیں اور جو صاحب خوارق ہیں بھی ان کے کشف و الہام کا بھی درست ہونا لازمی نہیں۔ اس پر دلالت کرتی ہے **وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** ط(رعد۔ 38)" اور کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی خود لا دکھاتا" لہٰذا اشارہ مل گیا کہ خوارق طلب کرنا ممنوع ہے۔ اگرچہ نبی کو حاصل ہے (7)۔

ملا ئکہ کا غیر نبی سے ہم کلام ہونا: ابراہیمؑ کی بیوی نبی نہ تھیں ان سے فرشتوں نے کلام کیا۔ اور بشارت دی کہ ان کے ہاں اسحٰق اور پھران کی اولاد میں یعقوبؑ پیدا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ** (ہود۔ 73)" فرشتوں نے کہا' اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو۔" تعجب کی وجہ یہ تھی کہ عادتاً" اس عمر میں انسان کے ہاں اولاد پیدا نہیں ہوا کرتی یعنی یہ بات خوارق عادت تھی۔ اس طرح یہ آیت دو باتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے ایک غیر نبی سے فرشتوں کا ہم کلام ہونا اور دوسرا ایسی عمر میں اولاد ہونا جس میں عادتاً" اولاد نہیں پیدا ہوا کرتی اور یہ دونوں خوارق ہیں۔ (8)

بخاری شریف میں اسید بن حضیر کی حدیث ہے جس میں اولیاء اللہ کا فرشتوں کو دیکھنا مذکور ہے اور صحیح مسلم میں عمران بن حصین کو فرشتوں کے سلام کرنے کا ذکر ہے (التکشف' ص 275)

(6) مسائل السلوک' ص 296

(7) مسائل السلوک' ص 508

(8) مسائل السلوک' ص 464

ملا ئکہ کا غیر نبی سے ہم کلام ہونا **الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ لا يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ** " ان متقیوں کو جن کی روحیں پاکیزگی کی حالت میں جب ملائکہ قبض کرتے ہیں سلام ہو تم پر' جاؤ جنت میں" (النحل۔ 32) میں بھی ثابت ہوتا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ متقی لوگوں کی روحیں پاکیزگی کی حالت میں جب ملائکہ قبض کرتے ہیں تو ان لوگوں سے کہتے ہیں تم پر سلام ہو۔ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اسی سورہ کی (آیت۔ 28) **بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ○" کر کیسے نہیں رہے تھے! اللہ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے" دلالت کرتی ہے کہ فرشتے اہل جہنم سے بھی گفتگو فرماتے ہیں اور انہیں جہنم میں گھسنے کو کہتے ہیں (9)۔

خوارق کو قوت اعتقاد میں دخل: اللہ تعالیٰ کا قول ہے **فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ** (ہود۔ 14)" اب اگر وہ تمہارے (معبود) تمہاری مدد کو نہیں پہنچتے تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوئی ہے" قرآن کریم کلام الٰہی ہے۔ کسی انسان کی تصنیف نہیں' اللہ کے علم سے نازل ہوا ہے۔ لہٰذا یہ کتاب خوارق عادت ہے۔ اہل ایمان کو اس کے خوارق ہونے کا علم کفار کے عاجز ہونے اور عاجز رہ جانے سے پہلے حاصل تھا۔ تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خوارق قوت اعتقاد پر خاص اثر رکھتے ہیں (10)۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط" اور کسی رسول کی بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی خود لا دکھاتا" (سورہ رعد۔ 38) میں انبیاء سے خوارق طلب کرنے کی ممانعت ہے تو آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اولیاء سے تو خوارق طلب کرنا قطعاً ممنوع ہے۔ کیونکہ اولیاء کا صاحب خوارق ہونا لازمی بھی نہیں۔ (11)

(9) مسائل السلوک' ص 538

(10) مسائل السلوک' ص 452

(11) مسائل السلوک' ص 508

اللہ تعالیٰ کے قول **لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا** (بنی اسرائیل۔ 1) " ایک رات مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک " سے فقہا اور صوفیاء اللہ کے لیے دو طرح کے امکانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں ایک یہ کہ زمانہ اپنے حال پر رہا ہو اور مکان نے فاصلہ طے کر لیا ہو اور دوسرا یہ کہ مکان اپنے حال پر رہا ہو اور زمانہ کو پھیلا دیا گیا ہو۔ ہر دو صورتیں ممکنہ خوارق سے تعلق رکھتی ہیں جنہیں اولیاء کے لیے جائز رکھا جاتا ہے کہ ان کا مظاہرہ کسی وقت اللہ کے دوستوں سے ہو جائے۔ (12)

اولیاء کے مکاشفات کی حقیقت: ولی اللہ کشف پر قادر نہیں ہوتے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے' جب اس کی مرضی ہوتی ہے۔ حضرت یعقوبؑ کو کنعان کے کنویں سے یوسفؑ کی خوشبو نہ آتی تھی۔ مگر مصر سے قمیض چلی تو خوشبو آنے لگی یہ آیۃ کریمہ۔ **وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ** (یوسف۔ 94)

"جب یہ قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے (کنعان) میں کہا ' میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں" آیت دلالت کرتی ہے کہ مکاشفہ پر کسی ولی اللہ کو قدرت حاصل نہیں ہوتی کہ جب چاہے اس کا مظاہرہ کرا سکے۔ بقول سعدی ......

گہے برطارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم (13)

وحی اور غیروحی کا معاملہ: کسی امروحی پر جو کچھ کیا گیا وہ اسی طرح کرنا صحیح تھا اور وحی کا تعلق اللہ تعالیٰ کے انبیاء کے ساتھ خاص ہوتا ہے 'اس پر عمل پیرا ہونا لازمی ہوتا ہے مگر کسی ایسے فعل کو جو بلا وحی ہو وحی پر قیاس کرنا درست نہیں۔ اس لیے غلط قسم کے صوفیاء کا حضرت ابراہیمؑ کے عمل جس میں وحی کی بنیاد پر آپ نے بیوی اور بچے کو بے آب و گیاہ

(12) مسائل السلوک ' ص 559
(13) مسائل السلوک ' ص 494

جگہ میں چھوڑا تھا' یہ استدلال کرنا کہ اپنے اہل و عیال کو توکل کی بنیاد پر ایسی جگہ چھوڑ دینا جائز ہے جہاں کچھ سروسامان نہ ہو انتہائی قبیح حرکت ہے اور غیر نبی کے بغیر وحی کے کسی امر کو' نبی کے وحی والے امر پر قیاس درست نہیں (14) یہ اشارہ ہے آیت میں **رَبَّنَا اِنِّىْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ**۔ (ابراہیم۔ 37)" پروردگار' میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو لا بسایا ہے "

تمثل و تجسیم اعمال: اللہ تعالیٰ کا قول **فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا** (مریم۔ 17)" اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے پورے انسان کی شکل میں نمودار ہو گیا۔" اس پر دلالت کرتا ہے کہ فرشتہ جو غیر مرئی نوری مخلوق ہے خوارق عادت کے طور پر انسان کی شکل اختیار کر گیا۔ یعنی ایسی صورت پر آگیا جو عادتاً" فرشتہ کی نہیں ہے اور اس طرح ایک غیر مرئی تشخص نظر آنے لگ گیا۔ صوفیاء کا عقیدہ ہے کہ عارف اپنی فراست کشفیہ کی مدد سے انسان کی شکل دیکھ کر اس کے اندر کے یعنی روحانی حالات کو دیکھ سکتا ہے۔ اس کے لیے جسمانی اعمال کی طرح ہی اس کے روحانی احوال متشکل ہوئے ہوتے ہیں' جیسے حضرت مریم فرشتے کو پورے انسان کی شکل میں دیکھ رہی تھیں۔ اسی طرح شیخ کامل بھی کسی روحانی حال کو متمثل دیکھ سکتا ہے (15)

اللہ تعالیٰ کے قول **اِذْ رَاٰ نَارًا** (طٰہٰ۔ 10)" جب کہ اس نے ایک آگ دیکھی" میں اشارہ ملتا ہے کہ نظر اگرچہ آگ آرہی تھی مگر وہ نور قدیم یعنی حق تعالیٰ کی تجلی تھی جو آگ کی صورت میں متمثل ہو گئی۔ یعنی نور قدیم ایسی مثال میں نظر آیا جو حادث ہے یعنی پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہاں قدیم کا حادث کی شکل اختیار کرنا ہی تمثل کہلایا اور صوفیاء اس کے ایسی ہی آیات کے اشارات کی وجہ سے قائل ہوئے ہیں (16)۔

(14) مسائل السلوک ' ص 519
(15) مسائل السلوک ' ص 607
(16) مسائل السلوک ' ص 617

سورۃ دخان کی آیت **اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۙ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ۝** (الدخان 43-42) " زقوم کا درخت گناہ گار کا کھا جا ہوگا۔" دلالت کرتی ہے کہ حب دنیا اور حرص ولالچ کو قیامت کے روز زقوم کے درخت کی شکل دے دی جائے گی اور یہ معاملہ مسئلہ تمثل کی ایک شاخ ہے[17]۔ صاحب روح المعانی بھی اسی خیال کے حامی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان **فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ (الٰی قولہ تعالٰی) وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی** ؕ (محمد۔ 15) " اس کی شان تو یہ ہے کہ اس میں نہریں بہہ رہی ہوں گی نتھرے ہوئے پانی کی ' نہریں بہہ رہی ہوں گی ایسے دودھ کی جس کے مزے میں ذرا فرق نہ آیا ہو گا ' نہریں بہہ رہی ہونگی ایسی شراب کی جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہو گی ' نہریں بہہ رہی ہونگی صاف شفاف شہد کی" سے اہل اشارہ نے روحانی زندگی کو پانی' خدا کے بارے میں علم کو دودھ' شوق و محبت کو شراب اور وصل و قرب خداوندی کو شہد کی صورت میں متمثل ہونا بیان فرمایا ہے یعنی پانی' دودھ' شراب اور شہد صور مثالیہ ہیں[18]۔

کوئی ذات اپنی حالت اور صفت پر قائم رہتے ہوئے کسی دوسری صورت میں ظہور کرے تو اس کو تمثل کہتے ہیں اور دوسری صورت کو صورت مثالی۔ خواب و مکاشفات میں متمثل اکثر ہوتا رہتا ہے۔ اور خرق عادت کے طور پر بیداری میں تمثل کی مثال جبریلؑ کا وحیہ کلبی کی شکل میں آکر مسائل دین پوچھنا ہے۔ (النسائی بحوالہ التکشف' ص 259)

بخاری شریف میں ابوہریرہؓ کی حدیث میں شیطان کا انسانی شکل میں آنا ثابت ہے۔ (التکشف' ص 227)

حضرت سعد بن ابی وقاص کا جنگ احد میں جبریل اور میکائیل کو انسانی شکل میں جنگ کرتے دیکھنا (بخاری و مسلم بروایت سعد بن ابی وقاص)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وادی ازرق میں موسیٰؑ اور یونسؑ کو دیکھنا تمثل روحی تھا۔

(17) مسائل السلوک' ص 959

(18) مسائل السلوک' ص 978

(مسلم اور مشکواۃ بروایت ابن عباسؓ)

ابلیس کا متمثل ہونا: اللہ تعالیٰ کے قول **فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ** ؕ (الانفال۔ 48) میں سے اشارہ نکالا گیا ہے کہ شیطان سراقہ بن مالک کنانی کی صورت میں متمثل ہو گیا تھا اور اس نے پہلے تو لوگوں سے کہا تھا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور میں بھی تمہارا ساتھی ہوں" مگر جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ الٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے۔ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے' مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے۔" آیت مذکورہ بالا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تمثل کا امکان ہے جیسے شیطان سراقہ کنانی کی شکل میں ظاہر ہوا[19]

خوارق کی تلاش اور اہل اللہ: اہل اللہ میں خوارق کی تلاش کی ممانعت ہے۔ اس کا اشارہ ہے حواریوں کے اس قول کے جواب میں جس میں انہوں نے دریافت کیا تھا کہ اے عیسیٰ کیا آپ کا خدا ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار سکتا ہے۔ جواب دیا **قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝** (المائدہ۔ 112)" عیسیٰؑ نے کہا' اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو" گویا ان کے خارق کے مطالبے پر زجر کیا گیا۔ اسی سے اشارہ ملا کہ اہل اللہ میں خوارق کو تلاش کرنا ممنوع ہے[20]

چند صفحے پہلے گذر چکا ہے کہ (سورہ رعد۔ 38) میں اللہ کا فرمان ہے **وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** ؕ یہ دلالت کرتا ہے کہ انبیاء سے خوارق کا مطالبہ ممنوع ہے اس لیے اولیاء اللہ سے تو اور بھی زیادہ ممنوع ہو گا۔[21]

(19) مسائل السلوک' ص 377

(20) مسائل السلوک' ص 263

(21) مسائل السلوک' ص 508

خوارق کا ظاہر نہ ہونا: خوارق کا ظاہر نہ ہونا ہی سلامتی کا راستہ ہے اس پر دلالت کرتا ہے اللہ کا قول **وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ** ○ (الانعام۔ 8) "اگر کہیں ہم نے فرشتہ اتار دیا ہوتا تو اب تک کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔" یعنی خوارق کے ظاہر ہونے کے بعد فیصلہ ضروری ہو جاتا اور تم کبھی کے ہلاک ہو چکے ہوتے کیونکہ پھر حجت پوری ہو گئی ہوتی اس لیے سلامتی اسی میں ہے کہ خوارق کا مظاہرہ نہ کرایا جائے (22)

اللہ تعالیٰ کا قول **وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا** (الاعراف۔ 148) "موسیٰ کے پیچھے اس کی قوم کے لوگوں نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنایا جس میں سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ کیا انہیں نظر نہ آتا تھا کہ وہ نہ ان سے بولتا ہے نہ کسی معاملے میں ان کی رہنمائی کرتا ہے۔" آیت زیر نظر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خوارق سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اصل اہمیت شرعی دلائل کی ہے ان کے معیار پر ہر چیز کو پرکھنا چاہیے۔ خوارق کی کوئی اہمیت نہیں اگر وہ شرعی دلیل کے مخالف ہوں۔ (23)

کشف و الہام کی حیثیت: کسی غیر نبی کا کشف و الہام حجت نہیں خواہ وہ کتنے ہی اونچے مقام پر فائز کیوں نہ ہو۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق کہ کڑی کڑی قسمیں کھا کر نشانی دیکھ کر ایمان لانے کا وعدہ کرنے والوں سے کہا گیا **وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ (الی قولہ تعالیٰ) مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا** (الانعام۔ 111) "اگر ہم فرشتے بھی ان پر نازل کردیتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور دنیا بھر کی چیزوں کو ہم ان کی آنکھوں کے سامنے جمع کردیتے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے" اشارہ ملا کہ آیت مذکورہ میں خوارق کے معائنے سے نفع حاصل ہونا لازم نہیں نیز خوارق کو طلب کرنا ہدایت پانے کا ذریعہ بھی نہیں۔ آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی دکھائے جانے کے نفع سے انکار ہے تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طرف سے کسی قسم

(22) مسائل السلوک، ص 519

(23) مسائل السلوک، ص 347

کی نشانی اور خوارق کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے۔ (24)

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ○ "وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں" (الانعام۔ 116) دلالت کرتی ہے کہ کشف و الہام سے احکام کا ثبوت نہیں ملتا۔ امرونہی کا کشف و الہام پر انحصار نہیں کیا جا سکتا اور ان دونوں پر پختہ یقین کرلینا تو بالکل باطل ہے اور یہ دراصل نتیجہ ہوتا ہے ایسے ظن کا جو شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہوگا اور اس کا تعلق غیر نبی سے ہوتا ہے۔ نبی کے کشف و الہام کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے۔ (25)

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ (الاعراف۔ 12) "بولا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے اور آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے" دلالت کرتی ہے کہ کشف کی بنا پر ایسی رائے رکھنا جو نص کے خلاف ہو ابلیسیت ہے اور اس کی مدد سے شریعت کے احکام کو پس پشت ڈالنا باطل ہے (26)

ایسے کشف و الہام جن میں خطا کا احتمال ہو ان پر عمل کر گزرنے سے عذاب اخروی تو نہیں ہوتا۔ مگر کچھ نہ کچھ دنیوی ضرر ضرور لاحق ہو جاتا ہے اس لیے بہتر یہی ہوتا ہے کہ ان کو ترک کردیا جائے۔ علماء کا ایسے کشف و الہام کی مخالفت کرنا ثابت ہے اور مشائخ اس کو بالکل حرام سمجھتے ہیں۔ اصل صورت حال وہی درست صورت ہے جس کا ذکر مسائل السلوک میں ہے۔ یہ اشارات ہیں **يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ط** "ان کے لباس ان پر سے اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھولے" (الاعراف۔ 27) جہاں ذکر ہے کہ شیطان کے بہکانے سے ان کی شرم گاہیں ایک دوسرے پر کھل گئیں (27)

(24) مسائل السلوک، ص 294

(25) مسائل السلوک، ص 296

(26) مسائل السلوک، ص 314

(27) مسائل السلوک، ص 316

جنات کو دیکھنے کا دعویٰ: اللہ تعالیٰ کا قول **اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ** ط (الاعراف۔ 27) "وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے" اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کسی شیخ کا جنات کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کا دعویٰ کہ وہ اس کی کرامت سمجھی جائے اس کو فاسق یا جھوٹا نہیں بناتا کیونکہ آیت سے صرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عادتاً" انسان جنات کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے کشف یا کرامت کے طور پر دیکھنا اور کبھی کبھی دیکھ پانا ممکن ہے۔ ایسا ہی اشارہ اس آیت سے روح المعانی میں بھی مذکور ہے [28]

خوارق اور اہل باطل: خوارق اہل باطل سے بھی ظاہر ہو سکتے ہیں اسی لیے ان سے دھوکا نہ کھانا چاہیے اس بات پر دلالت کرتی ہے' آیت **فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ** (الاعراف۔ 116) " انہوں نے (انچھر) پھینکے تو لوگوں کی نگاہوں کو مسحور کردیا" اور ان لوگوں میں خود موسیٰؑ کی ذات بھی شامل تھی۔ معلوم ہوا آپؑ پر بھی اس کا اثر ہوا حالانکہ اہل باطل سے خوارق ظاہر ہوا تھا اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں تھی۔ یہی بات طٰہٰ۔ 66 میں بیان ہوئی ہے کہ یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰؑ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ یہ خیال میں تصرف کرنے والا خوارق ہے جیسے مسمریزم وغیرہ۔ اور اہل حق کا ایسے خوارق سے متاثر ہونا ان کے کمال میں کوئی خلل نہیں ڈالتا [29]

(سورۃ الانفال۔ 48) دلالت کرتی ہے کہ اہل باطل کے لیے کشف ممکن ہے۔ جیسے ابلیس کو فرشتے مکشوف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق **اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ** " میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے " دوسرے اہل باطل سے تمثّل کا امکان بھی ہے جیسے شیطان نے کنانہ کی شکل بنالی۔ اور یہ دونوں صورتیں خوارق کی ہیں جو اہل باطل کو حاصل ہوا۔۔۔۔۔ [30] کچھ وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

(28) مسائل السلوک ' ص 318

(29) مسائل السلوک ' ص 340

(30) مسائل السلوک ' ص 30

علم غیب کا معاملہ: صاحب روح المعانی اور مسائل السلوک دونوں متفق ہیں کہ کسی کا اعمال قلب پر مطلع ہونے کا دعویٰ باطل ہے۔ دل کی صفائی کرلینے اور نفس کو کدورتوں سے پاک کرلینے کے بعد کشف اور غیبی امور سے آگاہی کے دعوے باطل ہیں۔ اس وجہ سے کہ اس آیت **لَا تَعْلَمُهُمْ** ط **نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ** ط (ٹکڑا آیت سورۃ التوبہ۔ 101) " تم انہیں نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں" میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیبی علم کی نفی ہے۔ اور کوئی مائی کا لال کون ایسا ہو سکتا ہے جو آپ سے بڑھ کر علم رکھتا ہو [31]

روح کا معاملہ: صوفیاء روح کو اسرار الٰہیہ میں سے ایک راز جانتے ہیں۔ وہ ایک چھپا ہوا بھید ہے۔ روح کی بزرگی اور بڑائی یا فضیلت اس نسبت سے ہوتی ہے کہ تبارک وتعالیٰ اس کو اپنی طرف نسبت دے کر بیان فرماتے ہیں۔ یہ بات (الحجر۔ 29) میں اشارہ کی گئی ہے [32]

منکرین اولیاء اور خوارق: اولیاء اللہ کے منکرین کو خوارق کا مشاہدہ کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ وہ ان کا مظاہرہ کرنے کے بعد بھی اس کو سحر' مسمریزم یا شعبدہ بازی پر محمول کرتے ہیں اور پہلے سے زیادہ انکار میں بڑھ جاتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے **وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ** لا **لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ** (الحجر۔۔۔14'15) " اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیتے اور وہ دن دہاڑے اس میں چڑھنے بھی لگتے تب بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری آنکھوں کو دھوکا ہو رہا ہے بلکہ ہم پر جادو کردیا گیا ہے" اس آیت میں صاف اشارہ ہے کہ منکرین کو خوارق الٹا پہلے سے زیادہ منکر بنا دیتے ہیں [33]

اسرار غیر ضروریہ کا تفحص: غیر ضروری رازوں کا کھوج لگانا مذموم حرکت ہے اس پر اللہ کا قول **وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ** ط (بنی اسرائیل۔ 85) " یہ لوگ تم سے

(31) مسائل السلوک ' ص 415

(32) مسائل السلوک ' ص 526

(33) مسائل السلوک ' ص 524

روح کے متعلق پوچھتے ہیں" دلالت کرتا ہے۔۔ مزید یہ کہ غیر ضروری سوالات کرنا بھی مذموم حرکت ہے۔ یہ اشارہ بھی اس میں پایاجاتا ہے (34)

(34) مسائل السلوک، ص 578

نظم سلوک

سالک کی تعلیم

فلاح کا مدار: فلاح کا مدار ان اعمال پر ہے جو انسان اس دنیا میں سرانجام دیتا ہے ۔ اس کا نسب اس کے کسی کام نہیں آتا۔ اس اصول کی طرف اللہ تعالیٰ کا قول **وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى** ط (**الی قولہ تعالیٰ**) **بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ**۔(البقرہ۔ 111، 112)" ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو یا (عیسائیوں کے خیال کے مطابق) عیسائی نہ ہو......دراصل نہ تمہاری کچھ خصوصیت ہے، نہ کسی اور کی، حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے" اشارہ کرتا ہے ۔ قرآن یہودیوں کی نسب کی عظمت کو مسترد کررہا ہے اور اس کو ان کی جھوٹی خواہش قرار دے رہا ہے۔ جس کا کوئی سرپاؤں نہیں (1)۔ یہی بات پیروں کے دامن گرفتگان کی بھی ہے۔

اولیاء اللہ کے معاملے میں غلو کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ ان سے مدد مانگتے ہیں اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں حالانکہ یہ امور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے اختیارات میں نہیں آتے ۔ جب اولیاء کی اپنی یہ حیثیت ہے تو پھر ان سے انساب پر فخر کرنا اور اس کو فلاح کا ضامن سمجھنا کس قدر باطل خیال ہے۔ اس پر **وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ** ط **ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ** ○ (الحج۔ 73)۔

"بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور" یعنی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اولیاء اللہ خود ہی کمزور ہیں اور ان کے ساتھ انساب کی بنا پر امیدیں وابستہ کرنے والوں کو کیا حاصل ہوگا[2]۔

بعض جاہل صوفی اور سالک کسی بزرگ سے حاصل شدہ برکات پر اعتماد کرکے بغیر نیک اعمال کے' کامیابی کا یقین کرلیتے ہیں یا کسی بزرگ ہستی کے دامن گرفتہ ہو کر اپنے مقبول بارگاہ ہونے کا زعم رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو اعمال صالحہ کا محتاج نہیں سمجھتے ان کا ایسا خیال کرنا سراسر باطل ہے۔ اس کا اشارہ سورۃ الفرقان کی آیت۔ 77 کے ایک جملے میں ہے۔ **قُلْ مَايَعْبَئُوابِكُمْ رَبِّى لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ** "کہہ دو۔ میرے رب کو تمہاری کیا حاجت پڑی ہے۔ اگر تم اس کو نہ پکارو" یعنی ایسے شخص کا پرکاہ کے برابر وزن بھی اللہ کی نگاہ میں نہیں ہوتا جو اس سے دعائیں نہ مانگے' اس کی عبادت نہ کرے' اور حاجات کے لیے اس کو مدد کے لیے نہ پکارے یعنی اپنے قولی اور عملی انداز سے اس کے سامنے نہ جھکے[3]۔

مَاكَانَ لِلنَّبِىِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْكَانُوْٓا اُولِىْ قُرْبٰى ..... آلايه "نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں چاہے وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں" (سورۃ توبہ۔ 113) میں اشارہ ہے کہ ایمان کے بغیر برکات سے کچھ حاصل نہ ہوگا جیسے مشرکین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے کچھ بھی نفع نہ پہنچا۔ حالانکہ آپ کی قرابت سے بڑھ کر کون سی برکت ہو سکتی تھی[4]۔

مرید کی ابتداء اور انتہا: مرید کی ابتدائی حرکت **حمد** ہے۔ مرید جب نفس کی کدورتوں کو دھو دیتا ہے تو اس کا دل منور ہو جاتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ

(1) مسائل السلوک' ص 35

(2) مسائل السلوک' ص 669

(3) مسائل السلوک' ص 722

(4) مسائل السلوک' ص 418

تعالیٰ کے احسانات کا تصور پورے طور پر جانشین ہو جاتا ہے وہ اس کی ایک ایک نعمت کا ادراک کرنے لگ جاتا ہے۔ یہاں سے اس کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی کی ابتداء ہوتی ہے اور وہ اپنے خالق' مالک اور رازق کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتا ہے۔ وہ ذکر کو اپنا لیتا ہے۔ اس پر **رب العالمین** کے معانی منکشف ہو جاتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر وہ غیر اللہ سے بالکل لاتعلق ہو جاتا ہے اور اپنے اللہ کی تعریفیں کرنے لگ جاتا ہے۔

مرید حمد اور ذکر کے مراحل سے گزر کو مزید ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ غیر اللہ سے سکون پانے کا امکان اس کے لیے ناپید ہو جاتا ہے۔ مادی اشیاء کی محبت کو راہ سے اٹھا پھینکتا ہے۔ سوائے اللہ کی ذات کے اس کا کوئی مقصود اور مطلوب نہیں رہتا وہ اپنے آپ کو صرف اسی کا محتاج جانتا ہے۔ پہلے خالق حقیقی کے جمال کے پردے ہٹاتا ہے پھر جلال کے پردوں کے پیچھے مالک حقیقی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہاں پہنچ کر اپنا آپ اور اپنا سب کچھ مالک حقیقی کے سپرد کردیتا ہے۔ یہاں اس کو اپنے بندہ ہونے کا اور مالک حقیقی کی ذات کا ادراک ہو جاتا ہے اور پھر پکارنے لگتا ہے۔ **اياک نعبد**(الفاتحہ۔ 4) اسی طرح وہ اپنی ذات کو ذات باری میں فنا کردیتا ہے اور یہ اس کی انتہائی منزل ہے۔ یہی سالک کی انتہا ہے۔ اس کے بعد سیر فی اللہ کی مسافت شروع ہو جاتی ہے۔ جس کی کوئی انتہا نہیں[5]۔

ایمان' تقویٰ اور سالک: سالک کے لیے ایمان اور تقویٰ کے مابین کئی مدارج ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول **لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا** ط (المائدہ۔ 93) "جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرنے لگے انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی بشرطیکہ وہ آئندہ ان چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اچھے کام کریں۔ پھر جس جس چیز سے روکا جائے اس سے رکیں اور جو فرمان الٰہی ہو اسے مانیں' پھر خدا ترسی کے ساتھ نیک رویہ رکھیں۔" دلالت کرتا ہے کہ ایمان اور تقویٰ کا ایک درجہ ایسا ہے جو حرام چیزوں سے روکتا ہے۔ یہ ادنیٰ درجے کا ایمان اور تقویٰ

(5) مسائل السلوک' ص 2

ہے۔درمیانی درجے کا ایمان اور تقویٰ ہر اس چیز سے روکتا ہے جو ممنوع ہے اوراعلیٰ درجے کا ایمان اور تقویٰ نیک رویے کے قابل بناتا ہے۔ سالک کو ایک کے بعددوسرے درجے کی طرف ترقی کرائی جاتی ہے۔(6)

قصد رضا اور ثواب کا تعلق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ محض ثواب کے حصول کے لیے کوئی جدوجہد نہ کرے اس لیے کہ ثواب کا خیال اس کے لیے حجاب بن جائے گا اور اصل مقصود اس کی نظروں سے اوجھل ہوجائے گا۔ اس کے برعکس اس کو اللہ کی رضااور صرف رضا کی خاطر مجاہدہ کرنا چاہیے اس کا نتیجہ اللہ کی رضا مندی کے ساتھ ساتھ ثواب اوراعمال کے اچھے ثمرات کے حصول کی شکل میں نکلے گا۔ یعنی رضا کا ارادہ کرنے سے ہی ثواب اور دیگر ثمرات بلا ارادہ حاصل ہونے لگے ہیں اس لیے چاہیے کہ سالک ساری تگ و دو رضا کے لیے کرے۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا قول **وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا○** (النساء۔ 114) "اور جوکوئی اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایسا کرے گا۔ اسے ہم بڑا اجر عطا کریں گے" اشارہ کرتا ہے۔ گویا سالک کی اصلاح اور تعلیم کے پروگرام کے لیے ابتداء اس طرح سے کرنی پڑے گی (7)

سالک کی تعلیم: سالک کی تعلیم کے لیے کتاب و حکمت سے کام لینے کی ضرورت ہے اس پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول **وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** (البقرہ۔ نکرا۔151) "تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے" مگر اسی آیت کریمہ کا جملہ **وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ** (البقرۃ۔ 151) "اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے، جو تم نہ جانتے تھے" اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد تعلیم کی ایک اور قسم بھی ہے اور وہ صحبت پر موقوف ہے گویا صحبت شیخ کی طرف یہ جملہ اشارہ کرتا ہے (8)۔

(6)مسائل السلوک، ص 255
(7)مسائل السلوک، ص 205
(8)مسائل السلوک، ص 48

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ" جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے" (آل عمران۔ 164) کی اشاری تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی اور صاحب مسائل السلوک دونوں فرماتے ہیں کہ تلاوت سے مراد توحید و نبوت کی آیات کو پہنچا دینا ہے اور تزکیہ سے مراد شرک سے پاک کرکے کلمہ طیبہ کے اجزاء توحید و رسالت پر جما دینا ہے۔ تعلیم کتاب الفاظ قرآن کی تعلیم کا نام ہے اور قرآنی اسرار و رموز سے واقفیت حکمت ہے مزید اشارات اس طرح کے ہیں کہ تلاوت تمہیداور آغاز کا نام ہے اس کے بعد تزکیہ کا نمبر آتا ہے جو سالک کو مومن بناتا ہے۔اس کے بعد تخلیہ یعنی بندے کو خداوند قدوس سے دور رکھنے والے تمام موانعات کا ترک کرنا آتا ہے اور آخر کار تخلیہ آتا ہے جس کا مفہوم ہے بندے کا صدیقین اور شہداء اور صلحاء کے لباس سے ملبوس ہونا۔ آخری دونوں مدارج حالات کے تقاضوں کے مطابق مقدم یا موخر کیے جاسکتے ہیں اور صوفیائے کرام میں تعلیم کے ہردو طریقوں کا رواج ہے (9)

بدحال سالکین کے انداز:

1۔حدود کو ضائع کرنا: روح المعانی کے حوالے سے بیان کیاگیا ہے کہ ایسے سالک اور صوفی جو باطل کلمات کو اپنی روز مرہ کی گفتگو میں استعمال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو قائم نہیں رکھتے بلکہ ضائع کرتے ہیں وہ بدحالی کا شکار ہیں اور ان کی بدحالی کا اظہار اس قول تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ **اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ (الی قولہ تعالیٰ) وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ** (التوبہ۔ 112) "اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے، اس کی بندگی بجا لانے والے، اس کی تعریف کے گن گانے والے، اس کی خاطر زمین میں گردش کرنے والے، اس کے آگے رکوع اور سجدے کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے والے اور بدی سے روکنے والے، اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے.......اور اے نبی ان مومنوں کو خوش خبری دے دو" زیر نظر آیت کریمہ میں اہل ایمان کی چند ضروری صفات کا ذکر ہے۔ یہ وہ حدود ہیں جن کا ایمان تقاضا کرتا ہے۔ کسی سالک کا ان حدود کی پرواہ نہ کرنا

(9)مسائل السلوک، ص 144

اور اس کے برعکس اپنے آپ کو کامل اور سالک تصور کرنا دراصل اس کی بدحالی کا اظہار ہے(10)۔

اللہ تعالیٰ کا قول **فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ** (النساء۔160) ”غرض ان یہودی بن جانے والوں کو اسی ظالمانہ رویہ کی بنا پر ہم نے بہت سی و پاک چیزیں ان پر حرام کردیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں۔“ان معنوں پر دلالت کرتا ہے کہ سالک کے گناہ اس کی قلبی واردات کے لیے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اس کا قلب زنگ آلود ہو جاتا ہے اور معرفت خداوندی کا نور اس پر پڑنا بند ہو جاتا ہے لہٰذا سالک کے لیے ضروری ہے کہ حدود کو ضائع کرنے سے باز رہے اور جھوٹے دعووں سے پرہیز کرے بزبان خویش اکملیت کا دعویٰ کچھ نفع نہ دے گا(11)۔

2۔ **اعیاد واعراس کا شوق:** اللہ تعالیٰ کا قول **وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا** (الانعام۔ 70) ”چھوڑو ان لوگوں کو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے۔“ دلالت کرتا ہے کہ دین سے مراد عادت ہے اورعادۃ نام ہے بار بار آنے والی عید کا اسی بات کو روح المعانی میں ابن عباسؓ کا قول بتایا گیا ہے گویا اشاری مفہوم یہ ہے کہ اعیاد پر لہو و لعب اپنانا مذموم حرکت ہے۔ صاحب مسائل السلوک اس آیت کے مفہوم میں موجودہ دور کے اعراس جن میں طرح طرح کے منکرات اور بدعات کا مظاہرہ ہوتا ہے شامل سمجھتے ہیں۔ کیونکہ کفار کی عیدوں کا نقشہ ان تہواروں میں دہرایا جاتا ہے اور ہمارے اس دور کے اکثر صوفیاء موٹا سا ڈنڈا ہاتھ میں لے کر گلے میں موٹے موٹے دانوں کی تسبیح ڈال کر ان عرسوں میں اپنے اللہ والے ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ رقاصوں اور بھانڈوں کے گانوں پر سر دھنتے ہیں اور اپنی مشیخیت اور بزرگی کا ڈنکا بجاتے ہیں(12)۔

اولیاء اللہ کے مزارات پر فسق و فجور اوربدعات کا مظاہرہ کرنا عام جگہوں پر کرنے سے

(10)مسائل السلوک، ص 418

(11)مسائل السلوک، ص 214

(12)مسائل السلوک، ص 284

زیادہ قبیح ہے اوران کے عرس کے مواقع پر تبلیغ وارشاد کی بجائے منکرات اوربدعات کا مظاہرہ اقبح ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا قول جس میں مہینوں کی تعداد اور حرام مہینوں کا ذکر ہے۔ اس میں ارشاد ہوتا ہے **فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ** ”لہٰذا ان چار مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔“ التوبہ۔ ٹکڑا آیت۔ 36) یعنی ظلم کسی مہینے میں بھی اچھا نہیں بلکہ قبیح ہے مگر حرام مہینوں میں ظلم کرنا اقبح ہے(13)۔

3۔ **شہوات دنیا کی دلدادگی:** نفسانی خواہشات اور دنیا کا لالچ و حرص بدحال سالکین کا شیوہ ہے اور انتہائی مذموم حرکت ہے اس بات پر اللہ تعالیٰ کا قول **اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ** (الفرقان۔ 43) ”کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہے“ دلالت کرتا ہے(14)

بدحال سالک جہالت کی بنا پر **اتباع ہوٰی** یعنی نفسانی خواہشات کا بندہ بنتا ہے اس بات کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے قول **بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ** (ٹکڑا الروم۔ 29) ”مگر یہ ظالم بے سمجھے بوجھے اپنے تخیلات کے پیچھے چل پڑے ہیں“ میں ملتا ہے (15)

حضرت داؤدؑ کو ہوائے نفسانی سے بچنے کی تاکید فرمائی اور اسی سے سالک کے لیے اس کا مذموم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کا قول ہے **وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** (ص ۔ 26) ”خواہش نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔“ بدحال سالک کو یہ روگ لگا ہوتا ہے جس کی مذمت کی گئی ہے(16)۔

(الجاثیہ۔23) میں نفسانی خواہشات کی پیروی کی مذمت کرنے کے بعد اس سالک کے

(13)مسائل السلوک، ص 397

(14)مسائل السلوک، ص 717

(15)مسائل السلوک، ص 797

(16)مسائل السلوک، ص 886

انتہائی قبیح اور گھناؤنے کردار کا ذکر کیا جو حق کے واضح ہونے کے بعد پھر خواہشات کا بندہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول **واضله الله علی علم** " اور اللہ نے علم کے باوجود اس کو گمراہی میں پھینک دیا۔"(17)

4۔ طریق قوم کو تماشا بنانا: طریق قوم سے مراد تصوف کے وہ انداز ہیں یا سلوک کے ایسے احکام ہیں۔ جن پر قوم سالکین عمل پیرا ہوتی ہے۔ کسی سالک کا طریق قوم کو مذاق اور کھیل بنالینا یعنی کبھی طریق قوم کو اپنا لینا اور کبھی مسترد کردینا کبھی اختیار کرنا اور کبھی ان سے اعراض کرنا اس کے لیے زہر قاتل ہے۔اس کو ذلیل اور خوار کردینے والا ہے اور آخر کار ایسے سالک سے نیکی اور اصلاح کی توفیق بھی سلب ہو جانے کا باعث ہوتا ہے۔اس بات پر اللہ تعالیٰ کا قول **اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا (الی قوله) وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا** ط (النساء ـ137) " رہے وہ لوگ جو ایمان لائے ' پھر کفر کیا ' پھر ایمان لائے ...... تو اللہ کبھی ان کو راہ راست نہ دکھائے گا" ولالت کرتا ہے۔ ایسا سالک جو سلوک کی پرواہ نہیں کرتا کبھی اس کے مطابق چلتا ہے اور کبھی رک جاتا ہے یا کسی اور راہ پر چل پڑتا ہے ناکام و نامراد ہوتا ہے (18)

سالک کے لیے ضروری ہے کہ مصلحت شرعیہ کو عرف کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دے جیسے عرف کا تقاضا تھا کہ اپنی لڑکیوں سے کسی دوسرے کو نکاح کرلینے کی دعوت نہ دی جائے ۔ مگر مہمانوں کی تکریم شرعی مصلحت تھی اس لیے ان کی عزت کو بچانے کے لیے عرف کے خلاف عمل کیا گیا۔اس کا اشارہ (سورہ ھود۔ 78) میں ہے۔ **قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ** " بھائیو ' یہ میری بیٹیاں موجود ہیں"(19)

5۔ ڈاڑھی منڈانا: ڈاڑھی منڈانے کو طریقہ قلندریہ کہنا اور سمجھنا بدحال سالکین کا شیوہ

(17) مسائل السلوک ' ص 964

(18) مسائل السلوک ' ص 207

(19) مسائل السلوک ' ص 465

ہے۔ یہ اشاری تفسیر ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی **وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ** ط (النساء۔ 119) "میں انہیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے جانوروں کے کان پھاڑیں گے"(20)

6۔ کمالات کے باطل دعوے کرنا: سالک کی بدحالی کی ایک علامت کمالات کے جھوٹے دعوے ہیں اللہ تعالیٰ کا قول **لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ** ج (آل عمران۔ 188)" تم ان لوگوں کو عذاب سے محفوظ نہ سمجھو جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کاموں کی تعریف انہیں حاصل ہو جو فی الواقع انہوں نے نہیں کیے ہیں۔" اس میں اشارہ ہے کہ اس دور کے ایسے تصوف کے مدعی جو اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں اور دوسروں کی زبانی اپنی تعریف سن کر خوش ہوتے ہیں۔ اور ان کی مجالس میں ان کے روبرو ان کے ایسے کمالات کے تذکرے ہوتے ہیں جن سے درحقیقت وہ کورے ہیں۔ قابل مذمت ہے (21)

اللہ تعالیٰ کے قول **اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا** (النساء۔36)" یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے" میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایسا سالک جو اپنی سلوک کی کوششوں پر فخرو غرور کرے اور اپنے احوال و مقامات کو فخریہ انداز میں بیان کرے وہ اللہ تعالیٰ کا دوست نہیں ہو سکتا (22)

سورۃ القصص کی آیت۔ 76 کے ٹکڑے **لَا تَفْرَحْ** (پھول نہ جا) سے اشارہ ملتا ہے کہ احوال و واردات کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس پر خوشی کا اظہار کرنا مذموم ہے۔ سالک بدحال ہو گا تو عنایات رب کو اپنی کوشش و کاوش کا نتیجہ سمجھے گا۔ اور اس کا ایسا باطل دعوے بجائے نفع کے اللہ کے ہاں اس کے لیے مصیبت کا باعث بن جائے گا(23)

(20) مسائل السلوک ' ص 201

(21) مسائل السلوک ' ص 153

(22) مسائل السلوک ' ص 175

(23) مسائل السلوک ' ص 773

7۔ کثرت مال و جاہ کو مقبولیت کی علامت گرداننا: بدحال سالکین مال و دولت کی فراوانی کو فلاح و کامرانی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی مقبولیت کی دلیل جانتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے اقوال اس سے برعکس اشارات دیتے ہیں جیسے سورہ بقرہ میں ہے کہ تم پر ابر کا سایہ اور من و سلویٰ کا نزول اور ہمارے دیئے ہوئے پاکیزہ رزق میں سے کھانے کی چیزیں وہ نعمتیں ہیں جو تم پر باوجود معاصی کے تمہیں دی جا رہی ہیں اور اللہ کا قول **كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ** (البقرۃ۔ 57) "بلکہ انہوں نے آپ اپنے ہی اوپر ظلم کیا" دلالت کرتا ہے کہ ایسے کثرت مال و جاہ کو اللہ کے ہاں مقبولیت کی دلیل جاننا ایک دھوکہ کے سوا کچھ نہیں اور بہت سے جاہل صوفی اس فریب کا شکار ہیں (24)

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ "اور جو نیکی یہ بھی کریں گے اس کی ناقدری نہ کی جائے گی "(سورۃ آل عمران۔ 115) اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ کے مقبولین کو جو مصیبت پیش آتی ہے۔ وہ شکل وصورت کے اعتبار سے تو مصیبت نظر آتی ہے۔ مگر درحقیقت وہ ایسی ہوتی نہیں۔ اللہ کے دوست کا مال ضائع ہوتا ہے تو اس کو اس کا اجر ملتا ہے (25)

(النساء۔ 139) **اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا** ط "کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں، حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔" طلب جاہ کو مذموم قرار دینے پر دلالت کرتا ہے (26)

سالک کو ہدایات:

1۔ اعمال سلوک کے اصول: سورہ العنکبوت کی آیت۔ 45، اعمال سلوک کی بنیادوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اجمالاً تلاوت، صلوٰۃ، ذکر اور مراقبہ کا ذکر کرتی ہے اور باقی

(24) مسائل السلوک، ص 18

(25) مسائل السلوک، ص 131

(26) مسائل السلوک، ص 207

اعمال ان بنیادوں کے تحت آتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔ **اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ** ط **اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ** ط **وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ** ط **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ** ۝ (العنکبوت۔ 45) "(اے نبی) تلاوت کرو اس کتاب کی جو تمہاری طرف وحی کے ذریعے سے بھیجی گئی ہے۔ اور نماز قائم کرو، یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑی چیز ہے اللہ جانتا ہے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو۔"(27)

2۔ الٰهيات اور نبوات کا معاملہ: سالک کو چاہیے کہ الہیات اور نبوات میں تخمین ورائے سے کلام کرنے سے اجتناب کرے، نیز اسے بیکار اور غلویانہ دعووں سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ ان ہدایات کی طرف دلالت اور اشارہ کرتی ہے آیت **وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ** ط (بنی اسرائیل۔ 36) "کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو" یعنی اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں وہم و گمان کی بجائے علم کی پیروی کرو۔" سالک کو چاہیے کہ اوہام پرستی سے بچے اور صرف ان چیزوں کو مانے جو خدا اور رسول کے دیئے ہوئے علم کی رو سے ثابت ہوں (28)

3۔ اغنیاء کی طرف توجہ کا معاملہ: سالک کو امیر لوگوں کی طرف میلان رکھنے سے اس صورت میں منع کیا گیا ہے جب کہ اس میلان کا سبب ان کا غنی ہونے کے سوا اور کچھ نہ ہو اور ان لوگوں سے نگاہ پھیرنے سے ممانعت کی گئی ہے جو اللہ کی رضا کی خاطر اسے پکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول **وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ** ج **تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** ج (الکہف۔ 28) "اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو۔"(29)

4۔ محجوبین غافلین اور سالک: سالک کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ سلوک کی راہ میں غفلت

(27) مسائل السلوک، ص 787

(28) مسائل السلوک، ص 569

(29) مسائل السلوک، ص 590

کا شکار ہونے والوں کی اطاعت وپیروی سے بچ کر رہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کی تواضع سے بھی گریز کرے کیونکہ تواضع درحقیقت اطاعت ہی کا ابتدائیہ ہوتی ہے۔ اس ہدایت پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ کا قول **وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا**○(الکہف۔ 28) "کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کرلی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔" صوفیاء' محجوب غافل اس شخص کو قرار دیتے ہیں جو حق کو چھوڑ دے اور اخلاقی حدود کو توڑ کر بگٹٹ چلے یعنی خدا کو بھول کر اپنے نفس کا بندہ بن جائے (30)

اللہ تعالیٰ کے قول **فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ** ط(التوبہ۔ 55)

"ان کے مال و دولت اوران کی کثرت اولاد کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھاؤ" میں اشارہ ہے کہ اہل ایمان کو اہل دنیا کے احوال وزینت کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھنا چاہیے۔ اور نہ ہی ان چیزوں پر للچانا چاہیے کیونکہ ان کی طرف دھیان کرنا آخرت کی طرف توجہ کرنے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں اس کو حجاب کہتے ہیں اوراسی آیت کے اگلے جملے میں کہا گیا ہے کہ محجوبین جن احوال کو راحت کے لیے جمع کرتے ہیں ان میں ان کو راحت نصیب نہیں ہوتی بلکہ صرف حفاظت کی مشقت اٹھانا پڑتی ہے اور بس۔۔۔**اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** "اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے سے ان کو دنیا کی زندگی میں بھی مبتلائے عذاب کرے" اس پر دلالت کرتا ہے۔(31)

5۔ پیر بھائی سے سلوک: سالک کو اپنے پیر بھائی سے بہتر سلوک کرنا لازمی ہے اسی پردلالت کرتا ہے اللہ کاقول **وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ** (ٹکڑا آیت۔ 36۔سورۃ النساء) گویایہ جملہ پیر بھائی کا حق بیان کررہا ہے۔ صاحب بالجنب پہلو کے ساتھی کو کہتے ہیں اور اس سے مراد ہم نشین دوست ایسا شخص جس سے کہیں کسی وقت آدمی کاساتھ ہوجائے۔

(30)مسائل السلوک' ص 590

(31)مسائل السلوک' ص 402

مثلاً بازار میں۔ دکان پر'سفر کے دوران اسی میں اشارہ ہے پیر بھائی صاحب کی طرف (32)

حضرت ابوہریرہؓ سے اسی حدیث میں جس میں سات شخصوں کاذکر ہے جن کو حق تعالیٰ قیامت میں عرش کا سایہ دیں گے ان میں سے دو کے بارے میں آنحضورؐ نے فرمایا کہ وہ شخص ہیں جنہیں محض اللہ کے لیے باہم محبت ہے۔ اس محبت کو لیے ہوئے وہ ملتے ہیں اور اسی کی ساتھ جدا ہوتے ہیں۔(بخاری و مسلم'داؤد' نسائی'ترمذی)

پیراور مرید میں تو ایسی محبت یقیناً موجود ہوتی ہے۔مگر یہ حدیث پیر بھائیوں کی محبت پر بھی دلالت کرتی ہے۔(التکشف ص 372'373)

6۔ غلطی تسلیم کرنا: سالک کو غلطی تسلیم کرنے میں عارنہ جاننا چاہئے اس کے بغیراس کی اصلاح نہ ہو سکے گی غلطی پر اصرار مزید غلطی ہوتا ہے اور اس طرح آدمی کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول **كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ** (النساء۔ 135) "انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ اس کی زد تمہاری ذات پر پڑے۔" اشاری تفسیر یہ ہے کہ سالک قبول حق اور غلطی کے اعتراف سے عار محسوس نہ کرے خواہ اسے اپنے سے کم درجے کے آدمی نے غلطی پر متنبہ کیا ہو۔ سالک کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ظاہر نظر رکھنے والے اور باطن سے کورے لوگوں کی طرح ضد نہ کرے اور بناوٹی مشائخ کا سا رویہ اختیار نہ کرے اس لیے کہ ان کی تحویلیں درحقیقت کبرو نخوت کی وجہ سے ہوتی ہیں اور غرور سالک کے لیے تباہ کن ہے۔(33)

7۔اہل اعراض کے پیچھے نہ پڑنا: اللہ تعالیٰ کا قول **يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ** (المائدہ۔ 41) "اے پیغمبر! تمہارے لیے باعث رنج نہ ہوں وہ لوگ جو کفر کی راہ میں بڑی تیز گامی دکھا رہے ہیں۔" اشارہ کرتا ہے کہ اہل طریق حق سے اعراض کرنے والوں کی پرواہ نہیں کیا کرتے۔ وہ ان کی بدحالی پر فکر مند نہیں ہوتے اور نہ

(32)مسائل السلوک' ص 175

(33)مسائل السلوک' ص 20

ہی ان کی اصلاح کے لیے ان کے پیچھے پڑتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ مشائخ کی اس عادت کی بنیاد بتاتی ہے[34]

8۔ **ذکر کے دوران دوسرے اشغال:** سالک کو ذکر کے دوران کسی اور شغل سے پرہیز کرنا لازمی ہے اگر کوئی شغل ذکر کے دوران پیش آجائے جس کی طرف متوجہ ہونا ناگزیر ہو تو سالک کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ جلداز جلد اس شغل کے تقاضے پورے کر دے اور یہ بھی کوشش کرے کہ اس کی ادائیگی میں اس کا دل ذکر سے غافل نہ ہونے پائے۔ اہل طریق ایسے ہی طریقے کو پسندیدہ قرار دیتے ہیں۔ اس انداز پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول **وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ** ○ (المائدہ۔ 55) "زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں "اور اہل اللہ کے طریق کی تصریح **فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ز** (المائدہ۔ 54) " اللہ بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہونگے اور اللہ ان کو محبوب ہو گا جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے۔" میں ہوتی ہے۔[35]

9۔ **صرف خدا پر نظرر کھنا:** سالک کے لیے لازمی ہے کہ وہ صرف اللہ رب العزت کی طرف دھیان رکھے اور ماسوا کی پرواہ نہ کرے۔ سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ** (التوبہ۔ 32)" لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ مگر اللہ اپنی روشنی کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں ہے۔" اس آیت سے اشاری مفہوم اخذ کیا گیا ہے کہ مخالفین کی زیادہ پرواہ نہ کی جائے اور ہرحال میں خدائے کارساز پر نظرر کھی جائے[36]

10 **ذوق محبت پیدا کرنا:** سالک کے لیے ضروری ہے کہ ذوق محبت پیدا کرے۔ جو سالک

(34) مسائل السلوک ' ص 236

(35) مسائل السلوک ' ص 243

(36) مسائل السلوک ' ص 395

اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اسے بعض مقامات حاصل ہو گئے ہیں باوجود اس کے کہ وہ ذوق محبت سے خالی ہوتا ہے وہ پہلے ہی امتحان میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اس پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول **وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ** ○ (التوبہ۔ 75) " ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے فضل سے ہم کو نوازا تو ہم خیرات کریں گے اور صالح بن کر رہیں گے۔" یعنی یہ ایسے لوگ تھے جن کا دامن ذوق محبت سے خالی تھا۔ دعویٰ بہت بڑا کر بیٹھے اور پھر پہلے ہی امتحان میں ناکام ہو گئے۔[37]

11۔ **معاصی اور ان کے اثرات:** سالک کو گناہوں سے بچنا چاہیے ورنہ گناہ سرزد ہو گا تو اس کا اثر ہونا لازمی امر ہے اور گناہ کا اثر قبیح اور ناپسندیدہ ہی ہوتا ہے اس پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا قول **وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ج (الی قولہ) ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ صلے** (الانعام۔ 146) " اور جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی ان پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے......اور یہ ہم نے ان کی سرکشی کی سزا ان کو دی تھی " اس آیت کریمہ سے اشاری مفہوم اخذ کیا گیا ہے کہ دنیوی نعمتوں سے گناہ کا سرزد ہونا محروم کردیتا ہے یعنی گناہ کے اثرات دنیوی نعمتوں سے محرومی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں[38]

12۔ **اوصاف پسندیدہ کی تلقین:** سالک میں پسندیدہ اوصاف کی تلقین پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول **وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا** ○ (طٰہٰ۔ 114) " اوردعا کرو کہ اے پرودگار مجھے مزید علم عطا کر" اس سے اشارہ ہوتا ہے' سلوک میں ترقی کی خواہش کی طرف یعنی آیت مذکورہ سلوک میں ترقی کی خواہش اور طلب کوپسندیدہ قرار دے رہی ہے[39]

(37) مسائل السلوک ' ص 408

(38) مسائل السلوک ' ص 305

(39) مسائل السلوک ' ص 631

(سورہ زمر۔ 29) دلالت کرتی ہے مومن خالص کی حالت پر کہ کوئی چیز اس کو اپنے مالک حقیقی سے غافل نہیں کر سکتی اللہ کا قول **وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ** ط " یعنی دوسرا شخص پورا کا پورا ایک ہی آقا کا غلام ہے " یعنی مومن خالص صرف ایک ہی رخ پر رہتا ہے۔ اپنے آقا کے سوا کسی دوسرے کا بندہ اور غلام بننے کے لیے تیار نہیں ہوتا حنیف ہوتا ہے (40)

13۔ **قوت یقین کی کوشش کرنا:** سالک کو قوت یقین کے لیے کوشاں رہنا لازمی ہے اگر وہ طمانیت قلب کے لیے کوئی سوال کرتا ہے تو اس پر بےیقین کا منکر ہونے کا الزام نہیں آتا اور نہ ہی یہ بات یقین کے منافی ہے۔ اس مضمون کی طرف اللہ تعالیٰ کا قول جو زکریاؑ کی دعا کی صورت میں ہے کہ **رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً** ط (آل عمران۔ 41) " عرض کیا مالک! پھر کوئی نشانی میرے لیے مقرر فرمائیے" دلالت کرتا ہے اور ایسے ہی قوت یقین کی کوشش کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ابراہیمؑ کی احیاء موتیٰ کی دعا کہ اے مالک مردوں کو زندہ کردینے کا منظر اور کرشمہ دکھا دیجئے (البقرۃ۔ 260) (41)

ان ہدایات کے ساتھ ساتھ سالک پر لازم ہے کہ بدحال سالکین کے جملہ حالات سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔ جن کا ذکر اسی فصل میں پہلے آچکا ہے۔

(40) مسائل السلوک، ص 898

(41) مسائل السلوک، ص 111

سالک کی تربیّت کا پروگرام

اول مرتبہ وفا: سالک کے لیے تربیت کے کئی مراتب ہیں ان میں سے سب سے پہلا زینہ ادائے کلمہ شہادت ہے۔ اس کی عملی شکل کا نام توحید افعال ہے۔ یعنی ہر کام صرف اس ایک ذات پاک کی مرضی کے مطابق اور اسی کی رضا کے لیے سرانجام دینا اور اس کے کسی فعل میں کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ بنانا۔ اس پہلے مرتبے کا اجر جان و مال کی حفاظت کی صورت میں ملتا ہے۔ گویا سالک کو زبانی طور پر کلمہ شہادت پر کاربند ہونا لازمی ہے اور اسے اس بات پر پختہ یقین رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کا ہاتھ روک نہیں سکتا اور نہ ہی اسے کسی دوسرے کی مدد کی حاجت ہے۔ یہ اشارہ سورہ بقرہ کی آیت **وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ** ج (البقرہ۔ 40) " میرے ساتھ تمہارا جو عہد تھا اسے تم پورا کرو تو میرا جو عہد تمہارے ساتھ تھا اسے میں پورا کروں۔" (1)

آخر مرتبہ وفا: سالک کے لیے وفا کا آخری مرتبہ " فنا" ہے جس کے مفہوم میں فنا سے بھی فنا ہونا شامل ہے یعنی سالک کو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے نور سے منور کردیا جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ وہ متوسط درجے میں اللہ کی صفات کی توحید کا' اور آخری مرتبے میں یعنی " فنافی اللہ " کے مقام پر توحید حق تعالیٰ کا تجربہ کرتا ہے۔ پھر اسے سوائے ایک باری تعالیٰ کے اور کچھ بھی نظر نہیں آتا حتیٰ کہ اس کی اپنی ذات بھی گم ہو جاتی ہے اور صرف خالق حقیقی کی ذات موجود رہتی ہے۔ اس طرح سالک کے لیے سلوک میں ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی وفا کے مدارج بھی ہیں۔ (سورہ بقرہ۔ 40) میں اس سے پہلے پیراگراف میں دی ہوئی آیت اس مفہوم پر بھی دلالت کرتی ہے (2)

1: مسائل السلوک، ص 15

2: مسائل السلوک، ص 15

سورۃ بقرۃ کی آیت **وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ** (البقرۃ۔ 179) " تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے " دلالت کرتی ہے کہ فنا کے بغیر بقا ممکن نہیں۔ اسی لیے جب قاتل تسلیم کر کے " فنا" کو اختیار کرے گا پھر اس آخروی زندگی میں باز پرس نہ ہوگی گویا اس کو وہاں "بقا" کا انعام مل جائے گا[3]۔

ترک شہوات اور روزہ: سالک کی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ اسے خواہش نفس کے چنگل سے نجات دلائی جائے۔ یہ کٹھن کام روزہ کی مدد سے کیا جاتا ہے۔ سالک کی نفسانی خواہشات گمراہی کو ترک کرنے اور شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہونے سے روکتی ہیں۔ اسے حرص مال اور جاہ وحشمت میں مبتلا رکھنا چاہتی ہیں جس کا نتیجہ کبرو نخوت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا کبر کی رکاوٹ کو نماز کی مدد سے اور شہوت کی برائی کو روزہ سے توڑا گیا۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا قول **وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ** (البقرہ۔ 45) " صبر اور نماز سے مدد لو" دلالت کرتا ہے[4]۔

مزیل کبر اور نماز: (البقرۃ۔ 45) مزیل کبر کا علاج نماز کے ذریعے بتاتی ہے جیسے ابھی اوپر کے پیرا میں بیان ہوا ہے۔

نماز (صلوٰۃ) کے مقبول ہونے کی شرط خشوع ہے۔ اگرچہ یہ نماز کے صحیح ہونے کی شرط نہیں ہے۔ اسی لیے نماز میں خشوع کا ہونا مطلوب ہے۔ صاحب روح المعانی اور صاحب مسائل السلوک کا اس بات سے اتفاق ہے کہ سورۃ المومنون کی آیت کریمہ **الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ** ۝ (المومنون۔ 2) " جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں" اس مفہوم پر دلالت کرتی ہے گویا معلوم ہوا کہ خشوع والی نماز ایسی نماز ہوگی جو کہ کبر کو زائل کرے گی ورنہ یہ بیماری زائل ہونے کی نہیں[5]۔

3۔ مسائل السلوک صفحہ نمبر 56

4: مسائل السلوک، ص 16

5: مسائل السلوک، ص 671

صحبت کی اہمیت: سالک کی تربیت اور تعلیم میں سب سے اہم کردار صحبت شیخ ادا کرتی ہے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ صحبت صالح ترا صالح کند (مولانا روم) اس مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ آیت **وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ** (البقرۃ۔ 151) " اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے، جو تم نہ جانتے تھے" البتہ اس میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ شیخ اس کو مانا جائے جس میں صحبت کے اچھے اثرات چھوڑنے کا امکان ہو[6]۔

برکت صحبت شیخ: جس طرح مجاہدہ کرنے اور ریاضت کرنے سے کسی کیفیت کا ورود ہوتا ہے اس طرح شیخ کی صحبت اور خطاب سے بھی ہو جاتا ہے مگر مؤخر الذکر اول الذکر کی طرح مستقل نہیں ہوتا اس کا اشارہ حضرت حنظلہؓ والی حدیث جس کو مسلم اور ترمذی نے روایت کیا سے ملتا ہے جس میں آپ خدمت مبارک سے علیحدہ ہو جانے کے بعد تعلقات اور گھریلو جھمیلوں میں مصروف ہو کر اپنے آپ پر منافق ہونے کا ذکر فرماتے ہیں۔ حالانکہ منافقت نہیں بلکہ نبیؐ کی خدمت سے دوری کا سبب ہے۔۔۔۔ (التکشف، ص 265)

مراقبہ اور تعلیم: سلوک کی اصلاح میں مراقبہ سے مراد ہے " برے کاموں سے دل کی حفاظت" بعض اس کو عبادت حق کا نام بھی دیتے ہیں۔ مراقبہ کی اصل کی طرف اشارہ ہے سورۃ البقرہ کی آیت کے ٹکڑے **لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ** ۝ (البقرۃ۔ 164) " جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں" میں مشہور مقولہ ہے کہ مصنوعات اپنے صانع کی الہیت کی دلیل ہوتی ہیں۔ گویا کسی صنعت پر غور و خوض کرنا اور اس پر تامل سے کام لینا مراقبہ کہلاتا ہے[7]۔

کسی مضمون یا حال کا دل میں اس طرح تصور رکھنا کہ اس تصور کی وجہ سے اس کے تقاضے پورے ہونے لگیں مراقبہ کہلاتا ہے۔ یہ اشارہ اس حدیث میں ہے جس میں عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور نے میرا کندھا پکڑا اور فرمایا کہ دنیا میں اس طرح رہو جس طرح

6: مسائل السلوک، ص 48

7: مسائل السلوک، ص 52

مسافر ۔(بخاری اور ترمذی) اور ترمذی نے یہ مزید فرمایا : **وعد نفسک من اھل القبور**" اپنے کو اہل قبور میں سے شمار کر " اس حدیث میں اپنے کو اہل قبور میں شمار کرنا دل کا عمل ہے جو تعلقات دنیویہ کو کم کردیتا ہے اور میت کی مانند شہوت ' غضب اور اخلاق ذمیمہ سے بچالیتا ہے۔(التکشف'ص 267)

ذات و صفات حق تعالیٰ' یا کسی مضمون خاص کی طرف مکمل تدبر سے متوجہ ہونا 'مراقبہ ہے (التکشف' ص 283) کسی مضمون کوزیادہ سوچنا اور اس کو پیش نظر رکھنا مراقبہ ہے (التکشف ص ۲۹۱) ۔**احفظ اللّٰہ** کا۔ جو مطلب ہے وہی حاصل ہے مراقبہ کا (بخاری از رزین بحوالہ التکشف ص 401) مراقبہ غورو فکر کا متقاضی ہے جس کے لیے تنہائی اور اندھیرے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ دل کی قوتوں کو مجتمع رکھا جاسکے اور تدبر کرنا آسان ہوا ور فکر اور حواس کو جمع رکھنے میں آسانی ہو۔ اسی لیے اہل خلوت تنہا کسی کم روشنی والی جگہ میں رہنا پسند کرتے ہیں اور پھر اپنے خیالات کو مجتمع رکھنے کے لیے آنکھیں بند کرلیتے ہیں اس طریقے کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔ سورۃ الکھف کی آیت **وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ** ط (الکھف۔ 17)" تم انہیں غار میں دیکھتے تو تمہیں یوں نظر آتا کہ سورج جب نکلتا ہے تو ان کے غار کو چھوڑ کر دائیں جانب چڑھ جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بچ کر بائیں جانب اتر جاتا ہے اور وہ ہیں کہ غار کی اندر ایک وسیع جگہ میں پڑے ہیں"[8]

سورۃ الحشر کی آیت کا جملہ **وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ** (الحشر۔ 18) " اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا کیا سامان کیا ہے "صریحا" مراقبہ کے ضروری ہونے کی

طرف اشارہ کرتا ہے ۔ آج (دنیا) جس طرح آچکی ہے اسی طرح کل (آخرت) کا آنا بھی حقیقت ہے ۔نیز یہ اندازہ لگانا بھی انسان کا کام ہے کہ وہ آج اپنے کل کے لیے کیا کر رہا ہے ۔ اس کی کوشش و کاوش اسے جنت اور جہنم 'کس طرف لے جا رہی ہے۔ اس پر

8:مسائل السلوک 'ص 586

گہری سوچ بچار کی ضرورت ہے اور یہی مراقبہ کامفہوم ہے اور اسی پر آیت مذکورہ دلالت کررہی ہے[9]

مجاہدہ کی اہمیت : مجاہدہ سے مراد ہے بدنی مشقت کے ذریعے نفس کو ہوا وہوس سے پاک کرنا' تاکہ اس رکاوٹ کو دور کرکے سالک حق کو پاسکے۔

مجاہدہ مطلوب چیز ہے مگر **غلو فی المجاہدہ** باطل اور مذموم ہے۔ اس پر دلالت کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا قول **كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا** ط **وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ** ط(البقرہ۔ 168) "زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو۔"[10]۔

مجاہدہ کی تعدیل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول **أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ** ط(البقرۃ۔ 187) " تمہارے لیے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کردیا گیا ہے"یعنی اس آیت کریمہ میں مجاہدہ کے درست طور پر کرنے کااشارہ دیا گیا ہے[11]۔

شیخ کے لیے لازم ہے کہ مجاہدہ کاحکم دیتے وقت طالب اور سالک کی استعداد کو ضرور ملحوظ رکھے یعنی کمزور طالب کو قوی مجاہدہ نہ بتایا جائے۔ اس پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ کا قول **وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ** (البقرۃ۔ 235) " تم پر مضائقہ نہیں کہ تم ظاہر کرو"[12]

مجاہدہ کی صورت میں طالب کے حال کی رعایت کا اشارہ **لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا** ط(البقرۃ۔ 286) " اللہ کسی تنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا "میں بھی ملتا ہے ۔[13]

ضعیف طالب کا مجاہدہ بھی ضعیف ہونا چاہیے اور قوی کا مجاہدہ قوی ' اس لیے کہ

9:مسائل السلوک 'ص 1054
10:مسائل السلوک 'ص 53
11:مسائل السلوک 'ص 59
12:مسائل السلوک 'ص 78
13:مسائل السلوک 'ص 99

ضعیف کو صرف ضعیف مجاہدہ ہی نفع دے گا۔ مگر قوی کو ضعیف مجاہدے کا نفع نہ ہوگا بلکہ اس کے لیے قوی مجاہدے کی ضرورت ہے۔ اس پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول **لَایَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ** (النساء۔ 95) " مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو لوگ کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں ۔ دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔"[14]

سالک کو باہمی معاملات میں طبعی امور کا غلام بننے سے روکنا ایک قسم کا مجاہدہ ہے۔ جیسے طبیعت چاہتی ہے کہ دشمنی کا جواب دشمنی سے دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ کا قول **وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا** (المائدہ ۔ 2) " تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم بھی ان کے مقابلے میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو " ایسے مجاہدے کا حکم دیتا ہے جو طبیعت کے خلاف ہو ۔ یعنی دشمنی کی خواہش کو روکا جائے اور ناروا زیادتی نہ کی جائے۔[15]

(سورہ الانفال۔ 66) میں شیخ کا فرض قرار دیا گیا ہے کہ ضعیف طالب کو قوی مجاہدہ نہ بتایا جائے۔[16] (آیت مذکورہ پہلے آچکی ہے)

مجاہدہ' مقصود تک پہنچنے کا ایک ضروری ذریعہ ہے خواہ خوشی سے اختیار کیا جائے یا اس پر عمل پیرا ہونے پر اضطرار محسوس ہو۔ بہرحال اس کے بغیر عادۃً مقصود حاصل نہیں ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ کا قول **اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ** ○ (العنکبوت۔ 2) " کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس آمنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے (کہ ہم ایمان لائے) اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔" یعنی مجاہدہ بہرحال کرنا پڑے گا اور آگے چل کر آیت۔6) اور ان کو آزمایا نہ جائے گا" یعنی مجاہدہ بہرحال کرنا پڑے گا اور آگے چل کر آیت۔ 6) میں فرمایا کہ جو شخص بھی مجاہدہ کرے گا اپنے بھلے کے لیے ہی

14: مسائل السلوک ' ص 194

15: مسائل السلوک ' ص 224

کرے گا ۔ لہٰذا سالک کو مجاہدہ کرنے کے بعد نہ غرور و تکبر میں مبتلا ہونا چاہیے اور نہ ہی اس کے بعد یہ حق سمجھنا چاہیے کہ اب مقصود ملنا اس کا حق ہے [17]

مجاہدہ کی اہمیت کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے قول **وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا** ط (العنکبوت۔ 69) " جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے " سے لگایا جا سکتا ہے ۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ مجاہدہ مشاہدہ کی چابی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے [18]۔

بخل کا علاج : بخل کئی خرابیوں کی جڑ ہوتا ہے ۔سالک کو اس کا علاج کرنا لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کا طریقہ ہے کہ وہ صرف اسی سے محبت کرتے ہیں اور اسی کی خاطر خرچ کرتے ہیں بلکہ اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بخل سے کام نہیں لیتے۔ اس پر دلالت کرتا ہے ۔اللہ کا قول **وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ** (البقرہ۔177) " اور اس کی محبت میں اپنا مال دے " بلکہ اہل اللہ کسی غیر اللہ سے محبت یا غیر اللہ کی محبت میں اس کے باوجود خرچ نہیں کرتے کہ انہیں اس میں ثواب ہوتا ہو'وہ اس حد تک اپنے مال اور محبت کو خالق حقیقی کے لیے مختص کردیتے ہیں [19]۔

بخل کے علاج پر اللہ تعالیٰ کا قول **اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ (الی قولہ تعالیٰ) وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا** ط (البقرۃ۔ 268'269)" شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے ....اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی ۔" دلالت کرتا ہے اور اس مقام پر بخل کا علاج بذریعہ علم بتایا گیا ہے مگر اس سے پہلی آیت

16: مسائل السلوک ' ص 381

17: مسائل السلوک ' ص 777

18: مسائل السلوک ' ص 92

19: مسائل السلوک ' ص 55

میں بخل کا علاج عمل سے بتایا گیا ہے۔(20)

جان اور محبوب حقیقی کا معاملہ: جان کو یعنی اپنی ہستی کو محبوب حقیقی کے لیے بذل کرنا قرب حق تعالیٰ پر موقوف ہے۔ انسان طبعاً" سب سے زیادہ محبت اپنی جان سے کرتا ہے ا س لیے قرب الٰہی کا حصول اس کے راہ خدا میں بذل کرنے سے ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا قول **لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ** ط (آل عمران۔ 92) " تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو " دلالت کرتا ہے' لہٰذا شیخ کامل کا فرض ہے کہ سالک کو ظاہری تشریع کی بجائے خالق حقیقی کی اصلی محبت سے روشناس کرائے۔ جس کے بعد اسے اپنی جان قرب الٰہی کے مقابلے میں ہیچ نظر آئے۔(21)

وہ پکی توبہ بھی کر چکا ہو (22)

تکمیل توبہ اور سالک: صاحب السلوک اس خیال کے حامی ہیں کہ مکمل طور پر تائب ہو جانے کے بعد سالک کو اپنے گناہ کی طرف دھیان نہ کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ گناہوں کا استحضار بندے اور خدا کے مابین حجاب ہوجاتا ہے۔ اسی مقام پر روح المعانی میں زجاج کی تفسیر نقل کی گئی ہے کہ شیطان نے ایک جہاد کے موقع پر انہیں گناہ یاد دلا دیئے۔ ان کو گوارا نہ ہوا کہ وہ ان گناہوں کی یاد کے ساتھ اپنے اللہ کے پاس جائیں لہٰذا وہ جہاد سے رک گئے اور پہلے گناہوں کو درست کرنے اور بعد میں جہاد کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس بات کی طرف اللہ کا قول **اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا** ج (آل عمران۔ 155) " ان کی اس لغزش کا سبب یہ تھا کہ ان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیئے تھے۔" صوفیاء اس کا اشاری مفہوم لیتے ہیں کہ ذنوب ظلمت کا باعث ہیں اور ظلمت شیطان کو کھل کھیلنے کا موقع دیتی ہے۔ اور شیطان کا ایک حربہ گناہ یاد کراتا ہے اگرچہ

20: مسائل السلوک' ص 92
21: مسائل السلوک' ص 125
22: مسائل السلوک' ص 142

اللہ تعالیٰ کے قول **وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ** ط (توبہ۔ 105) "اور ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم عمل کرو' اللہ اور اس کا رسول اور مومنین سب دیکھیں گے کہ تمہارا طرز عمل اب کیا رہتا ہے۔" میں حد توبہ کا بیان ہے۔ مسائل السلوک میں عطا سے روایت ہے کہ تائب پر صالحین کی اندرونی کیفیت ظاہر ہونے لگتی ہے اور مومن صالح ایسی رویت کی طاقت رکھتا ہے۔ اس طرح اس کو اپنی توبہ کے قبول ہونے کا علم ہو جاتا ہے۔(23)

تحلیہ اور تخلیہ: سالک کی تعلیم میں تحلیہ اور تخلیہ دونوں کو بہت اہمیت حاصل ہے کبھی تعلیم کا آغاز تخلیہ سے کیا جاتا ہے اور انتہا تحلیہ پر ہوتی ہے اور کبھی تحلیہ سے شروع کیا جاتا ہے اور تخلیہ پر اختتام کیا جاتا ہے اس طریقہ تعلیم و تربیت کی طرف اللہ تعالیٰ کا قول **وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** (آل عمران ٹکڑا آیت۔ 164) "تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے" اشارہ کرتا ہے۔ یہاں تخلیہ کو مقدم رکھا گیا ہے اور تحلیہ کو موخر کیا گیا ہے۔ جبکہ سورہ بقرہ میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔(24)

صاحب روح المعانی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے قول **وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ** لا (بنی اسرائیل۔82) " ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لیے تو شفا اور رحمت ہے " میں لفظ شفاء کو تخلیہ کی طرف اور رحمت کو تحلیہ کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔(25)

جہاد بالنفس: سالک کے لیے جہاد بالنفس کی تربیت بہت ضروری ہے۔ اسی پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا قول **يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا** تف (آل

23: مسائل السلوک' ص 416
24: مسائل السلوک' ص 144
25: مسائل السلوک' ص 577

عمران۔ 200) " اے لوگو جو ایمان لائے ہو ۔ صبر سے کام لو ' باطل پرستوں کے مقابلے میں پامردی دکھاؤ۔ حق کی خدمت کے لیے کمربستہ رہو۔" رباط کی تفسیر مرابطہ ثغر یعنی دانتوں سے مضبوط پکڑنے کے معنوں میں کی گئی ہے اور حدیث شریف میں رباط سے مراد اسباغ وضو اور نماز کے لیے انتظار سے کی گئی ہے۔ دونوں باتیں حق کی خدمت کے لیے ہروقت چوکس اور تیار رہنے کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور تیار رہنے والی چیز نفس انسانی ہے۔ گویا آیت اور حدیث دونوں اس جہاد کو لازمی قرار دے رہی ہیں۔ جس کو نفس کے ساتھ جہاد کہا جاتا ہے[26]

سکر کا اثر: سکر کا لغوی معنی مدہوشی ہے مگر صوفیاء کی اصطلاح میں ایک حالت کا نام ہے جس کے طاری ہونے کے بعد سالک کو ذکر کرنا' ترک کردینا چاہیے اور اگر سالک خود ترک نہ کرے گا تو خود بخود ذکر کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سکر سے عمل منقطع ہو جاتا ہے اور جب عمل ہی نہ رہا تو ترقی کیسے ممکن ہے اس طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول۔ **لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْامَا تَقُوْلُوْنَ** (النساء۔ 43) " جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ نماز اس وقت پڑھنی چاہیے جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو"میں معلوم ہوا کہ سالک کی تعلیم وتربیت میں یہ مرحلہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ شیخ کا فرض ہے کہ اس مقام سے سالک کو خیریت سے گزرنے کا طریقہ بتائے'کیونکہ یہ عشق و محبت کا آخری درجہ ہوتا ہے۔[27]

بہرحال حالت باطنی کا نام سکر نہیں ہے مگر بعض دفعہ سکر اور غیر سکر میں تمیز مشکل ہو جاتی ہے اور غیر سکر کی حالت کو بھی سکر کہہ دیا جاتا ہے۔ اس بات کی طرف اللہ تعالیٰ کے قول **وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَاهُمْ بِسُكٰرٰى** (الحج۔ 2) "اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے۔ حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے۔" تفصیلات تصوف کی اصطلاحات میں مذکور ہیں۔[28]

26:مسائل السلوک ' ص 156

27:مسائل السلوک ' ص 176

28:مسائل السلوک ' ص 652

وجد کا تجربہ: وجد ایک اجنبی اور پردیسی حالت کا نام ہے۔ جو غیر اختیاری طور پر طاری ہو جاتی ہے مگر یہ حالت محمودہ یعنی اچھی حالت۔ سالک کو تعلیم وتربیت میں اس قدر لطف آنا چاہیے کہ اس پر یہ حالت طاری ہو جائے۔ اس حالت پر اللہ تعالیٰ کا قول **تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ** ج (المائدہ۔ 83' ٹکڑا)

" تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں" صوفیاء اس آیت میں وجد کے اثبات کا اشارہ پاتے ہیں اور اس کو سالک کے لیے تعلیم وتربیت کے سلسلے میں لازمی قرار دیتے ہیں۔[29]

بسط و قبض کا معاملہ: صوفیا کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام **وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** ج (البقرۃ ٹکڑا۔ 216) " اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہواور وہی تمہارے لیے بہتر ہو۔" میں لفظ" شے " سے مراد قبض ہے۔ جو ایک اصطلاح ہے تصوف کی اصطلاحات میں اس پر روشنی ڈالی جا چکی ہے[30]

بسط و قبض کو دو قسموں' ایک عقلی اور دوسری طبعی میں تقسیم کرتے ہیں بسط و قبض اصلی' باب السلوک میں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کے مقابلے میں طبعی کی اتنی قسمیں ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام **فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ** ج(الانعام۔ 125) " پس (یہ حقیقت ہے کہ) جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔" میں عقلی بسط و قبض کی بعض اقسام کی طرف اشارہ ہے جن کی سلوک کے باب میں سالک کو حاجت ہوتی ہے ۔ اور ان کی تعلیم و تربیت شیخ کامل کی ذمہ داری ہے۔[31]

سورۃ الفرقان کی آیت ' **وَهُوَالَّذِىْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً** (الفرقان۔ 62)

29:مسائل السلوک ' ص 253

30:مسائل السلوک ' ص 68

31:مسائل السلوک ' ص 298

"وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا" دلالت کرتی ہے کہ قبض و بسط کا سلسلہ اس وجہ سے جاری رہتا ہے کہ تذکر و شکر جاری رہے۔ قبض تذکر کا مطالبہ کرتا ہے اور بسط شکر کا۔ اہل سلوک اس حکمت کو سمجھتے ہیں کہ وارد کے ساتھ ساتھ اس کا مطالبہ بھی تبدیل ہوتا رہتا ہے اور یہ یکے بعد دیگرے ہوتے رہتے ہیں۔ للذا سالک کو ہر دو حالتوں میں ہوشیار رہ کر کام کرتے رہنا چاہیے۔ (32)

بدعت کا رد: اللہ تعالیٰ کا قول **وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا (الی قولہ تعالی) قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ** ۝ (الانعام۔ 136 تا 140) "ان لوگوں نے اللہ کے لیے خود اسی کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہے ....یقیناً وہ بھٹک گئے اور ہرگز راہ راست پانے والوں میں سے نہ تھے" جس میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے اللہ اور ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے حصے مقرر کیے گئے ہیں۔ ان کی اولاد کے قتل کو جائز بنانے والے ان کے شریک ہیں۔ جو ان کے دین کو مشتبہ بناتے ہیں۔ کچھ جانوروں اور کھیتیوں کو سوائے ان کے یا ان کی اجازت کے کوئی نہیں کھا سکتا' کچھ پر سواری کو انھوں نے ناجائز قرار دے دیا ہے اور کچھ پر اللہ کا نام نہیں لیتے' جانوروں کے پیٹ کے بچوں کو انھوں نے اپنی مرضی سے مردوں اور عورتوں میں تقسیم کیا ہوا ہے' قتل اولاد کو خوش نما بنا ڈالا ہے اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو حرام کر لیا ہے۔

ان آیات میں ہمارے زمانے کی بدعات کا رد ہے۔ جن کی شکل و صورت مذکورہ بدعات سے بالکل مشابہ ہے اور بعض مدعیان مشیخیت بھی ان میں مبتلا ہیں۔ اس لیے سالک کو ایسی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے جس کی رو سے بدعات سے بچ جائے کیونکہ بدعت شرک کی طرح کی برائی ہے (33)

32: مسائل السلوک' ص 719

33: مسائل السلوک' ص 301

جذب من الحق: جذب سے مراد ہے۔ خداوند کریم کی مہربانی سے بندہ کا تقرب حال کرنا نیز حق کی طرف منازل طے کرنے میں بغیر کسی رنج و کوشش کے ہر چیز کا خداوند کریم کی طرف سے مہیا کر دیا جانا (34)

طریق اور سلوک میں اصل مدار اللہ کی طرف سے جذب ہے' اہل طریق اس بات پر متفق ہیں۔ اس پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا قول **وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ** ۝ (الاعراف۔ 120) "اور جادوگروں کا حال یہ ہوا کہ گویا کسی چیز نے اندر سے انھیں سجدے میں گرا دیا۔" یعنی اندر سے قرب خداوندی کے لیے خواہش پیدا کرنے کی سالک کو ضرورت ہے۔ اور ایسا جذب اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے اور اپنی محبت کو اللہ کے لیے خالص کرنے سے حاصل ہوتا ہے (35)

توریہ کا بیان: توریہ لغت میں خبر کی حقیقت کو چھپانے اور اس کے لیے الٹ کو ظاہر کردینے پر بولتے ہیں۔ صوفیاء اس عمل کو دینی مصلحت کے تحت جائز قرار دیتے ہیں۔ اسی سے طریق میں توریہ کے جواز کا اشارہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول **قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا** (الانبیاء۔ 62) "اس نے جواب دیا "بلکہ یہ سب کچھ ان کے اس سردار نے کیا ہے" اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ سالک کو اس کی تعلیم اور حکمت سیکھنا چاہیے اور بوقت ضرورت اس طریقہ ارشاد کو کام میں لانا چاہیے (36)

مبالغہ فی الورع کا معاملہ: اہل طریق ایسے امور کو ترک کر دیتے ہیں جن میں نہ ضرر ہوتا ہے اور نہ کوئی نفع ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک ایسے کاموں میں وقت ضائع ہوتا ہے۔ اہل

34: شرح گلشن راز' ص 254
اور لمع ص 368

35: مسائل السلوک' ص 340

36: مسائل السلوک' ص 644

طریق اس عمل کو مبالغہ فی الورع کہتے ہیں اور لغت الفقہا میں ورع کا معنی ہے **الابتعار عن الاثم والمعاصی** (PIETY) ہے۔ اس پر دلالت کرتا ہے (37)
اللہ تعالیٰ کا قول **وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ** لا" جو لغویات سے دور رہتے ہیں "(38)(المؤمنون - 3)

رہبانیت کی حقیقت: اللہ تعالیٰ کے قول **كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا** ط (المؤمنون۔ 51) "اے پیغمبرو، کھاؤ پاک چیزیں اور عمل کرو صالح" رہبانیت کو باطل قرار دیتا ہے۔ صوفیا اس سے اشارات اخذ کرتے ہیں کہ بعض غلط اور جاہل قسم کے صوفیاء کا رہبانیت میں مبتلا ہونا جائز نہیں۔ گویا سالک کی تربیت میں خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ حلال چیزوں کو ترک کرکے باطل کا پیرو کار نہ بنے۔ (39)

صحت کے لیے تفریحات: لعب کے معنی کھیل کود کے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں لعب حقیقی اور لعب صوری۔ اس کے بعد لعب حقیقی کی ایک قسم ایسی ہے جو مباح ہے اور جس سے طبیعت میں بشاشت آتی ہے۔ یہ قسم تحصیل علم اور تکمیل عمل کے لیے ضروری ہے، عبث اور بے فائدہ نہیں ہے۔ اس لیے صوفیاء ایسی تفریحات کی اجازت دیتے ہیں جن سے مرید میں بات کرنے کی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہوں یا عمل کرنے کی طرف رجحان ہوتا ہو۔ مگر وہ درحقیقت دشمن کے مقابلے میں لڑنے کے لیے قوت و طاقت پیدا کرنے کے لیے اختیار کی جاتی ہیں۔ جیسے دوڑ لگانا، اور تیر اندازی سیکھنا، تو یہ سالک کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔ اسی ساری بات پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول **اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ**

37: لغۃ الفقہاء / ادارہ، القرآن والعلوم اسلامیہ، اشرف منزل کراچی پاکستان، ص 501

38: مسائل السلوک، ص 671

39: مسائل السلوک، ص 677

وَيَلْعَبْ (یوسف۔ 12) "کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کچھ چر چگ لے گا۔ اور کھیل کود سے بھی دل بہلائے گا" ظاہر بات ہے کہ یعقوب نے جس کھیل کود کی اجازت دی ہوگی۔ وہ حقیقی ہوگا اور بے فائدہ قسم کا کھیل کود نہ ہوگا بلکہ اگر حقیقی ہو تو مباح اور جائز قسم کا ہوگا جو قوت کار بحال کرنے کے لیے ضروری ہو تاہم اول تو وہ صورت و شکل میں تو کھیل ہوگا مگر درحقیقت وہ ایک سنجیدہ کام ہوگا اور بامقصد تربیت ہوگی جس کی دشمن کے مقابلے میں انسان کو ضرورت ہوتی ہے (40)

تخلقوا باخلاق اللہ: تخلقوا باخلاق اللہ کی طرف اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ کے قول **وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ** (القلم۔ 4) "اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو"۔ میں حضرت عائشہؓ نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا تھا کہ **یرضی برضاہ ویسخط بسخطہ** یعنی آپ اللہ کی خوشی پر خوش اور ناراضگی پر ناراض ہوتے تھے۔ اسی سے اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر ادا آپ کو پسند تھی۔ صوفیا کا کہنا ہے کہ سوء اخلاق ایک جنون کا نام ہے اور کمال اخلاق دراصل فنا کا دوسرا نام ہے جس کے بعد انسان کی اپنی حیثیت اللہ تعالیٰ کی ہستی میں بالکل گم ہو جاتی ہے۔ اس کی مرضی اللہ کی مرضی کے تابع ہوجاتی ہے۔ تصوف میں سالک کی تربیت میں سب سے اہم مقصد یہی پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق پیدا کردیئے جائیں (41)

40: مسائل السلوک، ص 477

41: مسائل السلوک، ص 1085

عصارۃ التحقیق

تفسیر باطنی کا آغاز عہد رسالت مآب سے ہی ہو چکا تھا اور بعد میں صحابہؓ نے بھی اس سے کام تو لیا۔ مگر ظاہری معنوں کی اہمیت اور افادیت کو کچھ گزند نہ پہنچنے دی۔ اللہ تعالیٰ کے محکم احکامات (محکم آیات) پر عمل کو لازمی قرار دیئے رکھا اور متشابہات کو حتی الوسع بلا ضرورت نہیں چھیڑا گیا۔ چنانچہ عہد رسالت مآب اور عہد صحابہؓ کے جو تفسیری نمونے مشتے از خروارے کے طور پر پیش کئے گئے ہیں ان سے باطنی تفسیر کی حدود کا پورا نقشہ معلوم ہو جاتا ہے۔

بعد کے ادوار میں ظاہری تفسیر پر اشاری تفسیر نے تفوق حاصل کرنا شروع کر دیا۔ کچھ عرصے تک دونوں میں توازن برقرار رہا مگر پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب مفسرین صوفیاء نے ظاہری سے قطع تعلق کر لیا اور تفسیر باطنی اور اشاری کو ہی اصل تفسیر قرار دے دیا اور ستم یہ کیا کہ اشاری تفسیر کو صرف عجیب ہی نہیں غریب معنی بھی پہنائے جو عوام الناس کے علاوہ خواص کے لئے بھی چیستان تھے کیونکہ ان کا اللہ تعالیٰ کے قرآن مبین سے کوئی تعلق معلوم اور ظاہر نہ ہوتا تھا۔ پہلے باب کی تیسری فصل میں دیئے گئے اقتباسات جو اصل صوفیانہ تفاسیر کی کتابوں سے عکسی کاپی لے کر پیش کئے گئے ہیں اور جو اصل الفاظ کے ساتھ ساتھ ترجمے کی مدد سے واضح کئے گئے ہیں اس حقیقت کی گواہی فراہم کرتے ہیں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

مفسر بیان القرآن، اشرف علی تھانوی سے اللہ تعالیٰ نے یہ اہم کام لے لیا ہے کہ انہوں نے روح المعانی کے بہت ضخیم ذخیرے سے ضروری مگر اہم اور مفید مواد کو اخذ کیا اور اس کو مسائل السلوک کے نام سے اپنی تفسیر "بیان القرآن" کے نیچے حسب ضرورت درج کر دیا۔ آپ کی باطنی تفسیر کا اہم پہلو یہ ہے کہ مسائل السلوک کی مدد سے تصوف کے غلو اور افراط و تفریط کے مابین اعتدال کی راہ اختیار کی گئی ہے اور اشاری تفسیر کو دوبارہ قرن اولیٰ کی تفسیر کے تحت لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ابن عربی جیسے باطنی تفسیر کے مفسرین کے نقطہ نظر کی اصلاح کرتے ہوئے ظاہری معنوں کو نہ ماننا کفر صریح قرار دیا گیا ہے۔ البتہ یہ مانا گیا ہے کہ بعض آیات کے اشاری معنے بھی ہوتے تو ہیں مگر ان معنوں پر اصرار مناسب نہیں۔

توحید کا نقشہ کچھ اس طرح کا بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض علم ہی سے نہیں بلکہ بلا اتصال و اتحاد کے تمام مخلوقات کو محیط ہے۔ کوئی چیز اس کی اجازت اور مشیت کے بغیر ذرہ بھر جنبش نہیں کر سکتی۔ یہاں تک کہ ایک چھوٹا سا پتہ اس کے اذن کے بغیر ہل نہیں سکتا۔ اللہ کی ذات کسی خاص سمت میں مقید نہیں مگر ہر جگہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ذاتی حیثیت سے ہر چیز کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی عین ذات ہیں۔ مخلوق کی صفات اس کی ذات سے علیحدہ ہو سکتی ہے۔ جیسے آدمی سے بینائی کی صفت سلب ہو جائے، مگر خالق ارض و سما کی صفات اس سے علیحدہ نہیں کی جا سکتیں۔

اللہ تعالیٰ کا ادراک حواس کے ذریعے ممکن نہیں۔ آنکھ اس کی رویت کی حامل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کے تمام نام اس کے اپنے بتائے ہوئے ہیں۔ اپنی طرف سے اس کے لئے کوئی نام تجویز کرنا یا کسی نام کا کوئی معانی مقرر کر لینا مناسب نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کسی دوسرے جسم میں حلول کرنے کا عقیدہ باطل اور کافرانہ ہے۔ یہ ایسا اعتقادی ظلم ہے جس کا حقیقت سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ جاہل صوفیاء کا عقیدہ اتحاد بھی صریحاً گمراہی ہے۔ حق اور خلق میں اتحاد کا نظریہ قابل رد اور قابل مذمت ہے۔

خداوندِ قدوس کی ذات کی معرفت کہ وہ ذات کس چیز کی بنی ہوئی ہے؟ یا وہ ذات کیسی ہے؟ یا اس کی ماہیئت کیا ہے؟ ایسا جاہلانہ اور کافرانہ سوال ہے جس کا جواب ہی دنیا میں مناسب نہیں سمجھا گیا بلکہ اس کے جواب میں خالقِ ارض و سما کی صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت بالکنہ ناممکنات میں سے ہے اور ممتنع ہے مگر اس کے اوصاف اور افعال کی معرفت ممکن ہے۔

بندہ اپنی مرضی کو حق تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دینے کے بعد حق تعالیٰ کی معیت میں آ جاتا ہے اور اس وقت بندے کی اپنی مرضی ختم ہو جاتی ہے مگر اس حال میں بھی وہ اس قابل نہیں ہو جاتا کہ دوسروں کی حاجات اپنی مرضی سے پوری کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت سے یہ مطلب لینا باطل ترین نظریہ ہے۔ اس خیال کو کہ اللہ تعالیٰ چونکہ بہت جمیل ہیں اس لئے آپ نے اپنے جمال

کا مشاہدہ کرنے کو پسند فرمایا اور مختلف قسم کی مخلوقات کی صورت میں اپنے حسن و جمال کو ظاہر کیا اور پھر اس کا مشاہدہ کر کے خوش ہوئے۔ اس کو "وحدت الشہود" کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ صاحب مسائل السلوک نے اس نظریے کو رد کر دیا ہے۔ اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے محض شغل کے طور پر اگر مخلوق تخلیق کی ہے تو یہ محض "لہو" ہوگا اور یہ اللہ کو پسند نہیں۔ مگر خلق کے لئے دوسرے مصالحہ اور ضروریات کے لئے اگر اس نے اپنے اسماء اور صفات کو مشہود کیا ہے تو یہ ممکن ہے اور صوفیائے کرام اس کے قائل ہیں جیسے مردے کو زندہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کے کامل ہونے کے ثبوت کے طور پر مشہود کیا ہے اور یہ ایک بامقصد کام ہے۔

اکثر اہل تصوف کا اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنا اور تخمینے لگانا ایک تباہ کن بیماری ہے اور سخت ممنوع ہے۔ اس سے اعمال اکارت کئے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلق کی طرح کا رویہ صرف "ذکر" کی صورت میں جائز ہے۔ علاوہ ازیں کسی معاملے میں بھی حق کو خلق سے تشبیہ دینا جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی اس کی نوع اور اس کی ماہیت کی مثال کسی دوسری چیز سے دینا حرام ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی توضیح کے لئے کچھ قریب کا معنیٰ دینے والی مثال بیان کرنے میں مضائقہ نہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ماؤں کی طرح اپنے بندوں پر مہربان ہے، کہنا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ جیسے چاہے ظہور فرما سکتا ہے۔ مگر اس کی اطلاقی شان حال رہتی ہے۔ مثلاً دوسروں میں نظر آنے والی عزت اللہ تعالیٰ کی عزت کا مظہر ہے اور یہ ذات حق سے الگ ہو کر دوسروں میں نہیں آئی بلکہ یہ اس کی ہی صفت ہے جو دوسروں میں دکھائی دیتی ہے جیسے روشنی کا مظہر زمین ہے مگر یہ حقیقت میں سورج کی صفت ہے اور زمین کی صفت نہیں ہے یا جیسے اللہ کی نعمتیں مخلوق کے ہاتھوں ملتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

فریب خوردہ یا فریب دہندہ کے سوا کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں کہ دنیا میں رویت الٰہی ہو سکتی ہے۔ صاحب مسائل السلوک شب معراج کی رویت کو اس قاعدے سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

امام غزالیؒ سے اتفاق کرتے ہوئے صاحب مسائل السلوک نے وحدت الوجود کا یہ عقیدہ کہ حق تعالیٰ کی ذات اپنی ذات میں تو ظاہر ہے مگر ظہور پذیر صرف اس صورت میں ہوتی ہے جب کوئی دوسرا وجود اس کا مظہر بنتا ہے اور ہر وہ وجود جو ذاتِ حق کا مظہر ہوتا ہے وہ ہالک ہوتا ہے وہ معدوم بلکہ معدوم کی مانند ہوتا ہے یعنی وہ کوئی وجود ہی نہیں ہوتا نتیجے کے طور پر وہی ایک ہی ذات باقی رہی یہی "وحدۃ الوجود" ہے۔ آپ وحدت الوجود سے مراد "تمام الٰہوں کا اتحاد" کے نظریے کو مسترد کرتے ہیں۔

آپ نے توحید کے باب میں وحدت الوجود، وحدت الشہود، مظہریت، اتصال اور اتحاد جیسے دقیق نظریات کو آسان پیرائے میں بیان کر دیا ہے ان نظریات کے ساتھ جس قدر جاہلانہ تصورات تھے خواہ وہ فلسفے کی بدولت تھے یا تصوف کی بنا پر ان کو رد کر کے صحیح صورتِ حال بیان فرما دی ہے اور تصوف کو جاہل صوفیاء کے غلو سے پاک کر دیا ہے۔

توحید باری تعالیٰ کو سمجھنے کا ایک سلبی اور منفی پہلو بھی ہے۔ یعنی یہ کہ کیا کچھ توحید نہیں ہے یا شرک کیا ہے؟ مسائل السلوک میں جن باتوں کو شرک کہا گیا ہے ان میں ریا، اسباب پر بھروسہ کرنا، اسباب کی طرف نظر کرنا حق تعالیٰ کی نافرمانی اور مخلوق کی فرمانبرداری کرنا، اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اختیارات اور اعمال میں دوسروں کو شریک کرنا شامل ہیں۔ اسی طرح یہ گمان کرنا کہ کوئی ہستی اللہ سے اپنی بات منوانے کا اختیار رکھتی ہے بلکہ بعض تو غیر اللہ کی طرف محض التفات رکھنے کو بھی شرک کہتے ہیں۔ شرک کی ایک قسم غیر اللہ سے مدد طلب کرنا ہے۔ زندوں سے بھی اور مردوں سے بھی۔ اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کو اپنی کوشش و کاوش کا نتیجہ سمجھنا یا اس نعمت کے کسی دوسرے انسان کے ذریعے حصول کا قائل ہونا قابلِ مذمت ہے بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک اور کفر ہے۔

غیر اللہ کی محبت جب اللہ کی محبت سے اہم معلوم ہونے لگے تو شرک ہے اور غیر اللہ کی محبت اگر اللہ کی محبت کے تابع رہے تو شرک نہیں۔ بلکہ اس میں کوئی قباحت بھی نہیں۔ ہر قسم کی بدعت شرک کے زمرے میں آتی ہے۔ مثلاً کسی کے نام پر کچھ قربان کرنا یا کسی خاص مقام یا شخص

کے نام کوئی چیز لگا دینا۔ شرک کا ارتکاب تین قسم کی چیزوں کے ذریعے کیا جاتا ہے پہلی اصنام و تصاویر دوسری اشخاص وارواح یا معانی تیسری مشرکانہ عبادت کے لئے اعتقادات، مزید برآن غیر اللہ کا ذکر ندائیہ انداز میں کرنا بھی شرک ہے۔

غیر اللہ سے امیدیں وابستہ کرنا شرک کی طرح کی ایک چیز ہے کیونکہ اس طرح غیر اللہ کی ایک شان انسان کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے البتہ کسی کو ضرر دور کرنے والا قرار دینا صریح شرک ہے۔ گویا جہلا کا یہ نظریہ کہ خدا جس کو پکڑے چھڑا لے محمد (ﷺ) اور بالعکس مشرکانہ بات ہے۔

رسالت کے سلسلے کی سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ انبیاء اور رسل عبد (بندہ) ہوتے ہیں اور شرف وعزت کے مراتب میں سب سے اعلیٰ درجہ عبدیت ہی کا ہے۔

نبی کا حافظ ذاتِ باری تعالیٰ ہی ہے اور نبی کے علاوہ لوگوں کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے اس کے دل میں کوئی بات ڈال دے اور جب تک چاہے اس کے حافظے میں اس کو محفوظ رکھے غیر نبی کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہے۔ بعض ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جن میں انبیاء جیسی خوبیاں معلوم ہوتی ہیں ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ واقعی اللہ کے نبی یا رسول ہوں مگر غیر معلوم الحال ہوں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں حتمی رائے دیتے ہوئے سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ اہل اللہ کی عداوت اور مخالفت اللہ کی عداوت اور مخالفت ہے اور اس کی سزا نار ہے۔

تمام انبیاء پر ایمان لانا اور یہ تسلیم کرنا کہ سب معصوم عن الخطاء ہیں لازمی ہے مگر پیروی اپنے نبی کی جائے گی۔ اس کی شریعت پر عمل کیا جائے گا اور سابقہ انبیاء کی شریعتیں اگر اس سے مختلف ہوں گی تو مسترد کر دی جائیں گی۔ اسی پر شیخ کی حیثیت کو بھی قیاس کیا گیا ہے انبیاء سے خطائے اجتہادی کا صدور بھی ممکن ہے ۔ شیوخ کا مقام تو بعد میں آتا ہے۔ عصمت انبیاء کے باوجود تصور شیطانی کا امکان ہے۔ مگر یہ تصرف معصیت کی حد تک نہیں پہنچتا۔ قدرت مستقلہ اور علم محیط پر انبیاء کو قدرت حاصل نہ ہے۔ غیب کا علم نبی کو نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ بعض اوقات بعض

واقعات کو نبی ﷺ سے بھی مخفی فرما لیتے، شیخ کا مقام تو اس سے بدرجہا نیچے ہے۔ نبی کی ذات مختلف اوقات میں مختلف حالات اور مقامات پر فائز ہو سکتی ہے۔

بقول سعدی

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

کوئی نبی قبولیت دعا کے لئے اللہ تعالیٰ کو مجبور نہیں کر سکتا۔ نبی کو وسوسہ آ سکتا ہے اور نبی خوارق سے متاثر بھی ہو سکتا ہے اس کے باوجود اس کے باطنی کمال میں ضعف واقع نہیں ہوتا۔ انبیاء سے طبعی امور جدا نہیں ہو جاتے بلکہ عدل و توازن کے ساتھ موجود رہتے ہیں۔ نبی ہمیشہ شرفائے عرفی میں سے ہوتا ہے۔ اگرچہ ولایت کے لئے ایسی کوئی شرط نہیں۔ نبی کے ذمے سے تکالیف شرعیہ ساقط نہیں ہوتیں۔ اسے شریعت کے احکام پر پورے طور پر عمل پیرا رہنا ہوتا ہے۔ کسی غیر نبی یا شیخ کے لئے اعتقاد اباحت (شریعت کا پابند نہ ہونا) رکھنا صریحاً مردود خیال ہے۔ تکمیل اخلاق کے لئے نبی کو تائید الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ یہ کام محض قوت بشریہ سے کر لینا ممکن نہیں۔ نبی کو معشوق عرفی سمجھنا انتہائی قبیح حرکت ہے اور قابل مذمت خیال ہے۔ نبی کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے اور نبی کے اسوۂ حسنہ کو نظر انداز کر کے کوئی عمل بارگاہِ رب العزت میں قبولیت کا درجہ حاصل نہ کر سکے گا۔ نبی یا اس کے کسی حکم کا انکار کفر صریح ہے اور اس کی سزا خلود فی النار ہے۔ شیخ کامل کو اس کے بعد کے مدارج میں رکھنا ضروری ہے۔ اس رتبے سے بڑھانا غلو ہے اور باطل ہے۔

آخرت کے سلسلے کی سب سے بڑی نعمت یہ ہوگی کہ انسان اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے گا۔ یہ نعمت تمام اخروی نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی۔ حشر میں دیکھ لینے کے بعد لوگ جنت میں جانے سے گریز کریں گے کہ شاید وہاں رویت نہ ہو۔ جب ہونے کا پتہ چلے گا دوڑ پڑیں گے۔ آخرت کی نعمتوں کے حصول کے اہل بننے کے لئے دنیا میں شریعت کی موافقت اور پھر اس پر استقامت بہت ضروری ہے۔ اخروی زندگی دنیوی زندگی سے بہت اہم ہے۔ اسی کے ساتھ اس حیات طیبہ (محبوب کے ساتھ گزرنے والی زندگی) کا تصور ملحق ہے۔ آخرت میں ہر کسی کو اس کی

استعداد اور عمل دنیا کے مطابق ثمرات ملیں گے۔ اگرچہ عطا کرنے والا ایک ہی ہوگا۔ کافر کے لئے اس کا مال دینا اور آخرت دونوں میں مفید نہیں بلکہ اس کا مال ہلاک ہو جاتا ہے۔ البتہ ذمائم مرنے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں اور ان کی سزا ملتی رہتی ہے جنت کا حصول اور نار دوزخ سے بچنے کو کامیابی کا نام دیا گیا۔ اس لئے ان سے لاپرواہی کا دعویٰ کرنا باطل ہے۔ مغلوب الحال معذور ہے مگر دوسروں کو اس کی فکر لازم ہے۔

تمنائے موت کی عام حالات میں ممانعت ہے مگر اخروی سعادت کے حصول کے لئے اشتیاق کا اظہار کرنا درست ہے جیسے شہادت کی خواہش۔

جس کا عمل دنیا میں قابل لعنت قرار پایا تھا وہ تا ابد ایسا ہی رہے گا۔ اس کی سزا کہیں ختم نہ ہوگی۔

عالم آخرت کشفِ حقائق کا عالم ہے۔ اس میں حقائق متشکل کر کے دکھا دیئے جائیں گے۔ قیامت کے روز جمادات کلام کریں گے یعنی ان میں ایسی زندگی اور ادراک پیدا کر دیا جائے گا کہ ان کی بات سنائی دے گی اور سمجھ آئے گی۔ قیامت کے روز اعمال کا وزن کیا جائے گا گویا وزن جو جواہر میں سے ہے عرض بن جائے گا یہ سب کچھ اس سبحان ذات کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں جس نے کائنات کو خلق کیا ہے اور اس کا انتہائی پیچیدہ نظام اپنی مرضی سے چلا رہی ہے۔ دنیا میں تھوڑے بہت اختیارات جن کو حاصل تھے بوجہ خلیفہ ہونے کے وہ سب بھی واپس لے لئے جائیں گے اور مالک یوم الدین ہی ملک الیوم ہوگا۔ اخلاق اور اصولِ اخلاق کی تفہیم لازمی امر ہے اس کے بغیر اخلاقِ محمودہ اور اخلاق مذمومہ کو سمجھنا ناممکن ہے۔ اخلاق محمودہ کے تحت وہ سب ذرائع آجاتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھے تعلق سے بڑھ کر محبت پیدا ہوتی ہے ان میں تقویٰ، مجاہدہ، زہد، توکل، توبہ واستغفار، ذکر و شکر اور دیگر قسم کے اعمال صالح آجاتے ہیں جو اصلاح نفس کے لئے ضروری ہیں۔

اخلاقِ مذمومہ کا جاننا بھی راہِ راست پر چلنے کے لئے لازمی ہے۔ ایک برے کام کا دوسرے برے کام سے تعلق ہوتا ہے۔ معاصی اور معصیت کے اثرات پورے معاشرے کو

گندہ کر دیتے ہیں ان سب کبائر کی اصل اور جڑ خواہش نفس کی پیروی ہے۔ اس کی مختلف شکلیں مثلاً کبر، کینہ، غلوفی الزہد، عیب گیری، غیبت، شہوت رانی شکم پری وغیرہ کا ذکر اور پہچان لازمی ہے تا کہ راہ راست سے بھٹکنے کا امکان نہ رہے۔

مسائل السلوک میں اخلاق کی خوبیوں اور خامیوں کو الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ شاید ہی کوئی ضروری صفت رہ گئی ہوگی جس کا نفع یا نقصان پہنچنے کا احتمال ہو سکتا ہو۔ اخلاقِ محمودہ کے اچھا ہونے اور اخلاق مذمومہ کے برا اور قابل مذمت ہونے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے ان پر زیادہ بحث و تمحیص کی نہیں بلکہ محض ان کی نشاندہی کی ہی ضرورت ہے۔ صوفی اور شیخ کے بارے میں مسائل السلوک میں ایسا متوازن انداز اختیار کیا گیا ہے جس کی مدد سے غلو دور ہوا ہے اور ان کی حقیقی پوزیشن واضح ہوتی ہے۔ دونوں کے لئے مناسب حدود و قیود کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن سے تجاوز کرنے سے توازن بگڑ جاتا ہے اور خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بڑھتے بڑھتے شیخ کی پوزیشن خدا اور رسول کی بن جائے اور گھٹتے گھٹتے صوفی کا درجہ اس حد تک کم ہو جائے کہ وہ حق تعالیٰ کی بجائے شیخ کا بندہ معلوم ہونے لگے۔

شیخ کے ابتدائی درجے سے لے کر نبی کے آخری انسانی درجے تک بیس سے زیادہ مختلف مدارج پر فائز لوگوں کے بہت باریک فرق کے ساتھ مختلف نام تجویز کئے گئے ہیں جو اس درجے میں ان کی مخصوص کیفیات اور حیثیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے اکابر، اہل اسرار، صاحب ارشاد، اہل فنا، معصوم، مقبول، ولی اللہ وغیرہ۔ شیوخ و سالکین کے ان صفاتی ناموں کے ذریعے تصوف کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

ابو داؤد اور ترمذی کی حدیث "آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اور اسے دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کرتا ہے۔ شیخ کی تلاش کی ذمہ داری کا ذکر کرتی ہے۔ مسائل السلوک میں اس کا طریقہ بتایا گیا ہے اور شیخ کامل کی پہچان واضح کی گئی ہے۔

ایسے شخص کو شیخیت کے لئے نااہل قرار دیا گیا ہے جو گھڑ گھڑ کے جھوٹے خواب

بیان کرے۔ جھوٹے کشف والہام کے دعوے کرے۔ فنافی اللہ ہونے پر غرور کرے اور اپنے وہم وگمان کو اپنے بڑا شیخ ہونے کی دلیل بتائے۔

کامل شیخ کی علامت یہ ہے کہ وہ جھوٹے دعوے نہیں کرتا، اپنے مرید پر توجہ دیتا ہے۔ اہل ایمان کے دلوں میں اس کے لئے محبت کے جذبات ہوتے ہیں۔ اگر کوئی بدباطن اس سے بغض رکھے تو اس کا کچھ بگڑتا نہیں۔ وہ بدعتوں اور گندی رسموں سے دور رہتا ہے۔ اس کی بڑی پہچان اس کے قول اور عمل کی مطابقت ہے۔ شیخ کے لئے سب کچھ جاننے کا عقیدہ رکھنا باطل ہے۔ کوئی شیخ اس مقام پر فائز نہیں ہو سکتا جہاں پہنچ کر اس کے لئے شریعت کے احکام پر عمل کرنا ضروری نہ رہے بلکہ ایسا اعتقاد ملحدانہ ہے۔ مسائل السلوک میں اس کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ ننگے، ناچ جانے والے، گدڑی پوش، بنے کئے صوم وصلوۃ کے تارکین کی مشیخیت پر ضربِ کاری لگائی گئی ہے اور ان کی حقیقت کا پول کھول دیا گیا ہے۔

تصور شیخ کو غلو سے پاک کیا گیا ہے درست کہا گیا ہے کہ اللہ کی ذات کا شیخ کی صورت میں ہونا یا خداوند قدوس کا شیخ میں موجود ہونا باطل تصور ہے۔ یہ خیال کہ ہر حال میں شیخ کی طرف دھیان رہے یا ذرہ مدھم ہو تو پھر کوشش کر کے دھیان کو تازہ کر لیا جائے جاہلانہ تصور شیخ ہے۔ البتہ اس میں کوئی خرابی اور برائی نہیں اگر وہ دوسری پسندیدہ چیزوں کی طرح کبھی بلا قصد شیخ کا خیال آجائے۔ اس کی اجازت بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "میں گویا رسول اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔" صاحب مسائل السلوک نے پیر کی تصویر رکھنے کو حرام کہا ہے تاکہ شرک کی طرف پہلا قدم ہی نہ بڑھ سکے۔

ادب شیخ کے سلسلے میں آپ کا عقیدہ ہے کہ وہ غیر معصوم ہوتا ہے۔ اس کے خطا پر قادر نہ ہونے کا جہلاء کا عقیدہ باطل ہے۔ شیخ جب تک مایوس نہ ہو، مرید سے ترک کلام نہ کرے۔ مرید پر اگر کوئی بات منکشف ہو جائے تو اس کو اپنے شیخ کا فیض جانے اور اس کو بتا کر اس پر عمل کرے جسے وہ بتائے۔

مرید کے لئے لازم ہے کہ ہر شیخ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور بہتر اعتقاد رکھے۔ مگر پیروی صرف اپنے شیخ کی کرے۔ شیخ کی اتباع لازمی ہے۔ شیخ کا انتخاب محض کرامات کی شہرت پر کرنا درست نہیں۔ اس کے اعمال صالح کو دیکھنا ضروری ہے۔ شیخ کے حکم پر عمل کرنے کی آخری حد مسلم کی حدیث میں جس کو انسؓ نے بیان فرمایا ہے بیان ہوئی ہے جس میں حضرت علیؓ نے ایک شخص کو جو مقطوع الذکر تھا آنحضورؐ کے حکم کے باوجود قتل نہ کیا اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا "سامنے والا ایسی چیز کو دیکھ سکتا ہے جس کو دور والا نہیں دیکھ سکتا۔"

شیخ کا فرض ہے کہ وہ مرید سے سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کی منزلوں پر منزلیں طے کراتا جائے۔ مرید کا شیخ کی صحبت سے چلا جانا خواہ اجازت ہی سے ہو بہر حال اس کے لئے نقصان دہ ہے۔ شیخ کی ذات کے ساتھ ساتھ اس کے اہل خاندان سے بہتر سلوک کرنا لازمی ہے۔ مریدوں کو درجوں میں تقسیم کرانا یا کرنا مریدوں کا نہیں بلکہ شیخ کا اپنا کام ہے۔ شیخ کے نالائق بیٹوں یا رشتہ داروں کو شیخ کے ساتھ نسبت مفید نہ ہے۔ البتہ نیک اولاد میں دوسروں کی نسبت نیکی کی زیادہ مقدار موجود ہونے کا احتمال قوی ہے۔ حقیقت ہے کہ حضرت علیؓ کی وجاہت میں حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد کمی واقع ہو گئی (بخاری و مسلم) اس سے نسبت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ شیخ کامل کا حق ہے کہ اپنا سلسلہ قائم رکھنے کی خواہش رکھے اور اس کے لیے دعا کرے۔ شیخ کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ سب سے پہلے اوامر پر عمل کرائے اور بعد میں نہی پر شیخ کو چاہیے کہ مرید کو اس کی طاقت سے زیادہ سخت مجاہدہ نہ کرائے اور جو مرید قریب ہونا چاہتا ہو اس کو دور نہ بھگائے شیخ کو اصلاحی پروگرام پر عمل کرتے ہوئے اللہ پر توکل کرنا لازمی ہے۔ مگر سعی و کوشش کو کسی حال میں ترک کرنا مناسب نہیں شیخ کا فرض ہے کہ پورا طریق سالک کو بتا دے اور کچھ نہ چھپائے اور مرید کو کسی بات پر مجبور نہ کرے بلکہ حکمت اور دانش کو کام میں لا کر اس کی اصلاح کی کوشش کرے۔ شیخ کسی کو ہدایت دینے پر قادر نہیں۔ یہ صرف اللہ رب العزت کا کام ہے۔ شیخ مرید کو کسی دوسرے شیخ کی خدمت میں بھیج کر یا اس کو سزا دے کر اصلاح پر آمادہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔

شیخ کا فرض ہے کہ علوم معاملہ سب کو بتا دے۔ مگر علوم مکاشفہ صرف اہل لوگوں کو

پہنچائے۔ وسوسوں میں سالک کو تسلی دینا شیخ کا فرض ہے۔ شیخ کا خلیفہ بنانے کا حق تسلیم شدہ ہے مگر موجودہ دستار بندی جس کے ذریعے طالبین کی حق تلفی ہوتی ہے مذموم بتاتے ہیں۔ خلیفہ صرف وہ بنایا جاسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے لو لگانے والا نہ ہو اور وہ مریدوں کی تعلیم وتربیت کا کام کرنے کے اہل ہو شیخ سے قربت رکھنے والے لوگ اس کے زیادہ حق دار ہیں۔

شیخ کی دعا کا ہر حال میں قبول ہونا اہل غلو کا عقیدہ ہے۔ شیخ کو ہر معاملے کے لئے دعا نہ کرنا چاہیے۔ مفسد امور یا غیر واضح امور کے لئے دعا کی بھی ممانعت ہے۔

شیخ کے اختیار میں کسی کو راہِ راست پر لگانا نہیں صرف تبلیغ ہے۔ شیخ کا اختیار ہے جس غلطی سے چاہے صرف نظر کرے یا نہ کرے۔ سزا جہاں اور جس طرح چاہے دے۔ ایک عمل کرنے کا حکم دے اور اس سے کوئی دوسرا عمل مطلوب ہو۔ مسائل السلوک میں اللہ کی رضا کے لئے رہبانیت کو جائز رکھا گیا ہے اور کسی اور مقصد کے لئے ایسا کرنا مذموم حرکت ہے۔ شیخ کے اختیار میں نہ ہے کہ وہ مرید کو دینی یا دنیوی نفع پہنچا سکے جیسے مسلم اور ترمذی میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے چچا ابو طالب کو راہ راست پر نہ لا سکے۔

شیخ کی موت کو ناقابلِ تلافی نقصان کہنا اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی دلیل ہے۔ شیخ کی تعلیم میں غلو کرنا حرام ہے۔ شیخ کا تقدس کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔ کسی کو اپنے عمل یا علم پر مغرور نہ ہونا چاہیے۔ جاہل مریدوں سے نذرانے لینا اور کتمانِ حق اس غرض فاسدہ کے لئے کرنا کہ نفع فوت ہو جائے گا، مذموم حرکت ہے۔

خارق عادت کا عقیدہ تصوف میں افراط و تفریط اور غلو کا باعث بنا ہے۔ بعض نے خوارق کو شیخ کی مرضی کے تابع کر کے کائنات کی ہر چیز میں اس کے تصرف کا حق مان لیا ہے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ کے اختیارات تک کو اس میں دخیل کر دیا ہے یہ ایک انتہا ہے۔ اس کے برعکس ایک گروہ دوسری انتہا کی طرف گیا ہے۔ اس نے تصوف اور اس کی ہر چیز کو مسترد کر دیا ہے اور ان کے قول کے مطابق اللہ کے دین کو سب سے زیادہ ایسے ہی عقائد نے نقصان پہنچایا ہے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے انبیاء کے معجزات کا بھی انکار کر دیا ہے۔

مسائل السلوک میں خارق عادت ایسے واقعات اور امور کو کہا گیا ہے جو عادۃً پیش نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کی عظمت واضح کرنے کے لئے دکھاتا ہے۔ خوارق اللہ تعالیٰ کی مرضی سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ غیر اللہ کی کوشش و کاوش کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ جو اولیاء اللہ خوارق نہیں دکھا سکتے ان کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ نبی کا معجزہ برحق ہے۔ مگر غیر نبی کے کشف و کرامت پر پورا یقین کرنا سراسر باطل عقیدہ ہے۔ ہر نبی صاحبِ خوارق ہوتا ہے مگر ہر ولی ایسا نہیں ہوتا۔ کسی نبی کی طرح کسی ولی سے خوارق کا مطالبہ ناجائز ہے۔

ملائکہ کا غیر نبی سے ہم کلام ہونا ممکن ہے اور یہ خوارق میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام سب سے اہم خوارق ہے اور یہ انسانوں کی قوت اعتقاد پر خاص اثر رکھتا ہے۔ اللہ کے دوستوں کے ہاتھوں بعض دفعہ خوارق کا مظاہرہ ممکن ہے۔ کوئی ولی اللہ کشف پر قدرت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کشف عطا کرتا ہے۔ نبی کا خوارق کے مطابق عمل کرنا بالکل صحیح ہوتا ہے مگر کسی اور کو اس پر ہرگز عمل نہ کرنا چاہیے۔ مسائل السلوک میں ہے کہ فرشتہ اگرچہ غیر مرئی نوری مخلوق ہے پھر بھی خوارق کے طور پر انسان کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ نور قدیم آگ کی شکل میں اور ابلیس کسی انسان کی شکل میں متمثل ہو سکتا ہے۔ خوارق ظاہر نہ ہونا ہی بہتر ہے ورنہ جبر کی سزا کا سخت اندیشہ ہوتا ہے۔ خوارق ظاہر نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ ورنہ جرم کی سزا کا سخت اندیشہ ہوتا ہے۔ خوارق شرعی دلائل کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کے ذریعے ہدایت کی راہ معلوم نہیں ہوتی۔ ان پر پختہ یقین کرنا بالکل باطل عقیدہ ہے۔ اہل باطل کے خوارق کی حیثیت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ اہل حق ان سے متاثر ہو بھی جائیں تو ان کے کمال میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

اعمال قلب پر کوئی مطلع نہیں ہو سکتا یعنی علم غیب کا ایسا عقیدہ باطل ہے۔ غیر ضروری سوالات کرنا یا خوارق طلب کرنا مذموم حرکت ہے۔ تصوف کا مقصد سالک اور مرید کو ایسی تعلیم دینا اور اس کی اس طرح تربیت کرنا ہے کہ وہ سلوک کی صحیح راہ پر چل کر فلاح دارین حاصل کرے، اور اسے معرفتِ خداوندی کا بلند مرتبہ حاصل ہو جائے مگر یہ مقصد صرف پیر صاحب کی دامن گرفتگی یا محض نسب کی عظمت پر اترانے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بغیر نیک اعمال کے کسی

بزرگ کے تبرکات بھی بے کار ہیں اور قرابت بھی۔

فلاح کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ مرید کو اللہ کی حمد کرنا سکھایا جائے۔ حمد اور ذکر اس کا معمولِ زندگی بن جائے۔ پردے ہٹتے جائیں جمال کے بعد جلال تک پہنچے اور آخر کار وہ اپنی ذات کو اللہ کی ذات میں گم کردے یہ اس کی منزل کی انتہا ہو گی اور آگے وہ مقصد ہے جس کا حصول فلاح کا ضامن ہے۔

سالک کے ایمان اور تقویٰ کے مابین کئی مدارج ہیں جن سے گزر کر اس کا رویہ نیک ہو جاتا ہے پھر وہ محض ثواب کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اعمال سرانجام دیتا ہے اور بوا اجر پاتا ہے۔

سالک کی تعلیم ایک اہم ذمہ داری ہے۔ شیخ کی صحبت اس میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اللہ کی آیات، کتاب اور حکمت کی تعلیم کے بعد شرک سے سالک کا تزکیہ کرنے کے بعد اس کو توحید و رسالت پر جما دینا صحبت کی برکت سے ہونا چاہیے۔ اس کے نتیجے میں تخلیہ کی منزل سے گزر کر سالک تحلیہ کے درجے میں داخل ہو جاتا ہے اور صلحاء وغیرہ کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔

صاحبِ مسائل السلوک نے سالکین کے وہ انداز بتادیئے ہیں جو ان کو راہِ ہدایت پر آنے سے روکتے ہیں ان میں سے زیادہ نقصان دہ حدود کو ضائع کرنا ہے جس کا نتیجہ قلب پر زنگ کی شکل میں نکلتا ہے اور اس پر معرفتِ خداوندی کا نور نہیں پڑتا۔ دین کو کھیل تماشا منانا جس کا مظاہرہ اعیاد و اعراس کے مواقع پر ہوتا ہے منکرات اور بدعات ہی اس کی روح رواں ہوتی ہیں۔ دنیا کا لالچ اور نفسانی خواہشات کی غلامی بدحال سالکین کا شیوہ ہے یہ ایسی مذموم حرکت ہے جس کا خمیازہ گمراہی کی شکل میں بھگتنا پڑتا ہے۔ عرف کو شرعی مصلحتوں کے مقابلے میں اہم سمجھنا بھی بدحال سالکین کا شیوہ ہے۔ اسی طرح ڈاڑھی منڈانا قلندریہ طریقہ نہیں مذموم حرکت ہے۔ بدحال سالک کی تباہی اور ناکامی کی آخری حد یہ ہے کہ وہ اپنے کمالات کے جھوٹے دعوے کرنے لگے۔ اس کا یہ باطل دعویٰ اس کو سخت نقصان پہنچاتا ہے وہ اللہ کے خوف سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اپنی اصلاح اور فلاح کے راستے بند کرلیتا ہے پھر وہ کثرتِ مال و جاہ کو کامیابی کی کلید سمجھ لیتا ہے اور

اخلاق، ایمان اور تقویٰ اس کے لئے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

مسائل السلوک میں سالک کو ہدایت کی گئی ہے کہ سلوک کے چار اصولوں کو اپنائے۔ پہلا تلاوت، دوسرا صلوٰۃ، تیسرا ذکر اور چوتھا مراقبہ۔ سالک کو چاہیے کہ توحید و رسالت میں اپنی رائے سے کلام نہ کرے۔ غلو یانہ دعوے ترک کردے۔ وہم و گمان کی بجائے علم کی پیروی کرے۔ کسی کا محض غنی ہونا اس کی توجہ کا باعث نہ بنے۔ سالک کو سلوک کے معاملے میں غفلت برتنے والوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ان کی تواضع بھی اس کے لئے نقصان دہ ہے۔ اپنے پیر بھائی سے بہتر سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے اپنی اصلاح کی غرض سے سالک کو اپنی غلطی فوراً تسلیم کرلینا چاہیے بلکہ اعتراف میں اسے ذرا عار محسوس نہ ہونی چاہیے۔ گمراہی کے دلدادہ لوگوں کے لئے نہ پریشان ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ان کی اصلاح کی کوشش کی بلکہ ترکِ تعلق ضروری ہے تاکہ وقت ضائع نہ ہو۔ ذکر کے دوران دنیاداری کے کام کرنا ضروری ہیں مگر کام سے فارغ ہو کر بلکہ کام کرتے ہوئے بھی ذکر میں مشغول رہنے کی کوشش کرے۔ سالک کو صرف اللہ رب العزت کی طرف دھیان رکھنا چاہیے اور غیر اللہ کو درخورِ اعتنا نہ لائے۔ سالک کے لئے حقیقی ذوق محبت لازمی ہے۔ جھوٹے دعووں سے بات نہ بنے گی۔ سالک کو یاد رہنا چاہیے کہ گناہ اگر سرزد ہو گا تو اس کا ناپسندیدہ اثر بھی لازماً ہو گا۔ سالک کو حنیف ہونے کی ضرورت ہے۔ اپنے آقا کے سوا کسی دوسرے کی غلامی قبول نہ کرے۔ سالک کو اپنے اندر قوتِ یقین اور طمانیتِ قلب کا پورے طور پر اہتمام کرنا چاہیے۔ ان ہدایات پر عمل پیرا ہو کر سالک مذموم حرکات سے بچے گا اور محمود اخلاق کا مالک بنے گا۔

سالک کی تربیت کے پروگرام کا خلاصہ کلمۂ شہادت سے شروع ہوتا ہے اور فنا پر اس کا اختتام ہو جاتا ہے۔ اس راہ میں جو مشکلات پیش آتی ہیں تربیت کے ذریعے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ ابتدا ہی میں خواہشِ نفس روزہ اٹھاتی ہے اس کا علاج روزہ سے کیا جاتا ہے۔ کبھی، کبر کی بیماری سر اٹھاتی ہے اس کا علاج نماز ہے مگر ایسی نماز ہے جو خشوع والی ہو۔ شیخ کامل کی صحبت میں رہنا کئی تربیتی پروگراموں سے زیادہ اہم ہے۔ اس کا اندازہ مسلم اور ترمذی کی اس حدیث سے

ہوتا ہے۔ جس میں حنظلہؓ رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے دوری کی حالت کو منافقت کہتے ہیں۔

سالک کو صانع کی مصنوعات پر غور و فکر سکھایا جاتا ہے اس کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اس کے ذریعے انسان اپنی حقیقت اور اصلیّت کو پہچان جاتا ہے اور نیکی اور برائی میں فرق کرتا ہے۔ مجاہدہ بدنی مشقت کو کہتے ہیں۔ تصوف میں مجاہدہ کے ذریعے نفس کو ہوا و ہوس سے پاک کرنا مراد ہوتا ہے مگر اس میں غلو باطل اور مذموم ہے۔ مجاہدہ کے بغیر گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ سالک کو تربیت کے ذریعے عقل پر قابو پانا سکھانا بہت ضروری ہے۔ اللہ ہی سے محبت کرنا اور صرف اسی کی راہ میں خرچ کرنا اس کا علاج ہے۔ انسان کے نزدیک سب سے پیاری چیز اس کی جان ہے اور جان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل کر دینا قرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے شیخ کامل کو چاہیے سالک کی اس نقطہ نظر سے تربیت کرے۔

سالک کو چاہیے کہ کسی گناہ سے توبہ کر لینے کے بعد پھر اس گناہ کو یاد نہ کرے ورنہ وہ اس کے سلوک کی راہ میں رکاوٹ بنے گا۔ شیخ کامل تخلیہ اور تحلیہ میں سے جس کو سالک کے لئے ضروری سمجھے اس کی تکمیل پہلے کرائے۔ سالک کو جہاد بالنفس کی تربیت دینا اشد ضروری ہے اس کے لئے اسباغِ وضو اور نماز کے لئے لمبا انتظار کرا کر بھی تربیت کا کام کیا جا سکتا ہے۔

سالک پر بھی سکر (مدہوشی) کی حالت طاری ہوتی ہے۔ شیخ کو اپنی تربیت کے ذریعے سالک کو اس مقام سے گزارنا چاہیے کیونکہ سالک کی تربیت میں یہ مرحلہ بہت مشکل ہے۔ اس لئے کہ یہ عشق و محبت کا آخری درجہ ہوتا ہے۔ سالک کی تربیت ایسے ہونی چاہیے کہ اس کو اس میں لطف آ جائے۔ اسی طرح بسط و قبض کے حالات میں شیخ کو چوکنا رہ کر سالک کی نگرانی اور رہنمائی کا فرض سر انجام دینا چاہیے۔ کہیں انتہائی خوشی تکبر میں اور انتہائی ناخوشی مایوسی میں نہ بدلنے پائے اور سالک قبض سے ذکر کا دامن تھامے رکھے اور بسط پر شکر بکثرت کرے۔ سالک کو بدعات سے بچانا بھی بہت ضروری ہے اس لئے کہ بدعت شرک ہی تو ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی محبت کو خالص کرنے والے سالک کو ایسا جذب حاصل ہو جاتا ہے۔ جس میں اسے کوئی رنج و راحت پیش نہیں آتا۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود بخود ہو جاتی ہے۔ سالک کو تربیت کے ذریعے

توریہ پر عمل کرنا سکھانا چاہیے۔ دینی مصلحت کے تحت اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ اہل سلوک ایسے امور کو جن میں ضرر یا نفع نہیں ہوتے ترک کر دیتے ہیں اور ان کا نام مبالغہ فی الورع رکھتے ہیں۔ ایسے امور کو پہچاننے کے لئے تربیت کی ضرورت ہے۔ حلال چیزوں کو ترک کر کے باطل کی پیروی سے سالک کو بچانا ضروری ہے۔ سالک کو ایسی جسمانی ورزش کرانا بھی ضروری ہے۔ جس کے بغیر صحت بگڑ سکتی ہو۔ ایسی ورزشیں تحصیل علم اور تکمیل عمل دونوں کے لئے لازمی ہیں صرف یہ کہ اس میں اسلام کی مقرر کردہ حدود کا خیال رکھا جائے۔

سالک کی تربیت کا انتہائی مقام یہ ہے کہ وہ اللہ کی خوشی میں خوش ہوتا ہو اور اللہ کی ناراضگی پر ناراض ہوتا ہو۔ اللہ کی ہر ادا اسے پسند ہو اور دل و جان سے اس کا شکر گزار بن جائے۔ اپنی ہستی کو ہستی باری تعالیٰ میں گم کر دے اور اس میں اللہ کے اخلاق پیدا ہو جائیں۔

مسائل السلوک میں اسلام کی روح کی حقیقت اور اس کی ضروریات کا ذکر ہے۔ جہلاء کا ہر طرح کا غلو مسترد کر دیا ہے اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں جیسا سچا مسلمان بننے کے مختلف طریقے بتائے گئے ہیں۔ راقم ایسے ہی تصوف کو پکا مسلمان بننے کے لئے ضروری جانتا ہے۔ بیسویں صدی کے ایک عظیم مفکر رقم طراز ہیں۔ "تصوف نام ہے اصلاح نفس کا اور یہ چیز دین کی روح ہے۔ قرآن حکیم میں اسی چیز کو تزکیہ اور حکمت کہا گیا ہے اور حدیث میں احسان کا نام دیا گیا ہے۔ اب جو چیز قرآن اور حدیث سے ثابت ہو اس کی مخالفت مسلمان کیسے کر سکتا ہے۔ البتہ ایسے تصوف کے ہم ہرگز قائل نہیں ہیں۔ جس کا شریعت اسلام سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ایسے تصوف کی خود صوفیائے اسلام نے مخالفت کی ہے۔ دراصل اخلاص نیّت اور پوری محبت کے ساتھ اسوۂ حسنہ کی پیروی کا نام ہی تصوف ہے"۔ (1)

فقہ اور تصوف کے تقابل میں آپ فرماتے ہیں " فقہ کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ تمہارے دل کا کیا حال تھا۔ دل کے حال سے جو چیز بحث کرتی ہے اس کا نام تصوف ہے ۔"(2) آگے چل کر آپ ایک مثال دے کر فرماتے ہیں "اسلام میں بھی پسندیدہ زندگی وہی ہے جس میں شریعت کے احکام کی پابندی ظاہر کے اعتبار سے بھی۔ صحیح ہو اور باطن کے اعتبار سے بھی جس شخص

کی ظاہری اطاعت درست ہے مگر باطن میں اطاعت کی روح نہیں ہے اس کے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آدمی خوبصورت ہو مگر مردہ ہو اور جس شخص کے عمل میں تمام باطنی خوبیاں موجود ہوں مگر ظاہری اطاعت درست نہ ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بہت شریف اور نیک ہو مگر بد صورت اور اپاہج ہو"(3)

1۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، بہ حوالہ روزنامہ جسارت کراچی، سید مودودی نمبر، ص ۱۰۶
2۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، دینیات، ص ۱۴۶، ادارہ ترجمان القرآن لاہور (س۔ن)
3۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، دینیات، ص ۱۴۸ ادارہ ترجمان القرآن لاہور

تصوف کے بارے میں اپنے آخری فقرات میں آپ رقم طراز ہیں "کوئی ایسا شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پیروی نہ کرتا ہو اور آپ کے مقرر کئے ہوئے طریقے کا پابند نہ ہو، مسلمان صوفی کہلائے جانے کا مستحق ہی نہیں ہے۔ تصوف تو در حقیقت خدا اور رسول کی سچی محبت بلکہ عشق کا نام ہے اور عشق کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کے احکام اور اس کے رسول کی پیروی سے بال برابر بھی انحراف نہ کیا جائے۔ پس اسلامی تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔"(1)

مسائل السلوک میں سالک کو اسی قسم کے تصوف پر عمل پیرا ہونے کے قابل بنانے کے عملی طریقے سکھائے گئے ہیں۔

1۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، دینیات ص ۱۴۹، ادارہ ترجمان القرآن لاہور (س۔ن)

مراجع و مصادر

تفسیر

1- آلوسی، ابوالفضل شہاب الدین سید محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم وسبع المثانی، دار الفکر، بیروت (لبنان) 1987ء
2۔ تستری، ابو محمد سہل بن عبداللہ، تفسیر القرآن العظیم، بولاق الاتراث، مصر 1908ء
3۔ تھانوی، محمد اشرف علی، بیان القرآن، (س۔ن)
4۔ رازی، امام الفخر، التفسیر الکبیر، طبع سوم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (س۔ن)
5۔ روزبہان، ابو محمد، عرائس البیان، منشی نولکشور، ہند، 1315ء
6۔ الزمخشری، محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، چہار جلد، بیروت، (لبنان)، (س۔ن)
7۔ سلمی، ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین، حقائق التفسیر (مخطوطہ) مصر بحوالہ التفسیر والمفسرون
8۔ قاشانی، عبدالرزاق، تفسیر ابن عربی، امیریہ، 1283ھ
9۔ ملیح آبادی، سید امیر علی، مواہب الرحمٰن، طبع اوّل، شاہ عالم مارکیٹ لاہور 1978ء
10۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور طبع 16، چھ جلد جون 1979ء

حدیث

11 ۔ ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید بن عبد اللہ، سنن ابن ماجہ، طبع اوّل، بیروت (لبنان) 1986ء
12۔ ابو حاتم، محمد بن حبان، صحیح ابن حبان، طبع اوّل، بیروت (لبنان) 1988ء

طبع دوم، دارالفکر، بیروت (لبنان) 1983ء

13۔ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد، بیروت (لبنان) 1986ء

14۔ابوعبداللہ مالک بن انس، موطا، بیروت (لبنان) 1986ء

15۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل، صحیح بخاری، دارابن کثیر دمشق 1990ء

16۔ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، سنن ترمذی (الجامع الصحیح)

17۔مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، امیریہ، 1325ھ

18۔نسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب، سنن نسائی، بیروت (لبنان) 1987ء

معارف

19۔دانش گاہ پنجاب، لاہور، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی پریس 1980ء

20۔ شنطناوی، احمد، حاشیہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، لجنۃ الترجمہ، مصر 1933ء

اصطلاحات تصوف ومتفرق:

21۔ابن تیمیہ منہاج السنۃ، طبع اوّل، امیریہ، مصر، 1322ھ

22۔ابن عربی، شیخ محی الدین محمد بن علی المعروف بہ شیخ اکبر، اصطلاحات صوفیہ (تعریفات) مصر، 1306ھ

23۔ابن عربی، ابوبکر محی الدین محمد بن علی، الفتوحات المکیہ، دارالکتب العربیہ 1329ھ

24۔ابوزید، عبدالرحمٰن محمد بن خلدون، شفاء السائل، بیروت 1959ء

25۔تھانوی، محمد اشرف علی، التکشف، مظہری گلشن اقبال کراچی، پاکستان (س۔ن)

26۔التھانوی، محمد بن اعلیٰ بن علی، کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، دو جلد، ہند، 1862ء

27۔ جامی، عبدالرحمٰن بن احمد، نفحات الانس با مقدمہ مہدی توحیدی پور تہران، 1337ء

28۔ جرجانی، میر سید شریف علی بن محمد، تعریفات (اصطلاحات صوفیہ در فتوحات مکیہ محی الدین بن عربی) مصر 1306ھ

29۔ چلپی ملا کاتب، کشف الظنون، الفصیلیہ استنبول (ترکی) 1941ء

30۔ حلمی محمد رجب علی، البرہان الازہری فی مناقب شیخ اکبر، قاہرہ 1326ھ

31۔دریابادی، عبدالماجد، حکیم الامت، اعظم گڑھ، ہند 1321ھ

32۔الذہبی، محمد حسین، التفسیر والمفسرون، طبع سوم، وھبۃ عابدین مصر، 1985ء

33۔رازی، امین احمد، ہفت اقلیم، کلکتہ، ہند 1385ھ

34۔السبکی، تاج الدین عبدالوہاب، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، الحسینیۃ مصر۔(س۔ن)

35۔السبکی، تاج الدین عبد الوہاب، طبقات الشافعیۃ، طبع دوم، دارالمعرفۃ، بیروت (لبنان)، (س۔ن)

36۔سجادی، سید جعفر، فرہنگ مصطلحات عرفاء، چاپ خانہ مصطفوی، تہران، 1339ھ

37۔سہروردی، شہاب الدین عمر بن محمد، مصباح الھدایہ ومفتاح الکفایہ، شارح عز الدین محمود بن علی الکاشانی، تہران 1325ھ

38۔سہروردی، شہاب الدین عمر بن محمد، مصباح الھدایہ ومفتاح الکفایہ، شارح عزیز الدین محمود بن علی الکاشانی، ہند 1391ھ

39۔سہروردی، شیخ شہاب الدین، عوارف المعارف، تہران (ایران) 1985ء

40۔سیوطی، جلال الدین، طبقات المفسرین، لنڈن، 1839ء

41۔شاطبی، ابواسحاق، الموافقات فی اصول الشریعۃ، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر 1970ء

42۔شمس مغربی، شیخ محمد، دیوان شمس مغربی، چاپ سنگی تہران 1287ھ

43۔شیرازی، محمد معصوم شاہ، طرائق الحقائق، تین جلد، کتاب خانہ بارانی، تہران، 1339ھ

44۔شیروانی، حاجی زین العابدین، ریاض السیاحۃ، مہارت، تہران 1339ھ

45۔طوسی، ابونصر سراج، کتاب اللمع فی التصوف، لندن، 1914ء

46۔طوسی، ابونصر سراج، کتاب اللمع فی التصوف، ترجمہ اردو ڈاکٹر محمد حسن، طبع اوّل، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 1986ء

47۔ عارفی، ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ، مآثر حکیم الامت، ادارہ اسلامیات لاہور، 1986ء

48۔ عربی، محی الدین، شرح فصوص (شرح قیصری)، شارح داؤد قیصری، تہران، 1299ھ

49۔ عریانی، باباطاہر، شرح کلمات، شارح سلطان محمد بن حیدر جنابذی، تہران 1333ھ

50۔ غزالی، ابوحامد محمد، احیاء علوم الدین، نشر الثقافۃ الاسلامیہ 1356ھ

51۔ غزالی، ابوحامد، ترجمہ احیاء علوم الدین ترجمان مؤید الدین محمد خوارزمی، تہران، (ایران)

1351ھ

52۔ غنی، قاسم، بحث در آثار وافکار واحوال حافظ (تاریخ تصوف در اسلام) زوّار، تہران، 1340ھ

53۔ فیض، ملا محسن، کلماتِ مکنونہ، تہران (ایران) 1316ھ

54۔ قراوغلی الترکی، شمس الدین ابومظفر یوسف، مرآۃ الزمان فی تاریخ الاعیان، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن، ہند، 1951ء

55۔ قونوی، محمد بن اسحاق، مصباح الانس، تہران، 1323ھ

56۔ قونوی، محمد بن اسحاق، مفتاح الانس، شارح محمد بن حمزہ بن عثمان، تہران، 1323ھ

57۔ کاشانی، کمال الدین عبدالرزاق، اصطلاحات صوفیہ، تہران 1315ھ

58۔ کاشانی، عبدالرزاق، اصطلاحات صوفیہ در حاشیہ شرح منازل السائرین، تہران، 1315ھ

59۔ کاشانی، بابا افضل، رباعیات، سعید نفیسی، تہران 1311ھ

60۔ الکتبی، محمد بن شاکر، فوات الوفیات، امیریہ (مصر) 1283ھ

61۔ الکلاباذی، ابواسحاق محمد بن ابراہیم یعقوب، شرح تعرف، شارح ابوابراہیم چہار جلد، ہند 1912ء

62۔ الکلاباذی، ابوابراھیم اسماعیل بن محمد مستملی، شرح تعرف، طبع اول، صنوبر، (تہران)

1366ھ۔

63۔ لاھیجی، شیخ محمد، مفاتیح الاعجاز فی شرح گلشن راز، کتاب فروشی محمودی، تہران، 1237ھ

64۔ مست الانصاری، ابواسمٰعیل عبداللہ بن ابومنصور، شرح منازل السائرین، شارح حسن بن محمد، مصر 1953ء

65۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، دینیات، ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور (س۔ن)

66۔ میہنی، محمد بن منور بن ابی سعد بن ابی طاہر بن ابی سعید، اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید، طبع دوم، سپہر تہران 1328ھ

67۔ ندوی، محمد سلیمان، حکیم الامت کے آثار علمیہ (رسالہ معارف) اعظم گڑھ ہند 1944ء

68۔ نگری، قاضی عبدالنبی احمد، دستور العلماء، حیدرآباد دکن، ہند 1331ھ

69۔ ولی، سید نورالدین شاہ نعمت اللہ، اصطلاحات صوفیہ، بمبئی، ہند، 1312ھ

70۔ ہجویری، ابوالحسن سید علی بن عثمان، کشف المحجوب، تہران 1327ھ

71۔ ہجویری، ابوالحسن سید علی بن عثمان، کشف المحجوب، لینن گراڈ، 1304ھ (عکسی کاپی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد لائبریری)

72۔ ہجویری، ابوالحسن سید علی بن عثمان، کشف المحجوب (ترجمہ اردو عبدالرؤف فاروقی) طبع اوّل، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، (س۔ن)

73۔ ہجویری، ابوالحسن سید علی بن عثمان، کشف المحجوب، نوائے وقت پرنٹرز، لاہور، کل صفحات (481)

74۔ ہدایت، رضا قلی خان، تذکرۃ المحققین (ریاض العارفین) طبع دوم، تہران 1316ھ

لغت

75۔ ابن منظور، لسان العرب، داراحیاء التراث العربی، بیروت (لبنان) 1988ء

76۔ ڈسکوی، محمد فیروزالدین، عربی لغات فیروزی، فیروز سنز، لاہور 1934ء

77۔ الراغب اصفہانی، ابوالقاسم الحسین بن محمد بن المفضل، المفردات فی غریب القرآن، طبع اوّل، مطبعۃ المیمنیہ مصر 1324ھ

78۔ لوئیس مالوف، المنجد فی اللغۃ، طبع دوم، بیروت، 1973ء

79۔ روزنامہ جسارت کراچی، سید مودودی نمبر، مشرق پریس محمد بن قاسم روڈ کراچی (س۔ن)

رسائل

80۔ قشیری، ابوالقاسم عبدالکریم، رسالہ قشیریہ (عربی) مصر 1346ھ

81۔ قشیری، ابوالقاسم عبدالکریم، رسالہ قشیریہ (ترجمہ ڈاکٹر محمد حسن اردو) طبع دوم، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان 1988ء

82۔ شاہ نعمت اللہ، رسالہ سیر و سلوک، تہران، 1310ھ

83۔ شاہ نعمت اللہ، رسالہ در خلوت، تہران، 1310ھ